از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہم

صفحہ	مضامین
۱۶	پیش لفظ

محبت الٰہی

صفحہ	مضامین
۲۲	محبت بے تاب کر دیتی ہے
۲۳	ان کے دل محبت سے کس قدر لبریز تھے
۲۴	ایک نوجوان کی محبت الٰہی
۲۶	دین الٰہی سے محبت کا صلہ
۲۸	محبت بھی کیسی سمائی تھی
۲۸	اپنے یار کو منالیا
۲۹	جس نے میری توحید کی گواہی دی
۳۱	دودھ اور پانی کا دلچسپ مکالمہ
۳۲	چڑیے کو اپنے بچے سے محبت
۳۳	حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی دو عورتیں
۳۴	جب ماں کی محبت کا یہ حال
۳۵	جب ماں کی ممتا کا یہ حال
۳۷	حضرت ابراہیمؑ سے پرندہ کی محبت
۳۸	صحابیہ میں قربانی کی تڑپ

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عباسؓ کا پرنالہ	۴۰

صحبتِ شیخ

صحبت سو سال کی عبادت کے برابر کیوں؟	۴۲
صحبت کی برکت	۴۲
حضرت امیر معاویہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل کیوں؟	۴۳
سفیان ثوریؒ ابو ہاشمؒ کی صحبت میں	۴۴
مولانا رومؒ شیخ کی صحبت میں	۴۴
حضرت گنگوہی مرشد کی صحبت میں	۴۵
باقی باللہ کی صحبت کا اثر نان بائی پر	۴۹
سید سلیمانؒ حضرت تھانویؒ کی صحبت میں	۵۰
بری صحبت کا برا انجام	۵۱
مرید کی انگلی میں شہد	۵۲

ذکرِ الٰہی

ذکر کے کس قدر شیدائی تھے وہ!	۵۴
ہر دل میں رب رب کی آواز	۵۵
متاع دل کو کہاں کرنے لگے تلاش؟	۵۶
بغیر ذکر ہاتھ کچھ آتا نہیں	۵۷
غفلت کے ساتھ ذکر بے سود نہیں	۵۸
ذکر سے دل کیونکر تڑپ نہ اٹھے؟	۵۹

۞	قبض کو دور کرنے کا ایک نسخہ	۶۰

قلب جسمانی

۞	ایک شعر سے دل کی دنیا بدل گئی	۶۲
۞	کوئے یار میں اٹکا رہے دل	۶۳
۞	ہر حال میں مالک پر رہے نظر	۶۴
۞	سفر حج میں ہر قدم پر نماز	۶۵
۞	پہلے تخلیہ پھر تحلیہ	۶۶
۞	جب تک میل کچیل دور نہ ہو	۶۷
۞	کہیں مسخ نہ ہو جائے یہ دل	۶۸
۞	جب ہپناٹزم کا اثر ہو سکتا ہے	۷۰
۞	بس یہی میرا کرتب تھا	۷۲
۞	ٹی وی اسکرین پر ایک کرتب	۷۳

معرفت ومعیت

۞	حضرت رابعہ کی معرفت بھری بات	۷۴
۞	معرفت نے بادشاہ بنا دیا	۷۶
۞	بادشاہ کی معرفت نے ملکہ بنا دیا	۷۷
۞	جب تک ہیرے کی پہچان نہ تھی	۷۸
۞	معرفت کے بغیر حسرت ہی رہ گئی	۷۹
۞	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت	۷۹
۞	ابا کوئی دیکھ رہا ہے	۸۰

عقیدت ومحبت

۞	روٹی کے ٹکڑے عقیدت سے کھائی	۸۲
۞	شیخ کی بات پر اعتماد کیجئے	۸۳
۞	زبیدہ ہارون سے بڑھ گئی	۸۴
۞	اگر عقیدت میں کمی نہ ہوتی	۸۵
۞	حضرت جانِ جاناںؒ کی نازک مزاجی	۸۶
۞	جتنی عقیدت اتنا ہی فیض	۸۷
۞	صحابۂ کرام کو کس درجہ اعتماد تھا؟	۸۹

آداب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۞	دربارِ الٰہی کا ادب	۹۲
۞	شمع رسالت کے درخشاں آداب	۹۳
۞	کاشانۂ نبوت میں امام مالکؒ کا ادب	۱۰۰
۞	ابوالفضل کا ادب	۱۰۳
۞	علماء دیوبند کا بے پناہ ادب	۱۰۳

سادات کا ادب

۞	صحابہؓ کی نگاہ میں سادات کا ادب واحترام	۱۰۶
۞	اکابر کی نظر میں سادات کا ادب واحترام	۱۱۱

والدین کی خدمت

۞	والدہ کی اطاعت پر نور کی بارش	۱۱۶
۞	خدمت کے وسیلہ سے چٹان کھسک گیا	۱۱۷

۞	والدین مسخ ہو گئے پھر بھی خدمت	۱۱۷
۞	حضرت خرقانیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟	۱۱۸
۞	حبِّ رسولﷺ حضرت اسامہؓ کا ادب	۱۱۹
۞	حضرت بایزیدؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟	۱۱۹
۞	احترام والدہ پر صاحب کشف ہو گئے	۱۲۰
۞	خدمت پر قطب بن گئے	۱۲۰
۞	اویس قرنیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟	۱۲۱
۞	والدین کو دل دکھانے کا انجام	۱۲۲

خلافت و نسبت

۞	خلافت ملنے پر اشکال	۱۲۴
۞	امیر خسرو کی عقیدت پر خلافت	۱۲۵
۞	حضرت سید احمد شہیدؒ کی خلافت	۱۲۶
۞	حضرت عبدالمالکؒ کو نسبت و خلافت	۱۲۷
۞	حضرت شاہ بھیکؒ کو خلافت	۱۲۹
۞	شاہ پھتو، فتح علی ہو گئے	۱۳۰
۞	بیک وقت سات علماء کو سند خلافت	۱۳۲
۞	حضرت صدیقؓ کو کیسی نسبت حاصل تھی؟	۱۳۴
۞	اللہ والوں کے وقت میں برکت کیوں؟	۱۴۰

ایمان ویقین اور استقامت

۞	ایمان کامل پر ہر چیز مسخر	۱۴۲

یہ روٹی تو میری نہیں	۱۴۳
دریا نے پیالہ واپس کر دیا	۱۴۴
جنگل کے جانور بھی ہو گئے رواں دواں	۱۴۵
زکوۃ سے مال محفوظ ہونے کا یقین	۱۴۵
میرا بیٹا پیٹھ پھیر نہیں سکتا	۱۴۶
جنگ یرموک میں خواتین کا کردار	۱۴۸
حضرت ابوطلحہؓ مسلمان کیسے ہوئے؟	۱۵۰
حضرت عکرمہؓ کا قبول اسلام	۱۵۱
ایک دہریہ لاجواب ہو گیا	۱۵۲
تمنائے شہادت	۱۵۳
معذور صحابی کا شوقِ شہادت	۱۵۴
جس قوم کے بچوں کا یہ جذبہ ہو	۱۵۵
حسین احمدؒ مدنی کفن بردوش جا پہنچے	۱۵۶
حضرت عبداللہ بن حذافہ کی استقامت	۱۵۷
درخت سے سری سقطیؒ کی گفتگو	۱۵۸
کینسر کے مریض کی قوت ارادی	۱۶۰
پھانسی کا پھندا اور حضرت سعیدؒ	۱۶۱
میرے مالک کے ہر کام میں خیر ہی خیر	۱۶۳
میں جانور کی بولی سمجھنے لگوں	۱۶۴
دلِ پُر نور میں کہیں غیر کا خوف	۱۶۶

۞	حضرت فاروقؓ کے سامنے دیہاتی کی بیباکی	۱۶۷
۞	عمرو بن ہشام کی ایمان سے محرومی	۱۶۷

علم

۞	☆ **علوم دینیه**	۱۷۰
۞	علم کے متلاشی کے لئے احتیاط	۱۷۰
۞	امام بخاریؒ نے تھیلی دریا میں ڈال دی	۱۷۱
۞	تکرار علم	۱۷۳
۞	غلاموں کے سروں پر علم کا تاج	۱۷۴
۞	غلامی کے پنجرے سے امامت کے مصلے تک	۱۷۷
۞	استاذ سے بھرپور مناسبت پیدا کیجئے	۱۸۱
۞	بے ادبی پر علم سے محرومی	۱۸۲
۞	طلب علم کے ساتھ گھر والوں کا خیال	۱۸۲
۞	طلبہ حدیث پر نور کی کرنیں	۱۸۳
۞	طلبہ کے لئے دو تحفے	۱۸۳
۞	حدیث سے محبت کا مثالی انداز	۱۸۵
۞	حضرت امام محمد بن سحنونؒ کا استغراق	۱۸۵
۞	طلبہ کے لئے رہنماء مثال	۱۸۶
۞	ابن جریر طبریؒ کا تصنیفی کارنامہ	۱۸۶
۞	ابن جوزیؒ کے حالات	۱۸۸
۞	ایک وقت میں دو کام	۱۸۸

۞	علامہ ابن عقیلؒ کا علمی ولولہ	۱۸۸
۞	فضیل بن عیاض کا محاسبہ	۱۸۹
۞	علامہ ضیاء المقدسیؒ کا قیام لیل	۱۸۹
۞	سبق کی اہمیت	۱۹۰
۞	علامہ منذریؒ کی حدیث سے محبت	۱۹۰
۞	امام آلوسیؒ ایک مثالی مدرس	۱۹۱
۞	مجد الدین ابن تیمیہ کا زمانۂ طالب علمی	۱۹۱
۞	☆ **راہِ علم میں ادب کے فوائد**	۱۹۲
۞	اساتذہ کے ادب کی عجیب مثالیں	۱۹۲
۞	خدمت استاذ کی برکتیں	۱۹۴
۞	کتابوں کا ادب	۱۹۵
۞	ساتھیوں کا ادب	۱۹۶
۞	طلبہ کی برکت	۱۹۶
۞	ہدیہ لینے میں احتیاط کرنا چاہئے	۱۹۶
۞	اساتذہ کی شفقت کے واقعات	۱۹۹
۞	طلبہ کا مالی تعاون	۲۰۰
۞	استاذ ناغہ نہ کریں	۲۰۳
۞	کم کھانے کا فائدہ	۲۰۴
۞	کشادہ دل علماء کے واقعات	۲۰۴
۞	امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ	۲۰۵

۞	امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ	۲۰۶
۞	حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیدؓ میں علمی اختلاف	۲۰۷
۞	حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا اختلاف	۲۰۷
۞	☆ **علوم عصریہ**	۲۱۰
۞	مادی علم کی طاقت	۲۱۰
۞	محمد علی کا مقابلہ	۲۱۱
۞	مقناطیسی دھاگے کے ذریعہ آپریشن	۲۱۱
۞	آنکھوں دیکھا حال	۲۱۳
۞	ایک مصنوعی چاند	۲۱۴
۞	ہاتھیوں کا فٹ بال میچ	۲۱۴
۞	ہاتھی کی پینٹنگ	۲۱۵
۞	ایک عجیب وغریب کیٹل فارم	۲۱۵
۞	ڈالفن مچھلی کا حیرت کن کرتب	۲۱۶
۞	ریچھ کی عقلمندی	۲۱۷
۞	ہاتھی کا تماشا	۲۱۸

ذہانت اور فطانت

۞	قوتِ حافظہ کی انوکھی مثال	۲۲۲
۞	قوت حافظہ اور محدث کا مقام	۲۲۳
۞	حضرت علیؓ کا عجیب فیصلہ	۲۲۴
۞	غفلت میں نبیؐ کا نام لینے پر سجدۂ سہو	۲۲۵

۞	ایک طالب علم کی ذہانت	۲۲۶
۞	انسان اپنے کلام میں پوشیدہ ہوتا ہے	۲۲۶
۞	ابن عربی کا شیطان سے مکالمہ	۲۲۸
۞	ایک بڑے میاں کے دلچسپ اشکالات	۲۲۹
۞	تالاب میں پانی کتنے پیالے	۲۳۱
۞	غیر محرم کے ہاتھ میں دھاگہ	۲۳۱
۞	تو کانا کیوں پیدا ہوا	۲۳۲
۞	یہ قیاس آیا کہاں سے؟	۲۳۲
۞	منہ توڑ جواب	۲۳۳
۞	آج مسلمان اور کل ہاتھ میں بخاری	۲۳۴
۞	ترکی بہ ترکی جواب	۲۳۵
۞	عقل بڑی یا بھینس	۲۳۷
۞	شوگر فری تربوز	۲۳۷
۞	چاند کی رؤیت کے سلسلے میں حضرت کا واقعہ	۲۳۸
۞	منفرد مثال کے ذریعہ اہم پیغام	۲۴۱

فہم و فراست

۞	حضرت ابو بکرؓ کی فراست	۲۴۴
۞	حضرت عمرؓ کی فراست	۲۴۴
۞	حضرت عمرؓ کی فہم وفراست	۲۴۵
۞	حضرت جنید بغدادیؒ کی فراست	۲۴۶
۞	یہ حرام گوشت کب سے	۲۴۷

انگور سے مردوں کی بدبو	۲۴۸
یا تو بڑھئی یا درزی	۲۴۹

تربیت وپرورش

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی پیاری باتیں	۲۵۲
بچوں کی سعادت بچپن سے ہی	۲۵۳
بچے گھر کے ماحول کے مطابق کھیلتے ہیں	۲۵۴
یہ بچہ ہے یا بوڑھا	۲۵۵
چھوٹے بچوں کی سوچ اور ان کی دنیا	۲۵۵
شیخ سعدیؒ کا بچپن	۲۵۸
مولانا آزادؒ کے لڑکپن کی باتیں	۲۶۰
مولانا عبدالماجدؒ کی رسم بسم اللہ	۲۶۱
اکبرالہ آبادی کو چھکنے کا تحفہ	۲۶۲
بہن کی تربیت کا اثر بھائی پر	۲۶۴
جذبۂ جہاد پیدا کرنے کا انوکھا انداز	۲۶۵
ماں کی تلاوت کا اثر بچوں پر	۲۶۶
مشتبہ کھانے کا اثر اولاد پر	۲۶۷
بچے کی تربیت کا عبرت آمیز واقعہ	۲۶۷
ایک سلیقہ مند بچہ کا جواب	۲۷۰
ضد کا علاج کیسے کیا؟	۲۷۱
باپ نے حق ادا نہ کیا	۲۷۲

بری اولاد بد دعا کرنے لگی	۲۷۳
اولاد پر ماں کی ممتا	۲۷۴
بغیر اطلاع گھر آنے کا انجام	۲۷۷
اے عمرؓ! آپ نے تین غلطی کی	۲۷۸
شیطان کا شہد اور راکھ	۲۷۹
یورپ میں بچوں کا برتاؤ	۲۸۰

عبادت وریاضت

اطاعت نبوی کی حیرت انگیز مثال	۲۸۲
جذبہ جہاد شوق عبادت کی حیرت انگیز مثال	۲۸۷
سنت پر عمل کی انوکھی مثال	۲۸۸
حضرت ابن عمرؓ کا جذبہ عمل	۲۸۸
ہیرا ٹوٹے تو ٹوٹے مگر......	۲۸۹
کاش اپنے رب کے حکم کو دیکھتے	۲۹۰
ایک اشکال کا حیران کن جواب	۲۹۰
اپنے آپ کو خدا کے حوالے تو کیجئے	۲۹۱
ہر ایک کو راضی کرنا ممکن نہیں	۲۹۲
دو صحابہؓ کی درخشندہ مثال	۲۹۲

۞	حضرت یوسفؑ سے بوڑھی عورت کی محبت	۲۹۳
۞	نیکی کی خوشبو	۲۹۴
۞	پگھلتی برف سے عبرت	۲۹۴
۞	روشندان بنانے کی نیت	۲۹۵
۞	غسل کرنے میں نیت کا دخل	۲۹۵
۞	کنگھی بھی نیت کے ساتھ	۲۹۶

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
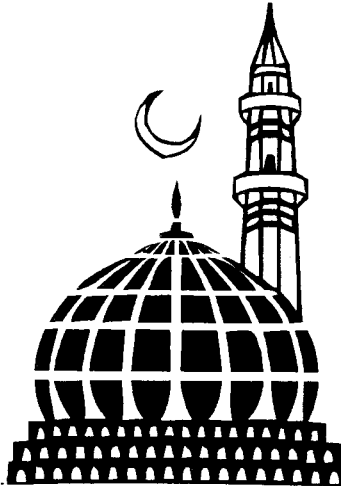
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ وخطاب اور بیان وتقریر میں اگر قرآنی آیات اور نبوی فرمودات کی آمیزش ہو تو وعظ وخطاب میں نورانیت وجاذبیت اور اثر انگیزی بڑھ جاتی ہے، آیات وآحادیث کے انوار وبرکات دلوں کو چھوتی اور قلب وجگر کو گرماتی ہیں اور اگر خطیب کا دردِ دل، سوزِ دروں اور سوزِ جگر شامل ہو تو پھر سحر انگیزی کا عجیب کیف ہوتا ہے، دل کی دنیا بدلتی ہے، دل ودماغ پر فکرِ آخرت چھا جاتی ہے، اس کے رفتار وگفتار کا انداز بدل جاتا ہے، پھر تو وہ اپنے خالق و مالک کی رضا اور تلاشِ محبت میں کھویا کھویا رہتا ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

اور اگر خطیب کے کلام میں عبرت آموز حکایات اہلِ دل اولیاء کرام کے واقعات شامل ہوں تو سامعین نگاہِ شوق بن جاتے ہیں اور مضامین کی عبرت آموزی دو بالا ہو جاتی ہے، بلکہ اس کا ضمیر جھنجھوڑتا ہے کہ تجھے تو تمہارے ہی آباء واجداد، جنھوں نے عبادت و ریاضت اور محنت ومجاہدہ میں اپنی جان کھپا دی، زندگی کا ہر لمحہ یادِ الٰہی اور محبت باری میں گزار دیا، دست بکار، دل بیار کے مصداق بنے رہے، اخلاقِ حمیدہ کے پھولوں سے دل کو سجاتے رہے اور معرفت کی عطر چھڑکتے رہے، اے کاش! تو بھی تو انسان ہے، کیوں خوابِ غفلت میں پڑا ہے؟ اپنے مالک کی یاد سے کیوں بھولا بھٹکا ہے؟ تیرے دل کا رخ کیوں بدلا بدلا

ہے؟ چلو......! اٹھو......! کمر کس لو......! اور ان روشن ستارے صحابہؓ اور روشن اولیاء کرام کے واقعات کو ذہن میں بیٹھاؤ، عہد کرو، میدانِ عمل میں دوڑ لگاؤ اور اپنے سینہ کو بے کینہ بنا کر محبت الٰہی سے بھر لو۔

اسی مقصد اور جذبہ کے تحت ہر دور میں اکابر و مشائخ وعظ و خطاب میں واقعات سنایا کرتے تھے، خود قرآنی اسلوب دیکھئے اور ذخیرۂ احادیث پر نظر ڈالیے تو جا بجا قصص و واقعات کے نمونے ملیں گے، کہیں تو صالحین و مقربین کے عبرت آموز واقعات نظر نواز ہونگے، تو کہیں کفار و منافقین کے حسرت آموز واقعات ......خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکایت و قصص سنائے بھی ہیں اور دوسروں کی زبانی سنے بھی ہیں، ایک دفعہ ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ نے گیارہ عورتوں کے مشہور اور دلچسپ قصے سنائے، جو حدیث ام زرعؓ کے نام سے مشہور ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دلچسپی سے سنتے رہے اور پھر اخیر میں ابوزرع کے حسین اخلاق کو سن کر فرمایا: اے عائشہ! میں تمہارے لیے ابوزرع کی طرح ہوں۔

بعض اکابر و مشائخؒ نے اپنی کتابوں میں واقعات کے ذکر کرنے کا بڑا اہتمام کیا ہے، چنانچہ مشہور محدث حضرت ابونعیم اصفہانیؒ نے دس جلدوں پر مشتمل حلیۃ الاولیاء نامی کتاب لکھی، جس میں بیشمار واقعات ہیں، اس کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ نے اس کا اختصار کیا اور تین جلدوں میں مشتمل صفوۃ الصفوۃ نامی کتاب لکھی، اسی طرح سیر السلف کو دیکھئے، اس میں زمانۂ قدیم کے اسلاف کے بیشمار واقعات نظر آئیں گے، اسی طرح قصص الانبیاء ہو یا قصص القرآن، موسوعہ غرائب القصص ہو یا موسوعہ القصص المؤثرۃ یا الفرج بعد الشدۃ ہو یا ابن جوزیؒ کی کتاب الاذکیاء، تلبیس ابلیس یا جاحظؒ کی کتاب البخلاء، ان تمام میں ان گنت قصے نظر

آئیں گے، ان کے علاوہ اگر آپ واقعات کی دنیا میں جا کر صرف واقعات کی کتاب تلاش کریں تو سو سے زائد کتاب آپ کے سامنے ہونگی۔

واقعات کی افادیت کے اعتراف کے ساتھ اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ واقعات نہ تو مقصود ہیں اور نہ ہی مطلوب، بلکہ صرف اور صرف سامعین کے قلوب میں دردِ دل اور سوزِ دروں کو بیٹھانا ہوتا ہے، دلوں میں رقت اور خوف وخشیت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے، یا کسی بڑی حقیقت کو واقعات کے سہارے ہر کس و ناکس کو سمجھانا ہوتا ہے اور بس۔

اس جذبہ کے تحت خطیب کبھی تو واقعات کو مکمل بیان کرتا ہے اور کبھی اختصار کا پیرایہ اختیار کرتا ہے، کبھی صاحبِ واقعہ کے نام کو ذکر کرتا ہے تو کبھی ابہام واجمال کے ساتھ بیان کر دیتا ہے، اسی کے ساتھ خطیب سے کبھی نام میں، تو کبھی دو واقعہ میں خلط بھی ہو جاتا ہے اور تمثیل و واقعات کی دنیا میں یہ توسع گوارہ بھی کر لیا جاتا ہے، واقعات کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے تو اس قسم کی بیشمار مثالیں آپ کو ملیں گی۔

میرے پیر ومرشد حضرت اقدس، رہبرِ شریعت، عارف باللہ حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی زبانِ فیض ترجمان سے جو روحانی اور عرفانی بیانات ہو رہے ہیں؛ ان کے متعلق عوام وخواص، مرد وزن ہر ایک کا یہ تأثر زبانِ خلق بنتا جا رہا ہے کہ ہر بیان دلوں کو بیدار کرنے، توجہ الی اللہ، انابت الی اللہ اور فکرِ آخرت کی کیفیت پیدا کرنے میں بے مثال ہے، آپ کی باتیں براہِ راست سنئے، یا انٹرنیٹ یا سی ڈی کے ذریعہ یا کتابوں میں پڑھئے، ہر ایک اپنی تاثیر میں لاجواب ہے، حضرت اقدس بھی اپنے مواعظ میں قصص وحکایات بہت دل سوزی کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت کے شائع شدہ بنایات سے واقعات کا اقتباس کرتے ہوئے یہ دوسرا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے، واقعات کے حوالے تلاش کرنا اتنا آسان نہیں، جتنا فقہ وفتاویٰ اور تفسیر و تاریخ کے حوالے کا تلاش کرنا آسان ہے، بلکہ حکایات کے حوالے تلاش کرنا کچھ زیادہ ہی دشوار ہے جیسا کہ اہلِ علم جانتے ہیں، تاہم اس حصہ کی کمپوزنگ مکمل ہو جانے کے بعد حضرت اقدس، صاحب نسبت مولانا صلاح الدین صاحب سیفی زید مجدہ سے جب اس کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے حوالے تلاش کرنے کی تاکید فرمائی، ان کے ایماء اور دعا پر یہ کام کسی حد تک انجام پایا۔

اس حصہ کی ترتیب میں مندرجۂ ذیل امور پیشِ نظر رہے:

(۱) اکثر و بیشتر واقعات کے حوالے مستند کتابوں سے درج کئے گئے ہیں۔

(۲) جن کے حوالے مل سکے ہیں ان کو اصل ماخذ سے موازنہ کے دوران اگر فرق نظر آیا تو اصل ماخذ کے مطابق واقعہ نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳) جن کے حوالے درج نہ ہو سکے یہ عاجز اپنی کم علمی اور غفلت کی بناء پر ان کے ماخذ تک نہ پہنچ سکا، اگر مزید کوشش کرتا تو انشاء اللہ وہ حوالے ضرور پالیتا۔

تصنیفی اور تحریری سفر میں اس عاجز کے بہترین رفیق سفر اور تحقیق وتخریج میں اپنے ایک بے لوث معاون کا ممنون و مشکور ہوں، جنھیں دربارِ الٰہی سے ذوقِ تحقیق کا وافر حصہ ملا ہے، جنھیں تلاشِ حوالہ کا ملکہ حاصل ہے، جنھیں روشن ذہن اور ایسا تیز رو دماغ ملا ہے کہ بہت جلد تلاشِ حوالہ میں کتابوں کی طرف ذہن سبقت کرتا ہے، وہ عمدہ کتابوں کے خوگر اور طلبِ علم میں پسینہ بہانے کے عادی ہیں، اس سے میری مراد رفیق مکرم جناب مولانا رضی عالم صاحب دامت برکاتہم ہیں، خدائے پاک علم کی دنیا میں انہیں تابندہ اور درخشندہ رکھے، اسی کے ساتھ رفیقِ مکرم استاذِ حدیث حضرت مولانا یحییٰ صاحب پالن پوری کا بھی مشکور ہوں جو

ایک عمدہ مدرس، حدیث وتفسیر اور منطق وفلسفہ کے بہترین شناور ہیں، اپنے علاقہ کے ممتاز علماء میں شامل ہیں، کتب بینی کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور اکابر کے حالات و واقعات ذہن نشیں کرنے کے عادی ہیں، نیز محبّ محترم حضرت مولانا نسیم اطہر ندوی صاحب کوفراموش نہیں کرسکتا جوزبان وادب کا شیریں اور حسین ذوق رکھتے ہیں، جن کے ذوق ادب نے کتابت کی باریک غلطیوں کی عمدہ تصحیح کی اور اسی کے ساتھ مخلص باصفا حضرت مولانا قاری ذاکر صاحب بھی امتنان وتشکر کے مستحق ہیں، جنہوں نے عرق ریزی کے ساتھ تصحیح کتابت کا فریضہ انجام دیا۔ جزاہم اللہ خیراًالجزاء

اللہ پاک ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

(مفتی) محمد انعام الحق (نقشبندی) سیتامڑھی، بہار

خادم دارالعلوم ہدایت الاسلام عالی پور

ضلع نوساری، گجرات (انڈیا)

۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۳۱ر مارچ ۲۰۱۱ء

محبت الٰہی

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

محبت بے تاب کر دیتی ہے

صحابہ کرامؓ کے دلوں میں اللہ رب العزت کے ساتھ بے پناہ محبت تھی، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ احد کی لڑائی میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، اگلے دن فائر کھلنا ہے، لڑائی شروع ہونی ہے، دو صحابہؓ آپس میں دوست ہیں، ایک حضرت سعد بن وقاصؓ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن جحشؓ، وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجاہد جب اللہ کے راستے میں نکل کر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالی اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں، دوسرے نے کہا میں نے بھی سنا ہے، کہنے لگے کیوں نہ ہو، میں دعا مانگتا ہوں آپ آمین کہنا اور پھر آپ دعا مانگئے گا پھر میں آمین کہوں گا، ہماری دعائیں قبول ہو جائیں گی، انہوں نے کہا بہت اچھا، چنانچہ دونوں ایک طرف کو گئے۔

حضرت سعدؓ نے دعا مانگی: اے اللہ! کل کو میرا مقابلہ دشمن کے کسی بڑے سے ہو، وہ مجھ پر اٹیک کرے میں اس پر وار کروں، اے مالک! ہمارا خوب مقابلہ ہو، بالآخر میں اس پر ایسا وار کروں کے تیرے راستے میں اس کو قتل کر ڈالوں اور دشمن کے کسی بڑے کو قتل کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہو اور مالِ غنیمت حاصل ہو، دوسرے نے کہا: آمین۔

اب حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی باری تھی، انہوں نے دعا مانگی، کہا: اے پروردگار! کل میرا مقابلہ کسی بہادر، سخت حملہ آور، غصہ والا دشمن سے ہو، وہ مجھ پر وار کرے اور میں اس پر وار کروں، ہمارا خوب ایک دوسرے سے مقابلہ ہو، اور بالآخر وہ مجھ پر ایسا وار کرے کہ مجھے تیرے راستے میں شہید کر دے، اے اللہ! پھر وہ میری ناک کاٹ دے اور میرے کانوں کو کاٹ لے، اے آقا! میں قیامت کے دن اسی حال میں آپ کے سامنے

کھڑا کیا جاؤں اور تو مجھ سے پوچھے اے میرے بندے! تیری آنکھوں اور کانوں کا کیا بنا؟ اور میں عرض کروں اے اللہ! محبت میں یہ نذرانہ آپ کے سپرد کر کے آیا ہوں۔

(الاصابۃ ۲/ ۲۸۷ - حلیۃ الاولیاء ۱/ ۱۰۹ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ۱/ ۶۳۹ - الاصابہ ۴/ ۳۶ - سیر اعلام النبلاء ۱/ ۸۹ - معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ۳/ ۱۶۰۷)

اندازہ کیجئے کہ محبت ان کو کس قدر اللہ رب العزت کی ملاقات کے لئے بیتاب کر دیتی تھی، یہ جذبہ آج ہمارے اندر موجود نہیں ہے، اگر ہو تو ہماری زندگی کا رنگ بدل جائے اور رفتار و گفتار میں محبت جھلکنے لگے۔

ان کے دل محبت سے کس قدر لبریز تھے

ایک مرتبہ حضرت ضرار بن ازورؓ جہاد کرتے ہوئے دشمن کے گھیرے میں آ گئے اسی حالت میں کئی گھنٹے لڑتے بھڑتے ان کا گھوڑا تھک گیا، وہ چاہتے تھے کہ گھوڑے کو بھگائیں مگر گھوڑا اتنا تھک چکا تھا کہ بھاگنا مشکل تھا، چاروں طرف ان کے دشمن تھے اور انہوں نے بھی دیکھ لیا تھا کہ اب گھوڑا بھاگ نہیں سکتا، انہوں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تاکہ انہیں زندہ گرفتار کر سکیں، جب انہوں نے دیکھا کہ اب دشمن میرے اتنے قریب آ رہے ہیں تو یہ زیادہ متفکر ہوئے اور گھوڑے کی لگام کھینچی مگر گھوڑا تھکن کی وجہ سے آگے بڑھتا ہی نہیں تھا، کتاب میں لکھا ہے وہ اس وقت گھوڑے پر آگے جھکے اور اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے: اے گھوڑے! تو تھوڑی دیر کے لئے میرا ساتھ دے دے ورنہ میں نبی ﷺ کے روضے پر جا کر تیری شکایت کروں گا، یہ الفاظ کہنے تھے کہ گھوڑا ہنہنایا اور ایسے بھاگنے لگا جیسے تازہ دم ہو، انہوں نے دشمن کا حصار توڑا اور گھیرے سے باہر تشریف لے آئے، گھوڑے تھک جاتے تھے مگر مجاہد نہیں تھکا کرتے تھے، کیسے لوگ تھے....!

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

''یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ سے وعدہ سچ کر دکھایا''

انکی زندگی کے ان حالات کو پڑھ کر حیران ہوتے ہیں، کیا وجہ تھی ....؟ ان کے دل اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز تھے، اسی لئے اللہ کے نام پر قربان ہو جانا ان کی زندگی کا مقصد ہوتا تھا، وہ لوگ استقامت کے پہاڑ تھے اور اللہ رب العزت کو یہی استقامت پسند ہے۔

(فتوح الشام للنواوی ۱/۵۴ دار الکتب العلمیۃ)

ایک نوجوان کی محبت الٰہی

امریکہ میں ایک نوجوان تھا، کلمہ گو مسلمان تھا، لیکن جس دفتر میں کام کرتا تھا اس دفتر میں کام کرنے والی ایک امریکن لڑکی سے اس کا تعلق ہو گیا، اس کا یہ محبت کا تعلق اتنا بڑھا کہ اس نے محسوس کیا کہ اب میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اس نے پروپوزل (تجویز) بھیج دی کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اس کے والدین نے کہا ہماری یہ کنڈیشن (شرط) ہے کہ۔

☆.... ہم عیسائی ہیں اس لئے آپ کو اپنا دین چھوڑ کر عیسائی ہونا پڑیگا۔

☆.... والدین سے قطع تعلق کرنا پڑیگا۔

☆.... آپ اپنے ملک واپس نہیں جایا کریں گے۔

☆.... جس کمیونٹی میں آپ رہتے ہیں اس کمیونٹی کے لوگوں سے آپ بالکل نہیں ملا کریں گے۔

اگر آپ یہ تمام شرائط پوری کر سکتے ہیں تو ہم اپنی بیٹی کی شادی کر دیتے ہیں، یہ اپنے جذبات میں اس قدر مغلوب الحال تھا کہ اس اللہ کے بندے نے یہ تمام شرائط قبول کر لیں، ماں باپ سے قطع تعلقی، عزیز واقارب سے رشتہ ختم، ملک سے رشتہ ختم، جس کمیونٹی (مسجد) میں رہتا تھا، وہاں آتا جاتا تھا وہاں سے رشتہ ختم حتی کہ اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گیا اور عیسائیوں کے ماحول میں زندگی گزارنے لگ گیا، پھر اس نے اس لڑکی سے شادی کر لی، مسلمان بڑے پریشان، کبھی کبھی وہ اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ ان سے ملنے سے

کترایا کرتا تھا، کہیں پبلک میں مل جاتا تو یہ دور سے کنی کترا جاتا تھا، لوگ بالآخر تھک گئے۔

☆.... کسی نے کہا: اس کے دل پر مہر لگ گئی۔

☆.... کسی نے کہا: مرتد ہو گیا۔

☆.... کسی نے کہا: اس نے جہنم خرید لی۔

☆.... کسی نے کہا: اس نے بڑا مہنگا سودا کیا۔

جتنے منہ اتنی باتیں، اسی حال میں اس کو ایک سال گزر گیا، دو سال گزر گئے، چار سال یونہی گزر گئے، اس کے دوست احباب اس سے مایوس ہو گئے، حتیٰ کہ یہ ان کی یادداشت سے بھی نکلنے لگ گیا اور بھولی بسری چیز بنتا چلا گیا، اچانک ایک دن امام صاحب نے مسجد کا دروازہ کھولا، یہ نوجوان بھی فجر کی نماز پڑھنے کے لئے آیا، وضو کیا اور مسجد میں صف میں آ کر بیٹھ گیا، امام صاحب بڑے حیران! ان کے لئے تو یہ بڑی عجیب چیز تھی، انہوں نے نماز پڑھائی، پھر اس سے سلام کیا اس کو اپنے حجرہ (کمرے) میں لے گئے، انہوں نے محبت پیار سے بیٹھا کر ذرا پوچھا کہ آج بڑی مدت کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔

اس وقت اس نے اپنی حالت بتائی کہ میں نے اس لڑکی کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، بہت کچھ میں نے اپنا ضائع کر دیا، لیکن جس گھر میں رہتا تھا، میرے اس گھر میں ایک جگہ پر اللہ کا قرآن پڑا ہوا تھا، میں جب کبھی آتا جاتا میری نظر اس قرآن مجید پر پڑتی تو میں اپنے دل میں سوچتا کہ یہ میرے مولا کا کلام ہے اور یہ میرے گھر میں موجود ہے، میں اپنے نفس کو ملامت کرتا کہ تو ظاہر میں جو بنا پھرتا ہے، پھر بھی تیرے دل میں اللہ کا ایمان موجود ہے، اعمال میرے برے تھے لیکن دل مجھے کہا کرتا تھا: میں نے جس کا کلمہ پڑھا، میں اس سے محبت کرتا ضرور ہوں اس لئے اس کی نشانی میں نے رکھ رکھی ہوئی ہے۔

اسی طرح کئی سال گزر گئے، ایک دن میں آیا اور حسب معمول میں نے گزرتے ہوئے اس پر نظر ڈالی تو مجھے وہ کتاب نظر نہ آئی، میں نے وائف سے پوچھا کہ ایک کتاب یہاں پڑی تھی، وہ کدھر ہے؟ اس نے کہا: میں نے گھر کی صفائی کی تھی تو جو غیر ضروری چیزیں

تھیں، جو استعمال نہیں ہوتی تھیں، ان سب کو میں نے ٹریش کر دیا (یعنی ان کو الگ کر کے ایک گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا) اس نے پوچھا اس کتاب کو بھی؟ اس نے کہا: ہاں! یہ نوجوان وہیں سے واپس گیا اور جا کر ٹریش کیبن میں سے وہ کتاب اٹھا لایا، جب لڑکی نے دیکھا کہ یہ بڑی STRONG FEELINGS (شدید جذبات) کا اظہار کر رہا ہے اس کتاب کے بارے میں تو وہ بھی محسوس کرنے لگی کہ آخر کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ بس میں اس کتاب کو گھر میں رکھنا چاہتا ہوں۔

جب اس لڑکی نے کتاب کو دیکھا کہ عربی ہے تو اس نے سوچا کہ اس کا اس سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے، وہ کہنے لگی: دیکھو! یا تو اس گھر میں یہ کتاب رہے گی یا پھر میں رہوں گی، تمہیں آج یہ (DECIDE) فیصلہ کرنا ہے۔

جب اس لڑکی نے کہا تو میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ تو نے نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ کچھ کر لیا جو تجھے نہیں کرنا چاہئے تھا، آج تیرا رشتہ پروردگار سے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائیگا، اب تو فیصلہ کر لے کہ تو اس لڑکی کو چاہتا ہے یا پھر اپنے پروردگار کو چاہتا ہے، جب میں نے اپنے دل میں سوچا تو دل نے آواز دی کہ نہیں، میں اپنے مولا سے کبھی نہیں کٹنا چاہتا ہوں، میں نے اس لڑکی کو طلاق دے دی، اب میں نے دوبارہ کلمہ پڑھا اور ہمیشہ کے لئے پکا مسلمان بن گیا ہوں۔

تو اتنا غافل مسلمان ہو کر بھی دل میں اللہ رب العزت کی محبت کا بیج موجود ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں کسی کو فسق وفجور میں مبتلا دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، کیا خبر! اس کے دل میں محبت الٰہی کی جو بیج اور چنگاری چھپی ہے اسے یکلخت کہاں سے کہاں تک پہنچا دے۔

دین الٰہی سے محبت کا صلہ

مدینہ طیبہ میں ایک نوجوان رہتا تھا جو غفلت کا شکار تھا، اس کی زندگی بھی کافروں والی تھی، عادتیں بھی، لباس بھی، کھانا پینا بھی، سب کچھ اس کا بس کافروں کی

طرح تھا، لیکن ویسے کلمہ پڑھتا تھا اور مدینہ طیبہ میں پیدا ہوا وہیں کا رہنے والا تھا، جب وہ فوت ہوا تو اس کی جنازے کی نماز پڑھی گئی اور اس کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا، اللہ کی شان کہ وہ لوگ دفن کر کے واپس آئے ان میں سے ایک بندہ تھا جس کی جیب میں کوئی ایسا کاغذ تھا، جو بڑی اہمیت کا حامل تھا وہ گم ہوگیا، اس کو اندازہ ہوا کہ جب دفن کرنے کے لئے میں قبر میں اترا تھا، تو اس وقت وہ کاغذ کہیں نیچے نہ گر گیا ہو؟ کاغذ بہت اہم تھا چنانچہ اس نے حکومت سے اجازت مانگی کہ قبر کو کھولا جائے اور میرا وہ کاغذ اتنا اہم ہے وہ نکالا جائے، اس کو اجازت مل گئی جب قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ وہاں پر مرد کے بجائے ایک انگریز گوری لڑکی دفن ہے، تو قبر کھولنے والے بھی بڑے حیران! اب یہ بات کافی لوگوں میں پھیل گئی، اس کی تصویریں بھی لی گئیں، اخباروں میں چھپائی گئیں، چنانچہ یوروپ کے کسی ملک سے ان کو ایک اطلاع ملی کہ یہ تصویر تو میری بیٹی کی تصویر ہے جب اس سے رابطہ کیا گیا، اس بندے سے جا کر ملے تو اس نے کہا کہ اسکی بیٹی کی چند دن پہلے وفات ہوئی اور ہم نے تو اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کیا، چنانچہ یہاں حکومت سے اجازت لے کر جب اس لڑکی کی قبر کو کھودا گیا تو دیکھا گیا کہ وہاں اس نوجوان کی لاش پڑی تھی، لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، اس انگریز سے پوچھا گیا کہ آپ کچھ جانتے ہو یہ کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ اور تو مجھے پتہ نہیں لیکن اتنا مجھے اندازہ ہے کہ میری اس بیٹی نے کچھ دنوں سے اسلام کے بارے میں کتابیں پڑھنی شروع کر دی تھی اور یہ مجھے بار بار کہتی تھی، کہ میں دین اسلام سے محبت رکھتی ہوں، یہ بار بار کہتی تھی اور ہوسکتا ہے کہ اس نے کلمہ بھی پڑھ لیا ہو، تب جا کے لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو نوجوان مدینہ میں پیدا ہوا اور فقط ظاہر کا مسلمان تھا، اندر سے غیر مسلموں کے طور طریقے کو پسند کرتا تھا، اس کو اگر جنت البقیع میں دفن کیا گیا تو اللہ نے اس لاش کو عیسائیوں کے قبرستان میں پہونچا دیا اور عیسائی لڑکی اگر چہ عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کی گئی، دین اسلام کی محبت رکھنے کی وجہ سے اللہ نے اسکی لاش کو جنت البقیع میں پہونچا دیا، لہٰذا

اگر ہمیں شوق وتمنا ہے اور دل کی آرزو ہے کہ مقدس مقام پر حسن خاتمہ ہو تو اسلام کی محبت اور اپنے خالق ومالک کی محبت کو دل میں رچا اور بسا لیجئے۔

نوٹ: اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضرت تھانویؒ نے بیان فرمایا ہے۔

(حضرت تھانویؒ کے دلچسپ واقعات ص: ۱۷۷)

محبت بھی کیسی سمائی تھی

حضرت شبلیؒ اللہ کی محبت میں فنا ہو چکے تھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مجنون سمجھ کر کسی نے پتھر مارا، جس کی وجہ سے خون نکل آیا، ایک آدمی دیکھ رہا تھا، اس نے جب خون نکلتا دیکھا تو کہا کہ چلو میں پٹی باندھ دیتا ہوں، لہٰذا اس نے بچوں کو ڈرایا دھمکایا اور ان کے قریب ہوا، وہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو قطرہ بھی خون کا نکلتا ہے وہ زمین پر گرتے ہی اللہ کا لفظ بن جاتا ہے، وہ حیران ہوا کہ اس بندے کے رگ وریشہ میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت سمائی ہوگی کہ خون کا جو قطرہ بھی گرتا ہے وہ اللہ کا لفظ بن جاتا ہے، اس کے بعد اس نے زخم پر پٹی باندھ دی۔

- حضرت شبلیؒ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت تھی کہ جب کوئی انکے سامنے اللہ کا نام لیتا تھا تو وہ جیب میں ہاتھ ڈالتے تھے اور جیب سے مٹھائی نکال کر اس بندے کے منہ میں ڈال دیتے تھے، کسی نے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں کہ لوگوں کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے میں اس منہ کو شیرینی سے نہ بھر دوں تو پھر اور کیا کروں۔

بستان العارفین ۴۳۱-تذکرۃ الاولیاء ۳۱۱-۳۱۲

اپنے یار کو منا لیا

نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے، اللہ کی شان کہ ان پر آخری گھڑیاں آگئیں،

ان کی ایک دو تین سال کی بیٹی تھی جس کا نام حفصہ تھا، وہ اپنے ابو کے پاس آیا کرتی تھی اور سینے پر لیٹ جاتی تھی، کھیلتی تھی، باتیں کرتی تھی، آخری وقت میں جب وہ آئی اور اپنے ابو کے سینے پر لیٹی تو ابو نے اسکو کوئی responce, (توجہ) نہ دی، وہ بچی تھی ایک دو دفعہ اس نے ابو کو متوجہ کرنے کی کوشش کی جب وہ متوجہ نہ ہوئے تو ان کے سینے سے اتری اور دوسرے کمرے میں جا کر رونا شروع کر دیا، ماں نے پوچھا بیٹی کیوں رو رہی ہے، اس نے کہا، ابو مجھ سے نہیں بولتے میں نے ابو سے نہیں بولنا، میں نے بھی کٹی کر لی ہے، میں ابو سے نہیں بولونگی، ماں اس بچی کو لیکر اپنے میاں کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ دیکھیں آپ حفصہ سے کیوں نہیں بولتے؟ حفصہ کہہ رہی ہے میں نے ابو سے نہیں بولنا آپ ذرا بولیں ناں حفصہ کو منالیں، جب بیوی نے کہا کہ آپ حفصہ کو منالیں تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمانے لگے، کون سی حفصہ اور کیسی حفصہ؟ ہم نے اپنے یار کو منالیا اور اسی کو دل میں بسالیا ہے، یہ کہتے ہوئے لاالہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کلمہ پڑھا اور ان کی روح پرواز کر گئی، یہ اللہ والوں کی زندگی ہوتی ہے، آخری وقت میں بس اللہ کی محبت ان کے دل میں ایسی بھری ہوتی ہے کہ بس غیر کی محبتوں سے دل خالی ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر بندۂ خدا کو چاہیئے کہ ذکر وفکر اور مراقبہ کے ذریعہ دل کو خدا کے ساتھ اس طرح مربوط کر لے کہ اس شعر کا مصداق بن جائے:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں
کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں
غم سے تیرے دل شاد ہے

جس نے میری توحید کی گواہی دی

حضرت یوسفؑ کے زمانے میں گندم کی کمی تھی، حکومت نے گندم اسٹور کی ہوئی تھی اور دینے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا حکم چلتا تھا، انہوں نے کارندوں کو کہا

ہوا تھا کہ اگر کوئی آئے تو اتنی قیمت لینا اور اسکے بدلے ہر بندے کو اتنی گندم دے دینا، ایک نوجوان آیا کہ گندم چاہیئے، لوگوں نے دستور اور روٹین کے مطابق اس کو دے دی وہ کہنے لگا جی اور چاہیئے، انہوں نے کہا بھئی ہم تو ایک قانون کے مطابق دیتے ہیں، تجھے اگر زیادہ چاہیئے تو پھر یوسفؑ کے پاس جا ان کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہے جتنا دے دے، وہ نوجوان حضرت یوسفؑ کے پاس آیا، حضرت مجھے اور گندم چاہیئے، انہوں نے دلوادیا، وہ کہنے لگا حضرت اور چاہیئے، او خدا کے بندے! اتنی گندم انہوں نے بھی دی، اتنی گندم میں نے بھی دلوائی اور مانگتا ہے تیرا جی نہیں بھرتا، اس نے کہا حضرت آپ کو پتہ چل جائے کہ میں کون ہوں تو آپ مجھے بہت زیادہ دیں، جب اس نے یہ الفاظ کہے تو حضرت یوسفؑ متوجہ ہوئے اور پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا حضرت جب زلیخا نے آپ پر بہتان باندھا تھا تو جس چھوٹے بچے نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی وہ چھوٹا بچہ میں ہوں، اب بڑا ہوکر جوان ہوگیا ہوں، حضرت نے جب یہ سنا تو اتنا پیار آیا کہ اس بچے کو سینے سے لگایا اور اسکو گندم بھی دلوائی اور انعام بھی دلوایا، بلکہ لوگوں کو کہا کہ اسکو گھر پہونچا کے آو، جب لوگ اس کو گھر پہونچانے کے لئے گئے، اللہ تعالی نے یوسفؑ پر وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے پیغمبرؑ آپ نے اس نوجوان کا بڑا ہی اکرام کیا، تو عرض کی اے اللہ یہ وہ نوجوان ہے جس نے میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی، آج یہ جب میرے سامنے آیا تو میرا جی چاہا کہ میں اتنا دوں جتنا میں دے سکتا ہوں، اللہ تعالی نے فرمایا اے یوسفؑ گواہ رہنا، اس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی جب وہ آپ کے پاس آیا، آپ نے اتنا دیا جو آپ کے مقام کے مناسب تھا، تو میں پروردگار بھی کہتا ہوں کہ جو میرا بندہ دنیا میں میری وحدانیت کی گواہی دیگا جب قیامت کے دن میرے پاس آئیگا، میں بھی اسکو اتنا دونگا جو میری شان کے مناسب ہوگا، یہ ہے محبت خدا کی ایک جھلک کہ صرف توحید پر اپنی شان کے مطابق عنایت کریں گے تو اگر توحید کے ساتھ دل محبت سے بھی چھلک رہا ہو تو کس قدر نوازا جائیگا، اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

(الزھر الفاتح ۳۹، شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن یوسف ابن الجزری المتوفی ۸۳۳ھ)

دودھ اور پانی کا دلچسپ مکالمہ

ایک صاحب نے عجیب سی بات سنائی، اچھی لگی، آپ لوگوں کو بھی سنا دیتے ہیں، کہنے لگے کہ حلوائی دودھ کو آگ پر گرم کر کے جب اس کی ملائی بناتے ہیں تو پہلے اس میں پانی ڈالتے ہیں، حلوائی لوگ جو کڑاہی میں دودھ ڈال کر گرم کرتے ہیں، وہ فقط دودھ نہیں ہوتا بلکہ اس میں پانی بھی ملاتے ہیں، کیونکہ وہ پک کر خشک ہوتا ہے اور ملائی بن جاتی ہے، وہ عالم فرمانے لگے کہ جب حلوائی دودھ میں پانی ڈالنے لگا تو پانی اور دودھ کے درمیان مکالمہ ہوا۔

دودھ نے کہا: جناب! میرا رنگ بھی گورا، سفید چٹا! میری قیمت بھی اعلیٰ، میرا ذائقہ بھی بہترین، میرے اندر غذائیت بھی بہت زیادہ ہے، اے پانی! تیرے اندر تو ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، نہ تیری شکل ہے، نہ تیری قیمت، نہ تیرا ذائقہ ہے، تو کیوں مجھ میں شامل ہو رہا ہے؟ میرے اور تیرے درمیان بڑا فرق ہے، میں اعلیٰ ہوں، تو ادنیٰ ہے، میرا تیرا کیا جوڑ؟ بھئی!

پانی نے کہا: دودھ صاحب! بات آپ کی بالکل ٹھیک ہے، آپ اعلیٰ، آپ کی قیمت اعلیٰ، آپ کے طلب گار زیادہ لوگ ہیں، آپ کی قیمت بھی بہت ہے اور آپ کی غذائیت بھی بہت ہے اور میں کم قیمت ہوں، میری شکل دیکھنے میں اتنی اچھی نہیں، ذائقہ بھی کوئی نہیں، میں ادنیٰ ہوں اور آپ اعلیٰ، لیکن مجھے اپنے اندر شامل ہونے دیں اس لیے کہ میں وفادار ہوں، میں اگر آپ میں شامل ہوا تو وفا کروں گا۔

دودھ نے کہا: اچھا! آپ میں وفا بڑی ہے، بھئی! ذرا بتاؤ تو سہی کہ وہ وفا کیسے ہوگی؟

پانی نے کہا: جناب! وفا ایسی کہ جب آپ کو آگ پر رکھ کر گرم کریں گے تو جب تک میرا آخری قطرہ پہلے بھاپ نہیں بن جاتا، میں اس وقت تک آپ کو آنچ نہیں آنے دوں گا۔

(جب دودھ میں پانی ڈال کر آگ پر پکاتے ہیں تو پہلے پانی اڑتا ہے، بعد میں

دودھ کی باری آتی ہے)

تو پانی نے کہا: جناب! میرے میں وفا ایسی کہ پہلے میں آگ کی غذا بنوں گا، اور جب تک میں موجود رہوں گا، اس وقت تک آپ بھاپ نہیں بن سکتے، اس لیے مجھے ملنے دیجیے۔

دودھ نے کہا: اچھا! پھر آؤ، مجھے گلے ملو، تم اتنے وفادار ہو! مگر ایک بات میری بھی سن لو! جب تم نے مجھے گلے لگانے کی کوشش کی وفا کے ساتھ، تو پھر ایک بات ذہن نشین رکھو کہ جس قیمت پر میں بکا کروں گا، قیمت تمہاری بھی وہی لگے گی، جب پانی دودھ سے ملا تو پانی کی قیمت دودھ کے ساتھ لگ گئی، اگر ہم اللہ پاک سے سچی محبت کرنے والوں کے ساتھ مل جائیں تو انشاء اللہ ہماری بھی وہی قیمت لگے گی جو عاشقانِ خدا کی ہوگی۔

چڑیے کو اپنے بچے سے محبت

حضرت عامر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، ایک درخت پر انہوں نے ایک گھونسلہ دیکھا جس میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے، چڑیا کہیں گئی ہوئی تھی، ان کو وہ پیارے لگے، اچھے لگے ان کو انہوں نے اٹھالیا، ذرا دیر میں چڑیا آگئی اس نے ان کے سر پر چہچہانا شروع کر دیا، وہ ان کے سر پر اڑتی رہی چہچہاتی رہی، وہ صحابیؓ سمجھ نہ پائے بالآخر تھک کر چڑیا انکے کندھے پر بیٹھ گئی، انہوں نے اس کو بھی پکڑ لیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر پیش کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بچے کتنے پیارے اور خوبصورت ہیں، اور واقعہ بھی سارا سنایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بات سمجھائی کہ ماں کے دل میں بچوں کی اتنی محبت تھی کہ پہلے تو یہ تمہارے سر پر اڑتی رہی، فریاد کرتی رہی میرے بچوں کو آزاد کر دو، میں ماں ہوں، مجھے بچوں سے جدا نہ کرو، مگر آپ سمجھ نہ سکے، تو اس ننھی سی جان نے یہ فیصلہ کیا کہ میں بچوں کے بغیر تو رہ نہیں سکتی، میں اس آزادی کا کیا کروں گی، میں بچوں سے جدا ہوں، اس لئے تمہارے کندھے پر آکر بیٹھ گئی، اگرچہ میں قید

ہو جاؤں گی مگر بچوں کے تو ساتھ رہوں گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو واپس اپنی جگہ چھوڑ آؤ...... جب پرندہ کو اپنے بچے سے اس قدر محبت تو پھر خدائے پاک کو اپنے بندوں سے کس قدر محبت ہوگی!

(ابوداؤد کتاب الجنائز ۳۰۸۹)

حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی دو عورتیں

حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں دو عورتیں تھیں چھوٹے چھوٹے ایک جیسے بچے اٹھائے ہوئے تھیں، جنگل میں جا رہی تھیں، ایک بھیڑیا آیا، اور اس نے اس میں سے ایک عورت کے بچے کو چھین لیا اور بھاگ گیا، تھوڑی دیر کے بعد اس عورت کے دل میں یہ خیال آیا، کہ یہ دوسری عورت کا بچہ میں لے لوں، اس نے جھگڑا شروع کر دیا، معاملہ حضرت سلیمانؑ تک پہنچا، دونوں اپنا حق جتلاتی ہیں، وہ کہتی ہے اس کے بچے کو بھیڑیا لے گیا، سلیمانؑ نے فرمایا چھری لاؤ، میں اس بچے کے دو ٹکڑے کرتا ہوں اور دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیتا ہوں، ان میں سے جب ایک نے فیصلہ سنا تو وہ کہنے لگی ٹھیک ہے، لیکن جب دوسری نے سنا تو رونا شروع کر دیا، کہنے لگی میرے بچے کے ٹکڑے نہ کرو، اس دوسری عورت کو دے دو یہی پالے گی، کم از کم میرا بچہ زندہ تو رہے گا، آپ سمجھ گئے کہ یہ بچہ اس عورت کا ہے، آپ نے اسے عطا فرما دیا، محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ محبوب کو تکلیف پہنچنے نہ پائے، اسے کانٹا چبھنے نہ پائے، اگر ہم نے اپنے پیارے اللہ سے محبت کا رشتہ مضبوط کر لیا تو پھر وہ کیسے گوارہ کریگا کہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچے، خواہ دنیا میں ہوں یا قبر میں، محشر میں ہوں یا پل صراط پر۔

(صحیح مسلم ۱۷۲۰۔ اختلاف المجتہدین۔ مسند احمد ۶۲۶۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۲/۳۲)

جب ماں کی محبت کا یہ حال......

چائنا میں پچھلی صدی میں ایک زلزلہ آیا تھا، جس میں کئی لاکھ آدمی موت کے آغوش میں چلے گئے، ایک بڑی بلڈنگ (multy story) تھی، اس کا ملبہ ہٹانے میں کئی دن لگ گئے، تو نیچے ایک جگہ ایک کنکریٹ سلیب (concrete slab) گری ہوئی تھی، اسکے نیچے ایک عورت کو بے ہوش دیکھا گیا، ایک بچہ اس کے ساتھ لیٹا ہوا تھا، ہاسپٹل لے گئے، ٹریٹمنٹ (treatment) ہوئی، جب وہ عورت ہوش میں آ گئی تو ڈاکٹروں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تیرے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے زخمی ہیں؟ اس نے بتایا کہ میرے اوپر چھت اس طرح گری کہ میں ایک کونے کے اندر محفوظ تھی، بچہ میری چھاتی سے لگا ہوا تھا، اور میں سمجھتی تھی کہ اگر میری زندگی ہوئی تو کوئی کنکریٹ ہٹائیگا اور مجھے نکالیگا، ایک دو دن تو میں بچے کے ساتھ رہی اسے دودھ پلاتی رہی، خود بھوکی پیاسی تھی اب میرے اپنے سینے میں دودھ ختم ہوگیا، میرا بچہ روتا میں اسے بہلاتی، لیکن بچے کا رونا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا، میں کبھی اس کے منہ میں انگلی ڈالتی، کبھی اپنی زبان ڈالتی، جب بچے کے پیٹ میں کچھ نہ جاتا تو وہ روتا، کہنے لگی میرے دل میں خیال آیا کہ بچے کو میں دودھ تو نہیں پلا سکتی میرے جسم کے اندر خون تو موجود ہے، میں نے اپنے ہاتھ کی انگلی کو دانتوں سے کاٹا اور جب اس میں سے خون ٹپکنے لگا تو میں نے وہ انگلی بچے کے منہ میں ڈال دی، بچے نے چوسنا (suck) شروع کر دیا، جب بچے کے پیٹ میں کچھ جانے لگا تو یہ خاموش ہوا، اب میں ایک انگلی کاٹتی پھر دوسری کاٹتی میں نے اس بچے کو اتنا اپنا خون پلایا کہ میں بھی بے ہوش ہوگئی بچہ بھی بے ہوش ہو گیا۔

اب آپ لوگوں نے نکالا ہے تو دوائیوں سے ہم پھر دوبارہ ہوش میں آ گئے، لوگ حیران ہو گئے کہ ماں کی محبت اس درجے تک ہوتی ہے کہ اگر وہ محسوس کرے کہ اپنے جسم کا خون دے کر اپنے بچے کی جان بچا سکتی ہے تو ماں اس سے بھی گریز نہیں کیا کرتی، اس کو ماں کی محبت کہتے ہیں۔

جب ماں کی ممتا کا یہ حال......

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک ولی تھے، ان کی والدہ فوت ہوگئی، تو اللہ رب العزت نے ان کے دل میں الہام فرمایا ''اے میرے پیارے جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں وہ ہستی اب دنیا سے چلی گئی، اب ذرا سنبھل کے قدم اٹھانا'' کہ جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں وہ ہستی دنیا سے چلی گئی۔

ماں اگرچہ بڑھاپے کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ کیوں نہ ہو، بیمار کیوں نہ ہو ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتی مگر بستر پر پڑے پڑے جب اس کی زبان سے دعا نکلتی ہے وہ بچے کی حفاظت کر دیا کرتی ہے۔ اللہ اکبر

☆ ایک مرتبہ میں نے کسی جگہ امتحان لینا تھا پردے میں طالبات موجود تھیں، میں نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ کہ دنیا میں سب سے زیادہ آسانی سے کون مان جاتا ہے؟ تو بچی نے جواب دیا کہ ماں جلدی مان جاتی ہے۔

میں نے پوچھا کیسے؟

کہنے لگی اپنے گھر میں میں دیکھتی ہوں میرا بڑا بھائی جب بھی کوئی گڑبڑ کرتا ہے، تو امی اس کو سمجھاتی ہے، ناراض ہو جاتی ہے، ایسے نہیں کرنا تھا تم نے ایسے کرنا تھا، یوں کیوں کیا یوں کیوں کیا؟ تو میرا بھائی منہ بنا کے باہر نکل جاتا ہے، تو جیسے ہی باہر نکلتا ہے میں دیکھتی ہوں کہ امی اس کے لئے دعائیں کرنے لگ جاتی ہے، وضو کرتی ہے مصلے پر آ جاتی ہے نفل پڑھنے لگ جاتی ہے اب ماں نفل پڑھ کر دعا مانگ رہی ہے، اے اللہ میرا بچہ کسی برے کے ہاتھ نہ لگ

جائے، اللہ میرے بچے کو خیریت سے واپس لوٹا دینا اب ماں جب دعائیں مانگتی ہیں تو میں ان سے کہتی ہوں کہ اماں اگر آپ نے اس طرح رونا ہی تھا تو پھر اس کو ڈانٹا کیوں؟

ماں کہتی ہے آخر میں ماں ہوں تربیت بھی تو میں نے ہی کرنی ہے، میں نہیں سمجھاؤں گی تو کون سمجھائیگا، مگر میرا یہ بھی دل نہیں چاہتا کہ اولاد میری نظر سے دور ہو جائے، چنانچہ میں دعا مانگ رہی ہوں اللہ کرے میرا بیٹا جلدی واپس آجائے، اب اس دوران کھانے کا وقت ہو جاتا ہے گھر کے سارے لوگ آ کے کھانا کھا لیتے ہیں، میں دیکھتی ہوں کہ امی کھانا نہیں کھاتی، میں کہتی ہوں امی کھانا کھا لے، ماں کہتی ہے بیٹی پتہ نہیں تیرے بھائی نے کھانا کھایا ہوگا یا نہیں، میرا کھانے کو جی نہیں چاہتا، پھر رات کا وقت آجاتا ہے، گھر کے سارے لوگ سو جاتے ہیں، ایک امی جاگ رہی ہوتی ہے، ابو بھی امی کو ڈانٹتے ہیں کہ تیری بے جا شفقت نے، محبت نے بچے کو بگاڑ دیا، ماں بھی ڈانٹ سن لیتی ہے، پھر بھی راتوں کو جاگتی ہے، پوچھتی ہوں اماں کیوں جاگ رہی ہو؟ کہتی ہے بیٹی ایسا نہ ہو کہ تیرا بھائی آئے اور دروازہ کھٹکھٹائے اور اسے دروازے پے انتظار کرنا پڑ جائے۔

یہ ماں روتی ہے، سوتی بھی نہیں، کھاتی بھی نہیں، کس لئے؟ بچے کی محبت اس کے دل میں موجود ہے، ذراسی آہٹ اس کو آتی ہے، ہوا سے بھی دروازہ بند ہوتا ہے تو ماں اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے کہ میرا بیٹا تو نہیں آگیا، اور آدھی رات کے وقت جب بھائی گھر آتا ہے اور گھر آ کے اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے تو امی مجھے آ کے جگاتی ہے، بیٹی تمہارا بھائی آگیا، اسے کھانا پکا کے اسے گرم کھانا دو، میں کہتی ہوں امی اس نے کمرہ بند کر لیا صبح کھالیگا، صبح ہوتی ہے تو ماں پھر میرے پاس آتی ہے، بیٹی رات کا بھوکا ہے چلو اپنے بھائی کو کھانا دے دو میں کہتی ہوں امی جب اتنی محبت ہے تو پھر آپ بچے سے کیوں ناراض ہوتی ہیں؟ ماں کہتی ہے بیٹی میں تو بچے سے راضی ہونے کے لئے تیار ہوں بس اتنا کہتی ہوں کہ وہ میرے پاس آ کے کہہ دے امی غلطی ہوئی بس اسکے غلطی کا لفظ کہنے پر میں اس کو معاف کر دوں گی اب جو ماں

تیار بیٹھی ہے کہ بیٹا اتنا ہی کہہ دے امی مجھ سے خطا ہوئی، غلطی ہوئی وہ ماں تو جلدی معاف کر دیگی، میں نے کہا کہ اچھا اگر ماں کو زیادہ غصہ تھا اوران الفاظ پر اگر ماں معاف نہیں کرتی کہ امی مجھے معاف کر دے تو پھر؟

تو وہ کہنے لگی کہ اگر میرا بھائی آ کر امی کے پیر پکڑ لے تو امی اسی وقت نرم ہو جائیگی اور بچے کو کہے گی کہ اچھا بیٹا میرے پاؤں مت پکڑو میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

میں نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ ناراض تھی، پاؤں پکڑنے پے بھی راضی نہیں ہوتی تو اب بتاؤ؟ کہنے لگی اگر میرا بھائی آ جائے اور امی کے پاس بیٹھ کر آنکھوں سے دو آنسو اس کے نکل آئیں، ماں اپنے بیٹے کے آنکھوں کے آنسو برداشت نہیں کر سکتی، اپنے دوپٹے سے آنسوؤں کو پوچھے گی کہے گی بیٹا میں ناراض نہیں چل میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

یہ ماں کی ممتا ہے کہ بیٹے کے آنسو برداشت نہیں کر سکتی، ناراض ہوتی ہے وہ بھی ظاہری طور پر ورنہ دل تو اس وقت بھی اولاد سے محبت کر رہا ہوتا ہے، کاش کہ ہم ماں کی حقیقت کو پہچانتے کہ ماں کو اولاد کے ساتھ کیا محبت ہوتی ہے...... جب ماں کی ممتا کا یہ حال کہ دو قطرہ آنسو کو برداشت نہ کر پائی اور سینے سے چمٹا لیا، تو اللہ رب العزت جو ستر ماؤں سے زیادہ شفیق ورحیم ہیں، کیا ہمارے آنسوؤں پر محبت ورحمت اور مغفرت سے نہ چمٹا ئیگا، ضرورت ہے ندامت کے چند قطرے بہانے کی۔

حضرت ابراہیمؑ سے پرندہ کی محبت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، تو اس آگ کے شعلے اتنے بلند تھے کہ وہ آگ چالیس دن تک جلتی رہی، کوئی آگ کے قریب نہیں جا سکتا تھا، اس وقت ایک چھوٹا سا پرندہ چونچ میں پانی لے جا کر اس آگ کے اوپر ڈالتا تھا، کسی دوسرے پرندے نے اس سے کہا کہ بھئی! تیرے اس پانی ڈالنے سے آگ تو نہیں بجھ سکے گی، کہنے لگا، یہ تو میں بھی

جانتا ہوں آگ نہیں بجھ سکے گی، لیکن میں نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دوستی کا حق ادا کرنا ہے...... ہم بھی تھوڑی دیر ذکر ومراقبہ میں بیٹھ کر محبت کا حق ادا کریں۔

صحابیہ میں قربانی کی تڑپ

دورِ صحابہ میں گھروں کے اندر عورتیں دین کے خاطر قربانی دینے کے لئے تڑپتی تھیں، ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جہاد کی تیاری کرو، مدینہ طیبہ میں ایک صحابیہ اپنے چھوٹے سے بچے کو گود میں لے کر بیٹھی ہے اور زار وقطار رو رہی ہے، رو کیوں رہی ہے.... اس لئے کہ اس کا خاوند پہلے ہی کسی جنگ میں شہید ہو گیا تھا، اور گھر میں کوئی مرد نہیں تھا کہ جس کو تیار کر کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بھیج سکے، رو رو کر جب طبیعت ہلکی ہوگئی تو اپنے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اس بچے کو جہاد کے لئے قبول فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا چھوٹا بچہ جہاد میں کیسے شریک ہوسکتا ہے، عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے اس بچے کو ایسے مجاہد کے حوالے کر دیجئے کہ جس کے پاس ڈھال نہ ہو، تا کہ جب وہ مجاہد جہاد میں جائے اور سامنے سے دشمن تیروں کی بارش برسائے، تو وہ تیروں سے بچنے کے لئے میرے بیٹے کو آگے کر دے، میرا معصوم بیٹا تیروں کے روکنے کے کام آسکتا ہے۔

جس قوم کی عورتوں کی محبت کا یہ عالم ہو اس قوم کے مردوں کا عالم کیا ہوگا...!

یہ وہ لوگ تھے جن کے قلوب محبت سے امنڈتے تھے، عشق ووفا کی وجہ سے تڑپتے تھے۔

اللہ اللہ اللہ

محبت رسول

حضرت عباسؓ کا پرنالہ

حضرت عباسؓ کے گھر پرنالے کا رخ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن کی طرف تھا، بارش ہونے کی وجہ سے پرنالے سے پانی مسجد کے صحن میں گرتا اور کیچڑ ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے نمازیوں کو تنگی ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے اجتماعی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پرنالے کو اکھڑوا دیا، حضرت عباسؓ نے ان سے کہا خدا کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر کھڑے ہو کر لگایا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، خدا کی قسم اس میں شک نہیں، اب تم میرے کندھے پر چڑھ کر اُسے لگانا پڑے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے کندھے پر چڑھے اور اس کو لگایا، پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ امیر المومنین، جن سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے اور کانپتے تھے، وہ جا کر رکوع کی حالت میں جھکے اور حضرت عباسؓ نے ان کی کمر کے اوپر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ لگایا۔

(وفاء الوفاء ۲/۴۹۲ ۔سیر الصحابہ۔مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ۵۸)

اللہ اللہ اللہ

صحبت شیخ

صحبت سو سال کی عبادت کے برابر کیوں؟

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ شعراء حضرات جب اپنا کلام لکھتے ہیں تو افراط وتفریط کے شکار ہوجاتے ہیں، جس طرف رجحان ہوتا ہے بات کو لمبی کر دیتے ہیں اور جہاں نہیں ہوتا اس کو ضرورت سے زیادہ گھٹا دیتے ہیں، تو مجھے لگتا ہے کہ مولانا رومؒ نے بھی ایک شعر میں کچھ ایسا ہی عمل کیا ہے، کون سا شعر؟ کہا کہ جی انہوں نے فرمایا:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لمحہ بیٹھنا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے، اگر عبادت کہہ دیتے تو بھی بات سمجھ میں آجاتی، نہیں سو سال کی بے ریا عبادت، حضرت اقدس تھانویؒ بھی حکیم الامتؒ تھے فرمایا کہ اس شعر کو میں پڑھوں؟ جی حضرت! فرمایا:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت پر حسن خاتمہ اور نجات کا وعدہ نہیں جبکہ صحبت پر کم از کم حسن خاتمہ ضرور حاصل ہوتا ہے۔

(مشائخ چشت ۲۷۲ - کمالات اشرفیہ)

صحبت کی برکت

ایک چیونٹی کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں کسی طرح خانہ کعبہ پہنچوں اور بیت اللہ کی زیارت کروں، لیکن وہ تو وہاں سے کوسوں دور تھی، وہ روزانہ سوچتی رہ جاتی کہ

میں چھوٹی سی مخلوق ہوں، بھلا وہاں کیسے پہنچ سکتی ہوں؟ ایک دفعہ جہاں وہ رہتی تھی کبوتروں کا ایک غول آ گیا اور کھیتوں سے دانہ وغیرہ چوگنے لگا، چیونٹی نے یہ کیا کہ ایک کبوتر کے پنجے سے چمٹ گئی جیسے ہی کبوتر نے اڑان بھری وہ بھی اس کے ساتھ ہی اڑ گئی، آخر کار کبوتر خانہ کعبہ پہنچ گئے تو وہ بھی خانہ کعبہ پہنچ گئی اور اپنی مراد کو پالیا۔

اب دیکھیں! کہ تھی تو وہ چیونٹی ہی، کبوتر تو نہیں بن گئی لیکن کبوتر کے ساتھ لگنے کی وجہ سے جہاں کبوتر پہنچا وہاں وہ بھی پہنچ گئی۔

یہی حال اولیاء اللہ کی صحبت کا ہے کہ ان کے ساتھ لگنے کی وجہ سے کم تر شخص بھی کسی مرتبے کو پالیتا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل کیوں؟

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے سوال پوچھا کہ حضرت! سیدنا امیر معاویہؓ کا درجہ بڑا ہے یا عمر بن عبدالعزیزؒ کا؟ عمر بن عبدالعزیزؒ بعد کے دور کے تھے اور خلیفہ عادل تھے، جب کہ سیدنا امیر معاویہؓ کے زمانے میں بہت لڑائیاں رہیں اور انہیں جنگوں کی وجہ سے حالات پرامن نہ تھے اسی لئے اس آدمی نے ان دو شخصیات کے بارے میں سوال کیا، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ایسا جواب دیا جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے، فرمایا: جب سیدنا امیر معاویہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کے لئے نکلے اور ان کے گھوڑوں کے نتھنوں میں جو گرد اور مٹی جا پڑی، عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی اس مٹی کا رتبہ بڑا ہے، تو یہ فرق کس وجہ سے پڑا؟ صحبت کی وجہ سے پڑا۔

جو نعمتیں اور برکتیں صحبت سے ملتی ہیں، وہ اس کے بغیر بندے کو حاصل نہیں ہوسکتیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ۷/۳۴۹ - الفتنۃ فی عہد الصحابۃ ۱/۱۳۶)

سفیان ثوریؒ ابو ہاشمؒ کی صحبت میں

حضرت سفیان ثوریؒ ایک بزرگ کی صحبت میں جاتے تھے جن کا نام ابو ہاشم تھا (المتوفی ۱۵۰ھ) اور حضرت سفیان ثوریؒ ان کو کہتے تھے ابو ہاشم الصوفی، یہ الصوفی کا لفظ حضرت سفیان ثوریؒ جیسے جلیل القدر استعمال فرماتے تھے، آج کہتے ہیں اپنے آپ کو سلفی، حنبلی وغیرہ، لیکن تصوف کو نہیں مانتے، جبکہ صوفی کا لفظ اتنے بڑے محدث استعمال فرما رہے ہیں، کسی نے پوچھا آپ اتنے بڑے محدث بھی اور اتنے بڑے فقیہ بھی تو آپ ایسے بندے کے پاس جاتے ہیں، امام صاحبؒ نے ایسا جواب دیا کہ انہی کو زیب دیتا ہے کہ میں ریا کی دقیق باتوں سے کبھی واقف نہیں ہوسکتا تھا، اگر ابو ہاشم کی صحبت میں نہ بیٹھتا، یہ ریا کو پہچاننا اس کی تفصیلات سے آگاہ ہونا، مشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر راز کھلتے ہیں۔

(عوارف المعارف ۲۰۴ - الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر ہیثمی ۱/۷۶۵)

مولانا رومؒ شیخ کی صحبت میں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

بے عنایت حق و خاصان حق
گر ملک باشد سیاہ تست ورق

کہ حق اور خاصان حق کی عنایت کے بغیر تم فرشتے بھی بن جاؤ گے تو بھی تمہارا نامہ اعمال سیاہ رہیگا، اس لئے فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مشہور واقعہ ہے، ایک دفعہ بیٹھے بچوں کو پڑھا رہے تھے، وضو کے لئے تالاب بھی قریب تھا، اس وقت شمس تبریزؒ آئے، انہوں نے آ کے پوچھا مولانا روم سے کہ ایں چیست؟

(یہ کیا ہے) مولانا روم نے کہا، ایں قال است (یہ قال ہے) حضرت نے کتاب مانگی اور لے کر پانی میں ڈال دیا، اس زمانے میں فوٹوں کا پیاں تو ہوتی نہیں تھی، مخطوط نسخے ہوتے تھے جو قلم اور سیاہی سے لکھے جاتے تھے، کتاب کو پانی سے بچانا بڑا ضروری ہوتا تھا، مولانا رومؒ بہت گھبرائے کتاب ہی گئی، جب انہیں گھبرائے ہوئے دیکھا تو ہاتھ ڈال کر شمس تبریزؒ نے کتاب نکالی، اس کو جو ہاتھ سے جھاڑا تو اس میں سے دھول نکلنے لگی، مولانا روم حیران! کہا: ایں چیست؟ (یہ کیا ہے) انہوں نے فرمایا کہ ایں حال است (یہ حال ہے)۔

حال دل ایک نعمت ہے جو اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر ملتی ہے، اور قیل وقال کرنے والے بالآخر صاحب حال بن جاتے ہیں...... دل پر محبت کا رنگ آجاتا ہے و مــن احسن من اللّٰہ صبغۃ کا مصداق نظر آنے لگتا ہے۔

(معارف شمس تبریز ص:۶ - صاحب المثنوی ص:۱۴۰)

حضرت گنگوہی مرشد کی صحبت میں

ہمارے اکابر علماء دیو بند میں حضرت گنگوہیؒ کو فقہ میں ممتاز حیثیت حاصل ہے، فقیہ امت تھے، جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو دل میں خیال آیا کہ تھانہ بھون جائے اور حضرت حاجی امداد اللہؒ کے پاس ایک دن رہ کر آئے، جیسے طلبہ جاتے ہیں دعائیں کروانے کے لئے، ملنے کے لئے، زیارت کے لئے، اب جب یہ گئے حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تو ملاقات کے بعد واپسی کی اجازت مانگی، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد آپ کچھ دن ہمارے پاس بھی رہ جایئے، انہوں نے تھوڑے سے تامل کے بعد عرض کیا جی بہت اچھا۔

حاجی صاحب نے خادم سے فرمایا کہ بھئی میاں رشید احمد کی چارپائی ہماری چارپائی کے قریب ڈال دینا بس اسی میں کام ہو جانا تھا، سو گئے، فرماتے ہیں کہ جب تہجد کا وقت ہوا تو میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ کوئی نفلیں پڑھ رہا ہے، کوئی ذکر واذکار کر رہا ہے،

کوئی دعائیں مانگتے ہوئے رو رہا ہے، کوئی سجدے میں رو رہا ہے، عجیب کیفیت تھی خانقاہ میں، فرماتے ہیں کہ میرا نفس تو چاہتا تھا کہ لیٹا رہوں سویا رہوں مگر دل نے کہا رشید احمد ورثۃ الانبیاء میں شمولیت کی تمنا تو تمہیں بھی ہے اور انبیاء کرام کا خلق تو یہ تھا کہ

"کانوا قلیلا من اللیل مایھجعون، وبالاسحارھم یستغفرون "

"وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخری شب میں استغفار کیا کرتے تھے"

کہنے لگے مجھے آیتیں یاد آنی شروع ہوگئیں، احادیث یاد آنی شروع ہوگئیں حتی کہ بستر نے مجھے اچھال دیا، میں اٹھ بیٹھا میں نے بھی وضو کیا اور کچھ نفلیں پڑھیں اور اس کے بعد جیسے اور لوگ ذکر کر رہے تھے میں نے بھی ذکر شروع کر دیا، فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز پڑھ کر حاجی صاحب کے پاس آیا تاکہ رخصت ہونے کی اجازت مانگوں، حضرت حاجی صاحب نے پوچھا میاں رشید احمد اگر ذکر کرنا ہی ہے تو پھر سیکھ کر کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا حضرت سکھا دیجئے! اسی وقت بیعت ہوگئے۔

بیعت ہونے کے بعد میری حالت بدل گئی، میں نے فیصلہ کیا کہ اب چالیس دن یہیں گزاروں گا، حضرت نے بھی رکھ لیا، اب ذکر شروع ہوگیا، اذکار بتانے لگ گئے، ایک مہینہ محنت رہی، اپنی چراغ بتی تو پہلے ہی ٹھیک کر آئے تھے، حاجی صاحب نے تو فقط اس کو سلگانا تھا، آگ لگانی تھی، بھڑکانا تھا، ایک مہینے کے اندر الحمد للہ ان کا کام بن گیا، حاجی صاحب نے جب دیکھا کہ اب ان پر ذکر کے اثرات کافی گہرے نظر آتے ہیں تو حاجی صاحب نے امتحان لیا، یہ اللہ والے بھی امتحان لیتے ہیں یہ بھی جانچ پڑتال کرتے ہیں، آزماتے ہیں کہ بندے پر ذکر کا اثر ہوا بھی کہ نہیں۔

تذکرۃ الرشید ۱/ ۴۸ -مولانا رشید احمد گنگوہی حیات اور کارنامے ۳۹، ۴۰

ایک مرتبہ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے گھر پہنچے تو دسترخوان پر تکلف کھانوں سے سجا ہوا تھا، مگر حاجی صاحبؒ نے تھوڑی سی دال اور دو روٹی

حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ میں دے دی اور کہا میاں رشید احمد وہاں بیٹھ کر کھالو، حاجی صاحبؒ خود تو کھا رہے ہیں مرغے چرغے، اور ان کو دے دی دال روٹی، آج کا مرید ہوتا تو بیعت ہی توڑ دیتا، کہتا پیر صاحب میں عدالت نہیں ہے، لیکن وہ تو سمجھتے تھے کہ اللہ والے بڑے دانا ہوتے ہیں، حکیم ہوتے ہیں ان کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، حضرت گنگوہیؒ دستر خوان کے کونے پر بیٹھ کر کھانے لگ گئے، حاجی صاحبؒ کچھ دیر تو بیٹھے کھاتے رہے پھر کچھ دیر کے بعد ایسے فرمانے لگے جیسے کوئی غصے میں بات کرتا ہے، فرمایا : میاں رشید احمد! عرض کیا جی حضرت، فرمایا: دل تو چاہتا تھا تجھے اور بھی دور بٹھاؤں، یہ تم پر احسان کیا کہ دستر خوان کے کونے پر بٹھا دیا، ایک تو دی دال اور اوپر سے احسان کے دستر خوان کے کونے پر بٹھالیا، یہ الفاظ جب کئی لوگوں کے سامنے کہے جائیں اور وہ بھی کسی بڑے عالم سے تو نفس زیادہ بھڑکتا ہے، اس کے بعد حاجی صاحب نے آپ کے چہرے کو دیکھا کہ نفس بھڑکتا ہے یا نہیں مگر وہاں تو نفس مٹ چکا تھا، پامال ہو چکا تھا، انہوں نے جب یہ سنا تو چہرے پر بشاشت آ گئی اور کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے سچ فرمایا میں تو آپ کے جوتوں میں بیٹھنے کے بھی قابل نہیں تھا، یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ نے دستر خوان کے کونے پر بٹھالیا، حاجی صاحبؒ نے جب دیکھا کہ نفس بھڑکنے کے بجائے چہرے پر بشاشت ہے تو فرمایا الحمد للہ ذکر کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں، چنانچہ دعوت کے بعد واپس آکر حاجی صاحبؒ نے اجازت وخلافت عطا فرمادی، اب جو اجازت دی تو حضرت گنگوہیؒ بڑے حیران، کہنے لگے کہ حضرت! مجھے تو اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا، حاجی صاحب نے فرمایا: رشید احمد! تمہیں یہ اجازت (نسبت) اسی لئے دی گئی کہ تمہیں اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا، اگر نظر آتا تو یہ کبھی نہ دی جاتی، خیر اس کے بعد فارغ ہوئے اور اپنے گھر آ گئے۔

(تذکرۃ الرشید ۲/ ۷- امداد السلوک ۱۹- ضرورت مرشد ۱۵۰)

ایک دو سال پھر گنگوہ میں رہ کر کام کیا تو ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ قدرتا گنگوہ تشریف لے آئے، جب ملاقات ہوئی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک عجیب بات

پوچھی جو یاد رکھنے کے قابل ہے اور سونے کی سیاہی سے لکھے جانے کے قابل ہے، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد! یہ بتاؤ کہ بیعت ہونے سے پہلے اور بیعت ہونے کے بعد تمہیں اپنے اندر کیا تبدیلی محسوس ہوئی ؟ اصولی سوال تھا، جب یہ سوال پوچھا تو حضرت گنگوہیؒ تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر فرمانے لگے کہ حضرت ! مجھے اپنے اندر تین تبدیلیاں نظر آئیں۔

☜ پہلی تبدیلی تو یہ ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے مجھے کئی دفعہ مطالعے کے دوران اشکال پیش آتے تھے ان کے لئے حاشیہ دیکھنا پڑتا تھا، شروحات دیکھنی پڑتی تھیں، اور کافی ساری محنت کرنی پڑتی تھی تب وہ اشکال دور ہوتے تھے، اب جب سے بیعت ہوا ہوں، اشکال پیش ہی نہیں آتے، خود بخود رفع ہو جاتے ہیں، ذہن میں اللہ تعالی ان کے جوابات ڈال دیتے ہیں۔

☜ دوسری تبدیلی یہ آئی کہ امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے یعنی اب جو بھی شریعت کے احکام ہیں ان پر عمل کرنے کے لئے مجھے نفس کو تیار کرنا نہیں پڑتا بے ساختگی کے ساتھ میں احکام شریعت پر عمل کرتا رہتا ہوں۔

☜ تیسری تبدیلی یہ پیش آئی کہ دین کے معاملے میں حق بات کہہ دیتا ہوں، اب میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا، جب حاجی صاحبؒ نے سنا تو فرمایا: الحمدللہ میاں رشید احمد! دین کے تین درجے ہیں۔

- دین کا پہلا درجہ علم ہے، اور اس علم کا کمال یہ ہے کہ آدمی کو نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے، اگر یہ کیفیت ہے تو پھر علم کامل ہے۔
- دوسرا درجہ عمل ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں، جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کی طبیعت بھی ان سے کراہت کرے یہ عمل کا کمال ہے۔

• تیسرا درجہ اخلاص ہے کہ انسان خالصتا لوجہ اللہ عمل کرے حتی کہ ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ رہے، لوگوں کی مدح وذم انسان کی نظر میں برابر ہو جائے یہ اخلاص کا کمال ہے، مبارک ہو اللہ تعالی نے آپ کو علم میں بھی کمال عطا فرما دیا، عمل میں بھی عطا کر دیا، اور اخلاص میں بھی عطا کر دیا...... یہ ہے صحبتِ شیخ کا فائدہ کہ جس نے اتنے زبردست عالم وفقیہ، محدث وزاہد کے قلب میں جلا پیدا کر دیا اور اخلاص ومحبت کا خوف وخشیت اور آہ وزاری کا پہاڑ بنا دیا۔

باقی باللہ کی صحبت کا اثر نان بائی پر

حضرت خواجہ باقی باللہؒ دہلی میں رہتے تھے ان کی خانقاہ میں ایک نانبائی حضرت کی خدمت کیا کرتا تھا، خصوصا جب بھی کوئی وقت بے وقت مہمان آجاتا تو وہ مہمانوں کی خاطر مدارات کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر حاضر ہو جاتا، حضرت اس سے بہت خوش تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں کچھ اہم مہمان آگئے، اس نان بائی نے دیکھا کہ موسم خراب ہے مگر کچھ نیک قسم کے مہمان بے وقت آئے ہیں تو اس نے کھانا پکا کر حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پیش کیا حضرت خواجہ صاحب نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں مہمان آئے ہیں میں ان کے لئے کھانا لایا ہوں قبول فرما لیں، حضرت کو بہت ہی مسرت ہوئی اور بے اختیار فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا دیجئے، حضرت نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ کچھ اور مانگ لو، طباخ نے کہا کہ نہیں حضرت بس یہی کچھ چاہیئے، متواتر تین مرتبہ جب یہی اصرار کیا تو چونکہ حضرت زبان مبارک سے یہ فرما چکے تھے کہ مانگ کیا مانگتا ہے، اس لئے اس کو حجرے مبارک میں لے گئے، اندر سے زنجیر لگا لی، نہ جانے پھر وہاں کیسی توجہ دی کہ آدھ گھنٹے کے بعد جب حجرہ کھول کر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک ایک ہوگئی تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب جیسے حجرے میں گئے تھے ویسے ہی باہر

تشریف لے آئے لیکن وہ طباخ مدہوشی کی حالت میں تھا اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہو گیا، موت تو آنی ہی تھی اس کا وقت مقرر تھا اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہو سکتی تھی، لیکن اس کی خوش قسمتی کہ ساری عمر تو طباخی کی اور موت کے وقت اس نے خواجہ باقی باللہ بن کر آخرت کے بھی مزے لوٹے...... اللہ والوں کی صحبت، ان کی توجہ اور پر اثر نگاہ سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے اور ظاہر و باطن کا رنگ بدل جاتا ہے۔

(حکیم الاسلام کے پسندیدہ واقعات ص: ۱۳۲ تا ۱۳۴ - شیخ الاسلام واقعات و کرامات کی روشنی میں ۱۸۹ - اکابر کا سلوک و احسان ص: ۶۱)

سید سلیمانؒ حضرت تھانویؒ کی صحبت میں

سید سلیمان ندویؒ حضرت اقدس تھانویؒ کی صحبت میں آئے اور بیعت ہو گئے، ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ عربیت کے ایسے ماہر، زبان پہ آپ کو اتنا عبور حاصل ہے، پھر بھی آپ نے بیعت کر لی؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت تھانویؒ کی صحبت میں جا کر اپنی جہالت کا اندازہ ہوا، تم تو مجھے بڑا عالم کہتے ہو۔

(حیاتِ سلیمانی مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی ص: ۶۸۴ روایت بالمعنی۔ ملفوظات فقیہ الامت ۷/۱۰۰)

نقطے کی بات فرماتے تھے کہ اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا منگوائی، جس میں اہل اللہ کی محبت کو اعمال پر مقدم کروایا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

- اللھم انی اسئلک حبک

اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

- وحب من یحبک

جو آپ سے محبت کرتے ہیں میں انکی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

• وحب عمل يبلغني حبك

اور جو اعمال آپ کی محبت کو بڑھاتے ہیں ان کا بھی سوال کرتا ہوں۔

الدعاء للطبرانی ۱۴۱۷

تو فرماتے تھے کہ اس دعاء میں اہل اللہ کی محبت پہلے اور اعمال کی محبت کی دعا بعد میں، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ صحبت اولیاء سے انسان کو نیک عمل کی توفیق ملا کرتی ہے، اسی لئے انہوں نے شعر کہا ؎

ان سے ملنے کی یہی اک راہ ہے
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اللہ والوں کی محبت سے جہاں قلب میں رقت، تواضع وانکساری اور فنائیت کی شان پیدا ہوتی ہے، وہیں علوم ومعارف کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔

بری صحبت کا برا انجام

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے یہ لکھا فرماتے ہیں کہ ایک ہمارا خادم تھا اور خادم لوگ جو ہوتے ہیں پھر ان کی رعایت بھی کرنی پڑتی ہے۔

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾

ایک مرتبہ آپ کے خادم کا بھائی بیمار ہوا اور اس کے اوپر جان کنی کا عالم طاری ہو گیا یعنی آخری وقت، آخری لمحات، آخری علامات پوری ہو گئیں، تو خادم نے آ کر کہا کہ حضرت میرا بھائی ہے، اگر آپ مہربانی فرمائیں تو آپ تشریف لائیں، چلیں دعا بھی فرما دیں اور اس موقع پر اس پر توجہ بھی فرما دیں، اسکا معاملہ اچھا ہو جائے گا، خاتمہ بالخیر ہو جائیگا، حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ وہاں گیا، دعا بھی کی اور پھر توجہ بھی کی، لیکن توجہ کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کے دل پر کوئی اثر نہیں، فرماتے ہیں میں بہت دیر بیٹھا رہا اور توجہات ڈالتا رہا، مگر اس بندے کے دل پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس روحانیت کا بندہ اگر کسی بندے پر توجہ کر رہا ہو تو پھر دل پر اثر تو لازمی ہونا چاہئے، مگر وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت دیر بیٹھ کر توجہ کی مگر اس بندے کے دل پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوا، فرماتے ہیں میں بہت پریشان ہوا اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا، میرے اللہ میرے مولیٰ رحمت فرما دے اور بات میرے اوپر واضح کر دے، فرماتے ہیں کہ پھر الہام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر واضح فرمایا کہ اس بندے کی مصاحبت بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ تھی، اس بندے کا بیٹھنا اٹھنا بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ تھا، اس کی دوستی تھی کافروں کے ساتھ اور کافروں کی دوستی کی وجہ سے یہ ان کی باتیں سنتا تھا اور ان کے ساتھ راہ ورسم رکھتا تھا، اس کی ظلمت ایسی تھی کہ وقت کے مجدد نے بھی توجہ ڈالی، تو اس بندے کے دل پر اثر نہ ہو سکا۔

مرید کی انگلی میں شہد

ایک آدمی طالب صادق تھا کسی شیخ سے بیعت تھا، خلوص دل سے اس کی خدمت کرتا تھا، لیکن اس شیخ کی نظر اس کے مال پر تھی، ایک دن اس شخص نے ایک خواب دیکھا اور آکر پیر صاحب کو بیان کیا، کہنے لگا: حضرت! میں نے خواب میں دیکھا ہے آپ کے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور میرے ہاتھ پر گندگی لگی ہوئی ہے، بس پیر صاحب نے سنا تو فورا کہہ اٹھے یہ بالکل سچا خواب ہے کیونکہ ہم دیندار لوگ ہے، ہمارے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور تم دنیادار ہو اور تمہارے ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی ہے، وہ کہنے لگا: حضرت! ابھی پورا خواب تو سنیں، پورا خواب کیا ہے؟ کہنے لگا کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے منہ میں دیا ہوا ہے اور میں اپنا ہاتھ آپ کے منہ میں دیا ہوا ہے۔

تعبیر اس خواب کی یہ تھی کہ مرید کو عقیدت کی وجہ سے شیخ سے پھر بھی فائدہ ہو رہا تھا مگر شیخ کی نظر چونکہ مرید کی جیب پر تھی اس لئے اس کو اس سے نقصان ہو رہا تھا......اس سے پتہ چلا کہ شیخ اگر ناقص بھی ہوگا اور مرید کو عقیدت کامل ہوگی تو فائدہ ضرور پہونچے گا۔

(علمی مضامین ۳۳۳)

ذکر الٰہی

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

ذکر کے کس قدر شیدائی تھے وہ!

عبداللہ اصطخریؒ ایک اللہ والے بزرگ تھے ذکر واذکار میں لگے رہتے تھے، ذکر کرتے کرتے جب ان پر فنائیت کی حالت آئی تو ذکر کی مستی ایسی سوار ہوئی کہ اب ذکر چھوڑنے سے بھی نہ چھوٹے، ایسی حالت میں روحانی طور پر تو مزے ہوتے ہیں کہ انسان باطنی ترقی کر رہا ہوتا ہے لیکن جسم پر بوجھ ہوتا ہے کہ جسم ان کیفیات کو برداشت نہیں کرتا، اب وہ بزرگ چاہتے تھے کہ کچھ دیر ذکر چھوڑ کر ذرا جسم کو آرام دوں لیکن ذکر سے اب غفلت ہوتی نہ تھی، آخر انہوں نے دھیان ہٹانے کے لئے شکار کا پروگرام بنایا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جنگل کو نکلے لیکن شکار میں بھی ذکر کی حالت سے چھٹکارا نہ ملا، اب تو وہ بہت پریشان ہو گئے اور اس پریشانی کی حالت میں ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ بڑے عجیب ہیں، فرمایا: اللہ اس شخص کے سب گناہوں کو معاف کر دے جو مجھے ایک لمحہ کے لئے اللہ کے ذکر سے غافل کر دے۔

تو فنائیت میں بندے کی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ کوشش کرنے سے بھی دل میں غفلت نہیں آتی...... لہٰذا ذکر خدا میں فنا ہو جایئے اور اس کا مصداق بن جایئے:

نور میں ہو یا نار میں رہنا
ہردم ذکر یار میں رہنا
چند جھونکے خزاں کے سہ لو
پھر ہمیشہ بہار میں رہنا

ہر دل میں رب رب کی آواز

ایک مرتبہ مجھے امریکہ میں اپنے ایک دوست کے پاس جانا پڑا، وہ دل کے بڑے اسپیشلسٹ ڈاکٹر تھے، مجھے وہاں چند دن ٹھہرنا تھا، مجھے کہنے لگے، حضرت! میں آپ کو اپنا دفتر دکھانے کے لئے لے جاونگا اور وہاں دعا بھی کراؤنگا، میں نے کہا، بہت اچھا، چنانچہ ایک دن وہ مجھے اپنے دفتر میں لے گئے، انہوں نے مجھے کہا کہ میں یہاں دل کا بڑا اسپیشلسٹ ہوں اور پھر کہنے لگے کہ میں مختلف مشینوں کے ذریعہ دل کے کام کو چیک کرتا ہوں کہ یہ ٹھیک کام کرر ہا ہے یا نہیں، ان مشینوں میں سے ایک مشین کا نام ایکوکارڈیو.... تھا، میں نے پوچھا، اس مشین کا کیا کام ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اسکے ذریعہ دل میں خون کے آنے اور جانیکی پوری تصویر سکرین پر آجاتی ہے اور باقاعدہ اس کی آواز بھی سنائی دیتی ہے، وہ مجھے کہنے لگے، حضرت! اب میں آپکی دل کی کیفیت چیک کرتا ہوں، ساتھ اور بھی لوگ تھے، وہ کہنے لگے، حضرت! اچھا موقع ہے، جب انسان پچاس سال سے اوپر ہو جائے تو اسے ٹیسٹ کرواتے رہنا چاہئے، چنانچہ میں نے کہا، ٹھیک ہے چیک کریں، اب انہوں نے مشین کے ذریعہ دیکھنا شروع کر دیا، وہ اس مشین کے پوائنٹس بدن کے اوپر ہی لگاتے ہیں اور اسکرین پر پوری تصویر آجاتی ہے، دل کیسے سکڑ رہا ہوتا ہے، کیسے پھیل رہا ہوتا ہے، خون کو کیسے لے رہا ہوتا ہے، کیسے دے رہا ہوتا ہے، یہ پوری رنگدار تصویر آجاتی ہے، جب انہوں نے مجھے وہ تصویر دکھائی تو پوچھنے لگے، حضرت! کیا میں آپ کو آپ کے دل کے پمپ کی پوری آواز بھی سناوں، میں نے کہا، سنائیں، چنانچہ اب انہوں نے ایک بٹن کو آن کر دیا تو ہمیں دل کی آواز سنائی دینے لگی، ساتھ ساتھ یہ بھی نظر آرہا تھا کہ دل باقاعدہ پیچھے سے خون لے رہا ہے اور آگے خون دے رہا ہے، وہ کہنے لگے کہ سائنس دانوں نے کتابوں میں لکھا ہے کہ انسان کا دل لب ڈب کرتا ہے، یعنی جب خون اپنے اندر لیتا ہے تو اس وقت لب کی آواز پیدا ہوتی

ہے اور جب خون آگے سپلائی کرتا ہے تو اس وقت ڈب کی آواز پیدا ہوتی ہے، جب ہم نے یہ بات کی تو میں نے کہا، ڈاکٹر صاحب! ذرا ٹھہرنا، وہ کہنے لگے، جی کیا ہوا؟ میں نے کہا ذرا یہ آواز غور سے سنیں، مجھے لگتا ہے کہ سائنس دانوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے، یہ آواز لب ڈب کی تو نہیں ہے، وہ کہنے لگے، تو پھر یہ کیسی آواز ہے؟ میں نے کہا، یہ آواز تو....رب رب..... رب رب......کی ہے۔

جب انہوں نے بھی اس آواز پر غور کیا تو کہنے لگے، حضرت! واقعی یہ رب کا لفظ اس آواز کے بالکل قریب ہے، اس وقت جتنے آدمی وہاں موجود تھے ان سب نے اس آواز کو غور سے سنا اور مجھے کہنے لگے، یہ بالکل ٹھیک ہے، یہ لب ڈب کی آواز نہیں ہے بلکہ یہ تو واضح طور پر رب رب.....رب رب...کی آواز ہے میں نے کہا، ڈاکٹر صاحب! اگر یہ بات ہے تو آج مجھے ایک بات سمجھ میں آگئی ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کو یاد کرتی ہے، کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ سوال آتا تھا کہ دہریہ اللہ تعالیٰ کو کیسے یاد کرتا ہے، آج اس بات کا پتہ چلا ہے کہ دہریہ عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانے یا نہ مانے، اسکا دل ہر وقت اسکا نام لیتا رہتا ہے، وہ بھی رب رب، رب رب...ہی کرتا رہتا ہے...... جب غیر اختیاری طور پر دل پیارے رب کو پکارتا ہو، تو پھر ہم کیسے محبت کے دعویدار کہ اپنے اختیار سے اللہ اللہ نہ پکاریں۔

متاع دل کو کہاں کرنے لگے تلاش؟

ہم اپنے بڑوں سے ایک لطیفہ سنا کرتے تھے کہ ایک آدمی روشنی میں روپیہ ڈھونڈھ رہا ہے تو دوستوں نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو، کہنے لگا روپیہ ڈھونڈھ رہا ہوں، گر گیا تھا، انہوں نے بھی ڈھونڈھنا شروع کر دیا، سب لوگ مل کر روپیہ ڈھونڈھ رہے ہیں، روپیہ ملتا نہیں، جب تھک ہار چکے تو کسی نے اس سے یہ پوچھا کہ بھائی تمہیں یقین ہے کہ تمہارا روپیہ گرا تھا، اس نے کہا یہ یقین ہے گرا تھا مگر گھر کے اندر گرا تھا، مگر تم تو گھر کے باہر ڈھونڈھ

رہے ہو، کہنے لگا وہاں اندھیرا تھا، یہاں روشنی تھی تو میں نے کہا چلو روشنی میں تلاش کرتے ہیں، اب یہ سارے لوگ اس روشنی میں ساری زندگی روپیہ ڈھونڈھتے رہے، روپیہ نہیں ملے گا، ہو بہو یہی مثال آج کے انسان کی ہے، اس کی متاع (چین وسکون) جو گم ہوئی وہ من سے تعلق رکھتی ہے اور یہ اس متاع کو باہر کی دنیا میں ڈھونڈھتا پھر رہا ہے، اس لئے اس فساد کا حل نظر نہیں آتا، حالانکہ کہ اس کا حل ذکر الٰہی اور محبت خداوندی میں ہے۔

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنی افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

بغیر ذکر ہاتھ کچھ آتا نہیں

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت عبدالقادر رائپوریؒ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے، ان کی خانقاہ پر کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ ہر وقت ذکر و اذکار نماز تلاوت مراقبات میں مشغول ہیں، یہ منظر دیکھ کر انہوں نے اپنے احباب میں ذکر کیا کہ یہ چکی تو ہم سے نہ پیسی جائیگی، حضرت اس سے مطلع ہو گئے یا کسی نے عرض کر دیا تو ان کی اصلاح کے لئے محفل میں فرمانے لگے کہ دوست یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حصے کی پر یا بنی بنائی رکھی ہے مل جائیگی، جیب میں ڈال کر واپس آجائیں گے مگر یہاں بغیر محنت کے کچھ نہیں ہوسکتا، کچھ دنوں کے بعد پھر ان کو اطلاع ملی کہ فلاں صاحب یہاں شب و روز کی محنت کو دیکھ کر گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی محنت کون کرے، آپ نے پھر دوبارہ بڑے جوش سے فرمایا ''اگر کوئی گھر آپ کو ایسا معلوم ہو جہاں دو روٹیاں پکی پکائی مل جاتی ہو تو میں بھی ٹوکری پکڑ کر آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں تا کہ کچھ حاصل کرسکوں، دوست بار بار چکی پیسنے کی شکایت کرتے ہیں، میں تو کہتا ہوں کہ چکی پیسنے کا مرحلہ تو بہت دیر کی بات ہے پہلے تو زمین

کو جوتنا ہے، اچھا بھلا بیج گھر سے نکال کر کھیت میں بکھیرنا ہے پھر پانی لگانا ہے، اور جب پک جائے تو اب کاٹنا ہے، گاہنا ہے اور غلہ بھونسا سے الگ کرنا ہے اس کے بعد چکی پیسنے کی باری آنی ہے، چکی پیس کر آٹا بنانے کے بعد اسے مشقت سے گوندھنا بھی ہے اور پھر اسے پکانے کا انتظام بھی کرنا ہے، پکنے کے بعد اب روٹی کو توڑ کر منہ میں لے جانے اور نگلنے کی مشقت بھی کرنی ہے ان ساری کوششوں کے بعد اگر ہضم ہو جائے تو محض اللہ کا کرم ہے ورنہ قے ہو کر باہر بھی آ سکتا ہے۔

کسی دوست نے عرض کیا کہ حضرت ماں بچے پر کتنی شفیق ہوتی ہے کہ سوئے ہوئے بچے کو اٹھا کر دودھ پلاتی ہے، مشائخ تو ماؤں سے بھی زیادہ شفیق ہوتے ہیں ان سے تو اس قسم کی امیدیں باندھی جا سکتی ہیں، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بھئی ماں کا کام تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چھاتی بچے کے منہ میں ڈال دے اب اگر بچے میں ہی اتنی اہلیت نہ ہو کہ وہ ہونٹ ہلا کر اسے چوس لے اور اپنے پیٹ میں ڈال لے تو اس میں ماں کا کیا قصور ہے، یا اس کی شفقت میں کیا کمی ہے...... اسی طرح اللہ پاک توفیق بھی دیتے ہیں، مگر یہ بندے کا قصور کہ اپنی زبان و دل کو یاد الٰہی میں مشغول نہیں رکھتا۔

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ۳۴۰

غفلت کے ساتھ ذکر بے سود نہیں

ایک ڈاکو تھا، وہ اپنی ضعف و پیری میں شیخ بن گیا اور لوگوں کو بیعت بھی کرنا شروع کر دیا، اللہ کے یہاں تو اخلاص کی قدر ہے چنانچہ طالبین کو ان کے اخلاص کی وجہ سے خوب فائدہ ہوا اور روحانی طور پر کشف بھی ہونے لگ گئے۔

ایک مرتبہ ان طالبین کی جماعت نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم نے مراقبے میں مشائخ کے مقامات کو دیکھا ہے اور سب اکابر کے مقامات معلوم ہو گئے، مگر حضرت کا مقام شاید اتنا بلند ہے کہ ہم سب مل کر بھی اس کو نہیں پہچان سکے، اللہ کے تعالی کے نام میں برکت

تو ہوتی ہی ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے، اللہ کے نام میں برکت ہوتی ہے چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، چنانچہ اس مصنوعی پیر پر بھی اللہ کے نام کا اثر ہو کر رہا، وہ مریدوں کی یہ بات سن کر بہت رویا اور پھر اس نے اپنی حقیقت ان کے سامنے بیان کی اور رو کر مریدوں سے درخواست کی اب تم میری توبہ کے لئے دعا کرو، ان سب نے مل کر دعا کی تو اللہ نے اس پیر کو بھی نواز دیا۔

(اکابر کا سلوک واحسان ص:۴۵-اصلاحی واقعات ص:۲۲۱)

ذکر سے دل کیونکر تڑپ نہ اٹھے؟

ایک بادشاہ نے کسی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا، بڑی محبتوں کے ساتھ اس نے اسے محل میں رکھا، مگر لڑکی روز بروز چپ ہوتی گئی، کمزور ہوتی گئی، اس کی صحت گرتی چلی گئی، شکل دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ یہ خوش نہیں ہے، یہ مغموم ہے، یہ اداس ہے، چنانچہ بادشاہ نے بڑے علاج کروائے کوئی دوائی ٹھیک ہی نہیں بیٹھتی تھی، ایک طبیب تھا جسکو کچھ باطن کی نظر بھی حاصل تھی، اسنے بادشاہ سے کہا بادشاہ سلامت ! میں اسکا علاج کرتا ہوں اگر آپ مجھے اجازت دیں اور اسکو آپ اس کی باندی کے ساتھ میرے پاس بھیج دیا کریں، بادشاہ نے کہا بہت اچھا، بادشاہ نے اسکو اس طبیب کے پاس بھیج دیا، طبیب نے اس لڑکی کے سارے کوائف جمع کر لئے، جدھر سے شادی ہو کر آئی تھی اور جتنے رشتے اس کے آئے تھے اور جتنے رشتے دار اسکے امیدوار تھے، اس نے وہ ساری معلومات اکھٹی کرلیں، اس نے اس لڑکی کو بیٹھایا اور چیک اپ کیا، اور دیکھا کہ کوئی بدنی مرض نہیں ہے، یہ کوئی اندر کا روگ ہے، اندر کا مرض ہے، چنانچہ اس نے اسکی نبض پر ہاتھ رکھا اور اس سے باتیں شروع کر دیں اور باتیں کرتے کرتے اس نے ان سب کے نام لینا شروع کر دئے جن کے رشتے آئے تھے، تو جب اس نے اس جیولر کا نام لیا جو اسکا کزن بھی تھا اور جس کے ساتھ اس لڑکی کو چھپی محبت تھی تو اس کی نبض تیز ہوگئی، لڑکی دراصل اس کزن سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر ماں باپ نے

وقت کے بادشاہ سے شادی کر دی، اب لڑکی دل میں تو اسے بسا رہی ہے، لیکن گھر بادشاہ کا بسا رہی ہے، اب جب طبیب نے دیکھا کہ نبض تیز ہوگئی تو طبیب نے اس سے پوچھ لیا کہ اب بتاؤ بھئی! آپ کے دل کی بات یہی ہے نا کہ آپ کی پسند یہ تھی کہ اس کے ساتھ شادی ہوتی اور ہو بادشاہ کے ساتھ گئی، تو اسے اپنا راز کھولنا پڑا...... اندازہ لگایئے کہ جب محبوب کا نام آتے ہی دل تڑپا، نفس پھڑکا، تو ہم کیسے ہیں کہ ہمارے اللہ کا نام آئے اور دل نہ تڑپے، کوشش تو کریں کہ اللہ کی محبت اس قدر آجائے کہ اس شعر کا مصداق بن جائے:

اللہ اللہ کیا ہی پیارا نام ہے
عاشقوں کا مینا اور جام ہے

نوٹ: جالینوس کی طرف اسی قسم کا واقعہ منسوب ہے۔

(اطباء کے حیرت انگیز واقعات ص:۱۶)

قبض کو دور کرنے کا ایک نسخہ

حضرت خواجہ عبد اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میرے قلبی حالات بہت ہی اچھے تھے، بسط کی کیفیت تھی، میں دعوت پر گیا، وہاں جو کھانا پیش کیا گیا وہ مشتبہ تھا، حرام نہیں تھا بلکہ شبہ تھا کہ کھانے میں شاید سود کی ملاوٹ ہے، فرماتے ہیں کہ اس کھانے کو کھانے کے بعد میری کیفیت ختم ہوگئی، میں نے اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو آکر بتایا کہ حضرت! یہ مسئلہ پیدا ہوگیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ اب تم پابندی کے ساتھ میرے سامنے آکر بیٹھنا، میں توجہات دوں گا تاکہ مشتبہ کھانے کی ظلمت دور ہو جائے، فرماتے ہیں کہ حضرتؒ میرے اوپر ایسی توجہ ڈالتے تھے کہ اگر وہ توجہ پہاڑ پر ڈالتے تو کانپ اٹھتا، چالیس دن متواتر توجہ دینے کے بعد ایک دن مشتبہ لقمے کا اثر میرے اندر سے زائل ہوا، جس طرح دوام ذکر سے قبض کی کیفیت ختم ہوتی ہے، اسی طرح صحبتِ شیخ اور توجہ شیخ سے بھی قبض کی کیفیت ختم ہو کر انشراح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

قلب جسمانی

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

ایک شعر سے دل کی دنیا بدل گئی

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان پر قبض کی کیفیت اتنی زیادہ آئی کہ کچھ حال احوال محسوس بھی نہیں ہوتے تھے، ایسے لگتا تھا کہ جیسے سب کچھ ہی چلا گیا، چنانچہ وہ بڑا عرصہ استغفار بھی کرتے رہے، اللہ سے توبہ بھی کرتے رہے، آگے بڑھنے کی کوشش بھی کرتے رہے، مگر کچھ نہ محسوس ہوا، حتی کہ ایک دن خیال آیا کہ جب کچھ بھی کیفیت نہیں ہے تو پھر چلیں جا کر کوئی رزقِ حلال والا کام کریں، بچوں کو بھی تنگی ہے، چلو ایک طرف سے تو سہولت ہو جائے گی، یہ سوچ کر وہ اپنے گھر سے چل پڑے کہ میں جا کر دکان پر کام کرتا ہوں، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا، ایک مسجد میں داخل ہوئے، مسجد میں سامنے جو نظر پڑی تو ایک دو شعر لکھے ہوئے تھے، ان کا پڑھنا تھا کہ ان کی زندگی ہی بدل گئی، چنانچہ پھر دوبارہ ذوق وشوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، یہ وہ وقت تھا کہ جس قبض کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو نسبتِ نقشبندیہ سے سرفراز فرما دیا، اتنی بڑی نعمت مل گئی، وہ شعر کیا تھے؟ وہ شعر یہ تھے:

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تُو
شیئًا للہ از جمالِ روئے تُو

”اے اللہ! میں تیری گلی میں مفلس بن کر حاضر ہوا ہوں، تو اپنے چہرے کے حسن کے صدقے کچھ مجھے بھی عطا کر دے“

دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر تُو

''وہ پیالہ جو میں نے لینے کے لیے پکڑا ہوا ہے، ذرا اپنا ہاتھ اسے دینے کے لیے میری طرف بڑھا دیجیے''

یہ اشعار ان کو اتنے اچھے لگے کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب میں مروں اور میرا جنازہ دنیا سے اٹھے تو کوئی ایک بندہ میرے جنازے کے آگے یہ اشعار پڑھتا ہوا جائے۔

ان اشعار نے اس عاجز کو بھی بڑا فائدہ دیا، جب کبھی حرم شریف میں جانے کا اتفاق ہوا تو رات کی تنہائی میں بیت اللہ شریف کے پاس جا کر تصور کرتا ہے کہ میں اس وقت شہنشاہ کے دربار میں کھڑا ہوں، پھر وہاں انسان اللہ کا دھیان کر کے انسان اپنے رب سے باتیں کرے، ہم نے دیکھا ہے کہ ان اشعار کو بیت اللہ شریف کے سامنے پڑھنے سے بندے کی ایسی کیفیت بنتی ہے جس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔

کوئے یار میں اٹکا رہے دل

ایک نوجوان کسی بزرگ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے، موت سے بہت خوف آتا ہے، انہوں نے کہا کہ بھئی یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس کچھ مال پیسہ ہے، کہنے لگا جی انہوں نے کہا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور نیک اعمال کی پابندی کیا کرو، اس نے کہا بہت اچھا، کچھ عرصہ کے بعد پھر ان کی ملاقات ہوئی، بزرگ نے پوچھا سناؤ بھئی اب طبیعت کیسی ہے، وہ کہنے لگا کہ حضرت وہ موت سے خوف تو ختم ہو گیا مگر حیران اس بات پر ہوں کہ اب تو میرا مرنے کو جی چاہتا ہے، مگر ایسا کیوں ہوا، تو ان بزرگ نے یہ بات سمجھائی کہ دیکھو بندے کا دل وہیں لگتا ہے جہاں اس کا خزانہ ہوتا ہے، پہلے تم نے اپنے آگے یہ سرمایہ

بھیج دیا ہے نیکیوں کا، جو صدقے کا مال ہے، تو جہاں سرمایہ ہوتا ہے بندے کا وہیں جانے کو دل کرتا ہے۔

ہر حال میں مالک پر رہے نظر

جیسے بچے کا تعلق ماں سے ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز میں اپنی ماں کی طرف دیکھتا ہے، مؤمن کا تعلق بھی اسی طرح اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتا ہے، وہ ہر معاملہ میں اللہ پر نظر رکھتا ہے، ایک بزرگ کسی کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے، صاحب خانہ اپنے بچے کو اٹھا لے آیا، ان کے پاس کوئی میٹھی چیز تھی، انہوں نے وہ بچے کی طرف بڑھائی، مگر بچے نے لینے سے انکار کر دیا، دوبارہ کہا کہ لے لو! لیکن بچے نے پھر بھی انکار کر دیا، اب یہ بڑی عجیب بات ہے، حالانکہ بچے کے اندر میٹھی چیز کھانے کی Temptation (شدید طلب) ہوتی ہے، اس کی گروتھ کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ میٹھا کھائے، اس لیے بچے میٹھی چیز کے پیچھے پاگل ہو کر بھاگتے ہیں...... لیکن جب ان بزرگوں نے بچے کو میٹھی چیز پیش کی تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور مٹھائی لینے سے انکار کر دیا۔

جب دو مرتبہ ان بزرگوں نے اس سے کہا تو بعد میں باپ نے بچے کو کہا: بیٹا لے لو! یہ ہمارے حضرت جی ہیں، یعنی باپ نے بچے کو اجازت دی تو پھر بچے نے وہ مٹھائی لے لی، اس پر ان بزرگوں کی آنکھوں سے آنسو آ گئے، یہ دیکھ کر وہ صاحب خانہ معذرت کرنے لگا: جی! بچے نے بدتمیزی کر دی اور آپ سے مٹھائی نہیں لی، آپ اس کو محسوس نہ فرمائیں، وہ کہنے لگے: نہیں نہیں، اس وجہ سے آنکھ سے آنسو نہیں آئے، بلکہ مجھے یہ خیال آیا کہ اس کے اندر میٹھا کھانے کی چاہت بھی ہے، پھر بھی جب میں نے اس کو ایک دو دفعہ مٹھائی پیش کی تو اس نے اپنے ''ابا'' کو دیکھا، کاش! میرا بھی ایمان ایسا ہوتا کہ میں بھی ہر معاملہ میں اپنے ''ربا'' کو دیکھ لیتا...... جب بچے کو باپ کی معیت اور دیکھنے کا اس قدر

خیال، تو کیا ہم اہل سلوک خدا پاک کی معیت اور ہر دم دیکھنے کا استحضار نہیں کر سکتے، کیا بچے سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔

سفر حج میں ہر قدم پر نماز

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے جب توبہ کی تو یہ بلخ کے بادشاہ تھے، انہوں نے ارادہ کیا کہ میں بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے جاؤں، ہر قدم پر یہ دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے وہاں گئے، ایک قدم بڑھاتے مصلی بچھا کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر ایک قدم بڑھاتے اور دو رکعت پڑھتے، ہر ہر قدم پر دو دو رکعتیں پڑھتے پڑھتے تقریباً اڑھائی سال میں مکہ مکرمہ پہنچے۔

واہ میرے مولا! آپ کی بھی کیا شان ہے، اور آپ کے دنیا میں کیسے کیسے چاہنے والے ہیں، وہاں جا کر طواف کیا، مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی، اے میرے اللہ! تیرے بندے پاؤں سے چل کر تیرے گھر کی طرف آتے ہیں، میں وہ بندہ ہوں جو پلکوں کے بل چل کر تیرے گھر کی طرف آیا ہوں، اتنے میں رابعہ بصریہؒ بھی آ گئیں، ابراہیم بن ادہمؒ نے دیکھا کہ رابعہ بصریہؒ پر اللہ کی خصوصی تجلیات ذاتیہ وارد ہو رہی ہیں، بڑے حیران ہوئے، کہنے لگے! رابعہ ایسا مقام تجھے کیسے مل گیا؟ تو رابعہ نے کہا: شور تو آپ نے مچا رکھا ہے کہ ہر ہر قدم پر دو رکعت پڑھ کر آئے ہو، فرق بتاؤں ؟ کہنے لگے: بتائیں، کہنے لگیں کہ فرق یہ ہے کہ آپ اس جگہ پر سر نیاز لے کر آئے ہیں اور میں اس جگہ پر دل نیاز لے کر آئی ہوں، میری اس نیاز مندی کو اللہ نے پسند فرما لیا...... اللہ والوں کی محبت میں رہنے سے سر نیاز اور دلِ نیاز کا فرق سمجھ میں آئیگا۔

اللہ والوں کی صحبت میں رہیں تو عاجز بن کر رہیں، پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت

کی کیا رحمتیں آتی ہیں۔

(تذکرۃ الاولیاء ص:۴۴)

پہلے تخلیہ پھر تحلیہ

دنیا کا مشاہدہ ہے، میل کچیل جوڑ کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے، بچپن کی بات ہے، شاید یہ عاجز اس وقت دوسری تیسری کلاس میں پرائمری کا طالب علم تھا، ہماری گلی سے ایک آدمی کبھی کبھی گزرتا اور آواز لگاتا برتن قلعی کرالو، برتن قلعی کرالو، میں اُسے روکتا چچا ذرا رکو، اور گھر آکر امی سے کہتا امی برتن نکالیں، قلعی کروانی ہے، بعض دفعہ وہ کہتی نہیں ابھی تو ضرورت نہیں سارے برتن ٹھیک ہیں، تو ہم رونا دھونا شروع کرتے، اصرار کرتے کیونکہ وہ قلعی کرنے کا جو طریقۂ کار تھا وہ اچھا لگتا تھا تو ایک دو برتن امی پکڑا دیتی، ہم لے کر جاتے، انکل (UNCLE) یہ قلعی کردو، وہ اپنی بھٹی جلاتا، آگ پر برتن رکھ کر اس کو خوب گرم کرتا، نوشادر یا کوئی دوسری چیز لگا کر اسکو صاف کرتا، پھر وہ نکالتا جس کو دیکھنے کو ہم بیتاب کھڑے ہوتے تھے، اور وہ قلعی رینگ کی مانند پتلی سی ہوتی تھی، اور وہ ہلکی سی لگا کر کوٹن سے اس کو پھیرتا تو پورا برتن بالکل قلعی ہو کر چمکنے لگتا۔

ایک دن میں نے ان سے پوچھا، کہ انکل آپ برتن پر ایسے ہی کیوں نہیں لگا دیتے؟ اس نے کہا آپ بچے ہو، آپ چھوٹے ہو، آپ کو پتہ نہیں، جو برتن تم لاتے ہو بظاہر صاف نظر آتا ہے، مگر ہماری نظر میں صاف نہیں ہوتا، اس پر چکنائی اور میل لگی ہوتی ہے، اس پر اگر ڈائریکٹ قلعی لگا دیں، تو قلعی اس پر نہیں چپکے گی، اسلئے پہلے آگ میں گرم کر کے نوشادر سے وہ ساری میل کچیل، چربی، چکنائی ہٹا دیتا ہوں، پھر اس کے بعد جب تھوڑی سی قلعی لگاتا ہوں، تو وہ اس کو چمکا دیتی ہے، اس چھوٹی عمر میں تو اس بات کا پتہ نہیں چلا کہ اس کا مقصد کیا تھا؟ آج جب بچپن کے اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ واقعی گناہ انسان کے دل پر میل کچیل جما دیتا ہے، اب ہم چاہیں کہ یہ دل صیقل ہو

جائے تو اس کے لئے پہلے گناہوں کے میل کو اتارنا پڑیگا، ورنہ اللہ رب العزت کے ساتھ دل واصل نہیں ہوسکتا۔

جب تک میل کچیل دور نہ ہو

۱۹۷۶ء کی بات ہے، اس عاجز کو مسکین پور شریف میں چار مہینے رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت جہاں مسجد ہے پہلے وہاں عمارت تھی، کچھ کمرے تھے، اور اس سے متصل اندازاً کوئی پانچ چھ فٹ اونچی دیوار تھی جس میں نل لگے تھے جس سے مدرسے کے طلبہ غسل کیا کرتے تھے، چونکہ دیوار اتنی زیادہ اونچی نہیں تھی، تو کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ کوئی طالب علم نہا رہا ہوتا اور جب دیکھتا کہ قریب سے کوئی گزر رہا ہے تو وہ اندر سے پانی اچھالتا، جس سے گزرنے والوں پر پانی پڑ جاتا، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ گزرنے والا باہر سے کوئی کنکر پھینک دیتا جس سے نہانے والے پریشان ہوتے، تو کچھ طلباء نے ایک استاذ صاحب سے مل کر یہ فیصلہ کیا، کہ ہم ان دیواروں کو اونچی کردیں، چنانچہ ایک بوری سمنٹ، کچھ اینٹیں اور ریت لائے، اور جمعہ کے دن ان طلباء نے خود ہی اینٹیں جوڑ کر اس کو دو فٹ اونچی کردیا، دو فٹ دیوار اونچی ہونے سے نہانے والے بھی خوش، اور باہر والے بھی خوش، ایک طالب علم نے کہا کہ پتہ نہیں یہ دیوار کتنی مضبوط بنی ہے؟ اس نے اوپر والے حصے کو ہاتھ لگایا تو وہ ہلنے لگی، اس نے دوسروں کو کہا، یہ تو ہلتی ہے، دوسرے نے بھی دیکھا، پتہ چلا کہ نیچے کی دیوار الگ، اور اوپر کی الگ، چند نئی اینٹیں آپس میں تو جڑ گئی تھیں، لیکن پرانی دیوار کے ساتھ وہ جڑی نہیں تھی، جب کسی اور نے ہاتھ لگایا تو اوپر کی دیوار نیچے گر گئی، طلبہ پریشان ہوئے کہ سمنٹ بھی گئی، اینٹیں بھی گئیں اور مقصد بھی حل نہ ہوا، تو کسی استاذ نے اس عاجز کے بارے میں بتایا کہ اس کا تعلق انجینئرنگ سے ہے، اس سے پوچھو، ایک طالب علم آیا، مجھے کہنے لگا کہ آپ مہربانی کرکے بتائیں کہ یہ دیوار کیوں گر گئی؟ اس عاجز نے آکر

دیکھا، تو پتہ چلا کہ نیچے کی دیوار مٹی گارے سے بنی ہوئی تھی، اور اسکی جو سب سے اوپر کی اینٹ تھی اس کے اوپر بھی گارا اور مٹی تھی، انہوں نے گارا ہٹائے بغیر اوپر پانی ڈالا اور اسی پر سیمنٹ رکھ کر اینٹیں رکھ دی، مٹی نے جوڑ ملنے نہیں دیا، میں نے طلبہ سے کہا ایک اسٹیل کا برش لے آئیں، وہ لائے، میں نے کہا کہ اوپر کی جو اینٹ ہے اس کو ذرا رگڑو، دو طالب علم لگے اور انہوں نے اوپر کی اینٹ کو خوب رگڑ کر صاف کر دیا، مٹی اور گارے کا نام ونشان ختم ہو گیا، تو انہیں کی ہاتھوں سے سمنٹ رکھوایا، اینٹیں لگوائیں، تو اینٹ پرانی دیوار سے بالکل چپک گئی، دونوں کا جوڑ پختہ ہو گیا، طلباء خوش بھی ہوئے اور حیران بھی، ان کے استاذ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس میں راز کیا تھا کہ ہم نے بھی دیوار بنائی، تو الگ ہو گئی، آپ نے بنائی تو جوڑ پکا بیٹھ گیا، اس عاجز نے بتایا کہ اوپر جو میل تھی، اس نے جوڑ بیٹھنے نہیں دیا، بلکہ دونوں کے درمیان رکاوٹ بن گئی۔

آج جب یہ بات یاد آ رہی ہے، تو مضمون کے متعلق یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بندہ اللہ سے دل کا تعلق جوڑنا چاہتا ہے، مگر گناہ جو میل ہے، وہ جڑنے نہیں دیتا، جوڑ بیٹھنے نہیں دیتا، اسلئے ہمارے اکابر ہر آنے والے سے پہلے گناہوں کے چھوڑنے کا مجاہدہ کراتے ہیں، کہ گناہ جب چھوڑو گے، تو تھوڑی محنت کے ساتھ بھی تمہارا جوڑ بن جائے گا، اللہ رب العزت پاک ہے اس کے وصل میں گناہوں کی ناپاکی کبھی درمیان میں نہیں رہ سکتی۔

کہیں مسخ نہ ہو جائے یہ دل

زمانۂ جاہلیت میں ایک مرد وعورت تھے، عورت کا نام نائلہ اور مرد کا نام اِساف، دونوں کے ناجائز تعلقات تھے، دونوں طواف کرنے کیلئے آئے، اور بیت اللہ شریف کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ مشغول ہو گئے، اللہ رب العزت کا غضب ہوا کہ دونوں پتھر بن گئے، اب اہلِ مکہ نے دیکھا تو انکو بڑا غصہ آیا کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسرے بیت اللہ

شریف کے اندر، انہوں نے مشورہ کیا کہ ان دونوں کو ایسی سزا دینی چاہئے کہ جو اس سے پہلے کسی کو کبھی نہ دی گئی ہو، مشورہ کیا، مل کر بیٹھے، کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ دیکھو حج کا عمل قیامت تک رہے گا، ہم ان میں سے ایک کو صفا پر رکھ دیتے ہیں اور ایک کو مروہ پر رکھ دیتے ہیں، جو حج اور عمرہ کرنے کیلئے آئے گا وہ سعی کرنے کیلئے ان دونوں مقام پر آئے گا، لہذا صفا پر جو جائے وہ اسکو جوتے مارے، اور جو مروہ پر جائے اسکو جوتے لگائے، قیامت تک اسکو ذلت ملتی رہے گی، اپنے دماغ سے انہوں نے کیا بات سوچی؟ لیکن اس بات کو بھول گئے کہ شریعت کے ایک حکم میں ہم کسی چیز کا اضافہ کر رہے ہیں، سعی کا یہ حصہ تو نہیں مگر انہوں نے اعمالِ سعی کا حصہ بنا دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دو پشت تک تو اِدھر جوتا مارتے، اُدھر جوتا مارتے، کسی کے پاس جوتا نہیں ہوتا تو وہ اِدھر تھپڑ لگاتے، اُدھر تھپڑ لگاتے، جب انکی اولاد آئی، تو انہوں نے سوچا کہ بھئی اصل تو اُسکو ہاتھ لگانا ہے اور اِسکو بھی ہاتھ لگانا ہے، چنانچہ جب وہ صفا پر چڑھتے تو اسکو ہاتھ لگاتے، اور جب مروہ پر چڑھتے اس وقت اسکو ہاتھ لگاتے، آنے والی نسل نے سوچا کہ یہ کوئی بزرگ بندے ہیں، برکت کیلئے لوگ ہاتھ لگاتے ہیں، کچھ ہوتے ہیں ضعیف الاعتقاد، انہوں نے کہا کہ یہ کوئی نیک بزرگ گزرے ہیں، لہذا صرف برکت کیلئے ہاتھ لگانے کے بجائے انہوں نے چومنا بھی شروع کر دیا، صفا پر اسکو چومتے اور مروہ پر اسکو چومتے، حتی کہ بعض وہاں دعائیں مانگتے، رفتہ رفتہ یہاں تک بات پہنچی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو کفار و مشرکین حج کے دوران صفا پر جاتے تھے تو اسکو سجدہ کرتے اور مروہ پر جاتے تو اسکو سجدہ کرتے تھے، اب دیکھئے یہ شرک و بدعت شروع کہاں سے ہوئی، اور کتنا بھیانک اسکا انجام نکلا...... تو گناہ اور بدعت وخرافات کی وجہ سے جس طرح وہ مسخ ہو گئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ معصیت وغفلت کی وجہ سے ہمارا دل مسخ اور سخت ہو جائے، اس لئے اپنے ہر عمل پر نظر رکھئے اور قلب کو یادِ الٰہی سے منور کیجئے۔

(البدایۃ والنہایۃ ۲/۲۳۳۔ المفصل فی تاریخ العرب ۱۱/۲۶۶)

جب ہپناٹزم کا اثر ہو سکتا ہے......

جب میں (حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم) پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا، اس وقت یہاں جھنگ میں ایک سرکس آئی بڑے بھائی ہمیں سرکس دکھانے کے لئے لے گئے، ہم نے زندگی میں کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا، وہ کہنے لگے کہ آپ کو ہم ہاتھی بھی دکھائیں گے اور مداری بھی دکھائیں گے، اس عمر میں مداری وغیرہ بہت اچھے لگتے ہیں، چونکہ میں چھوٹا سا تھا اس لئے میں جا کر ہاتھی کے پاس کھڑا ہو گیا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس کی اتنی لمبی سونڈ ہوتی ہے، مجھے اس وقت پتہ چلا جب اس نے سونڈ میرے ساتھ لگائی، یہ تو اس کا بھلا ہے کہ اس نے کچھ نہ کیا، لیکن جب میں نے دیکھا کہ سونڈ جو پہلے لٹک رہی تھی وہ یک دم میرے سامنے آگئی، اس وقت میں گھبرا کر تھوڑا پیچھے ہٹا۔

پھر مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی سونڈ بھی کوئی چیز ہوتی ہے، چونکہ ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ ہاتھی دیکھا تھا اس لئے اسکو ہم بڑے حیران ہو کر دیکھتے رہے۔

اس سرکس میں ہم نے ہپناٹزم کا ایک شو دیکھا، ایک بوڑھے آدمی نے ہپناٹزم کا کرتب دکھایا، وہ بڑا عجیب کرتب تھا، اٹھارہ بیس سال کی ایک جوان لڑکی تھی وہ ایک دروازے سے بھاگی ہوئی آئی، اس کے ہاتھ میں لوہے کے دو نیزے تھے، وہ ان کو ہاتھ میں لے کر سب کو دکھاتی پھر رہی تھی، وہ نیزے آگے سے اتنے تیز تھے کہ ہمارے قریب ایک آدمی بیٹھا تھا، اس نے ان کو چیک کرنے کے لئے ہاتھ لگایا تو اس کے ہاتھ سے خون نکل آیا، وہ دکھا بھی رہی تھی کہ دیکھو یہ آگے سے کتنے تیز ہے، جب اس نے وہ نیزے سارے مجمع کو دکھائے تو ایک اونچی سی جگہ پر آ کر وہ کھڑی ہو گئی، اب وہ بوڑھا میاں آیا اور اس نے آ کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ پڑھنے لگا، وہ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

....میں کون؟....عامل ....تو کون؟....معمول ....وہ اس کی طرف برابر دیکھتا رہا،

میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کو غشی آنے لگی، اب اس بوڑھے آدمی نے اس کی ایک بغل میں ایک نیزہ دیا اور دوسری بغل میں دوسرا، اور لڑکی جب وہ نیزے دکھارہی تھی تو اس وقت اپنی بغلیں بھی دکھارہی تھی کہ میری بغلوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ لڑکی پہلے تو سیدھی کھڑی تھی، اس کے بعد نیزوں پر آگئی یوں اس کا پورا وزن ان دونوں نیزوں پر آ گیا، پھر وہ کچھ پڑھتا رہا، پڑھتا رہا، جب وہ اچھی طرح سے بے ہوش ہوگئی تو اس بوڑھے نے اس کے نیچے سے دو تین فٹ اونچی لکڑی نکالی جس پر وہ کھڑی تھی، ہم بہت حیران ہوئے، اب وہ لڑکی دونوں نیزوں کے اوپر لٹکی ہوئی تھی، اس کے بعد وہ اپنا عمل کرتا رہا، پھر اس نے ایک عجیب کام کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور اس کی ایک طرف کو اٹھا کر ایک نیزہ نکال دیا، پھر ایک نیزے کے اوپر پوری لڑکی لٹکی ہوئی تھی۔

....سائنس پڑھنے والے آج تو اس بات کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ہم تو اس وقت بچے تھے اس لئے ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں تھی، البتہ ہمیں یہ عجیب سا لگ رہا تھا کہ اس کی ایک بغل کے نیچے نیزہ اور اس کے اوپر ہوا میں پوری لڑکی لٹکی ہوئی ہے۔

اس کے بعد وہ پھر پڑھتا رہا، بالآخر اس نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور اس کو ہوا میں ہی سیدھا کر دیا، اب وہ ہوا میں یوں لٹکی ہوئی تھی جیسے کوئی لڑکی بیڈ کے اوپر لیٹی ہوتی ہے، یہ اس کے کرتب کا آخری مرحلہ تھا، چنانچہ وہ دو چار منٹ تک اسی طرح ہوا میں لٹکی رہی اور وہ بندہ اسے دیکھتا رہا اور تالیاں بجتی رہیں، تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس کو پھر اسی طرح واپس کیا اور وہ ایک نیزے پر لٹکنے لگی پھر اس نے دوسرا نیزہ نیچے لگا دیا، پھر اسکے بعد اس نے کچھ پڑھا، پھر اس کے نیچے لکڑی رکھ دی، پھر اس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی بندہ کے بے ہوشی سے باہر آتا ہے، اسے اتنا پسینہ آیا ہوا تھا کہ اس کے پورے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے، اس کے کپڑے بھی پسینے سے شرابور ہو چکے تھے، اس وقت وہ ہم سے پانچ سات فٹ کے فاصلے پر تھی، پھر دو عورتیں آئیں اور وہ اس کو پکڑ

کر لے گئیں، وہ اتنی تھک چکی تھی کہ اس کے لئے پاؤں اٹھانے بھی مشکل ہو رہے تھے، یہ ہپناٹزم کا کرتب میں نے اپنی زندگی میں خود دیکھا۔

اچھا، جب اس نے لڑکی کو ہوا میں لٹا دیا تو اس وقت مجھے اپنے والد صاحب کی ایک بات یاد آ گئی، انہوں نے ایک دفعہ جادوگروں کا ایک واقعہ سنایا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ یہ جادوگر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کرتے ہیں، حقیقت میں وہ چیز ایسی نہیں ہوتی جیسی نظر آ رہی ہوتی ہے، مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب مجھے ابا جان کی وہ بات یاد آئی تو میں اپنی آنکھوں کو ملنے لگا کہ مجھے یہ دھوکا ہو رہا ہے یا واقعی ایسے ہی ہے، یہ واقعی ایسے ہی تھا کہ وہ لڑکی ایک نیزے کے اوپر لیٹی ہوئی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟.... یہ ایسے ہوا کہ اس بندے نے اپنی قوت کو ایک جگہ پر یکجا کر کے اس کو دوسرے پر لاگو کرنا سیکھ لیا تھا، لہذا اس نے اس لڑکی کو اپنی نظر کے سہارے پر رکھا ہوا تھا۔

جب ہم یونیورسٹی میں پڑھتے تھے تو ان دنوں ہم سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں کراچی حاضر ہوئے، حضرت سید زوار حسین شاہؒ ایک بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، میں نے ان کو یہ واقعہ سنا کر عرض کیا، حضرت! میں نے یہ واقعہ خود دیکھا ہوا ہے لیکن مجھے آج تک اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی، حضرتؒ نے فرمایا: یہ کوئی جادو نہیں ہے بلکہ اس بندے نے یہ سب کچھ اپنی قوت ارادی کو مرکوز کرنے کی وجہ سے کیا۔

بس یہی میرا کرتب تھا

انڈیا میں ایک آدمی نے شو دکھایا، اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ میں ٹھیک چھ بجے آ کر آپ کو شو دکھاؤں گا، ٹائم طے تھا، بہت سارے لوگ جمع ہو گئے، چھ بھی بج گئے، بلکہ دس منٹ اوپر ہو گئے مگر وہ بندہ نہ آیا، جب کچھ دیر کے بعد وہ آدمی آیا تو اس نے سلام کیا

اور کہنے لگا: چونکہ ابھی وقت نہیں ہوا، پندرہ منٹ باقی ہیں، اس لئے میں اب جاتا ہوں اور میں اپنے صحیح وقت پر آؤں گا، لوگوں نے کہا: جی وقت تو ہو گیا ہے، اس نے کہا: نہیں آپ اپنی گھڑی دیکھ لیں، جب لوگوں نے اپنی گھڑی دیکھیں تو واقعی سب کی گھڑیوں پر پونے چھے بج رہے تھے، جب تک وہ وہاں کھڑا رہا سب کی گھڑیوں کی سوئیاں پونے چھے پر ہی رہیں، اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ ''بس یہی میرا کرتب تھا، السلام علیکم'' ...... جب انسان ہپناٹزم اور قوت ارادی کے ذریعہ دوسروں پر تصرف کر سکتا ہے، تو پھر اللہ والے اپنی باطنی اور روحانی قوت کے ذریعہ راہِ خیر پر لانے کیلئے دلوں پر تصرف کیوں نہیں کر سکتے۔

ٹی وی اسکرین پر ایک کرتب

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر حضرت سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے جب حضرتؒ سے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا: حضرت! میں آپ کو اس سے بھی عجیب بات سناتا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا: سناؤ، انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ انگلینڈ میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں ٹی وی پر آپ کو ایک کرتب دکھاؤں گا، چنانچہ اسے ٹی وی پر کرتب دکھانے کی اجازت دے دی گئی، جب وہ کرتب دکھانے سے فارغ ہوا تو اس نے آخر میں کہا کہ پورے ملک میں جو بندہ بھی ٹی وی دیکھ رہا ہے، وہ اپنے ہاتھ میں لوہے کی کوئی چیز پکڑ لے، یہ سن کر کسی نے چمچ پکڑا، کسی نے کانٹا پکڑا، کسی نے چھری وغیرہ پکڑ لی، جیسے ہی اس نے لوہے کی چیز پکڑنے کو کہا تو اس کے بعد چند سکینڈ کے اندر اندر جس کے ہاتھ میں جو چیز تھی، وہ ٹیڑھی ہو گئی، پورے ملک کے لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا، دنیا حیران تھی کہ اس نے ٹی وی اسکرین پر بیٹھ کر یہ کہا مگر اس کی توجہ اتنا کام کر رہی تھی کہ پورے ملک میں جس نے جو چیز اسکے کہنے پر پکڑی تھی وہ ٹیڑھی ہو گئی، پھر لوگوں نے اس پر مقدمہ بھی درج کر دیا کہ آپ نے ہمارا یہ نقصان کیا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں نے آپ سے صرف یہ کہا تھا کہ پکڑیں، یہ تو نہیں کہا تھا کہ ٹیڑھا کریں۔

اس سے پتہ چلا کہ انسان اپنی قوت ارادی کو مرکوز کر کے بہت سے عجیب وغریب کام کرسکتا ہے، انسان آخر اللہ تعالی کا نائب ہے، اللہ تعالی نے انسان میں یہ صفات رکھی ہیں لیکن ہمیں ان صفات کو آزمانا نہیں آتا...... ہم اپنے اندر پہلے یہ روحانی اور باطنی قوت پیدا تو کریں، پھر دیکھیں کہ کتنے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔

اللہ وہ دل دے کہ تیرے عشق کا گھر ہو
دائمی رحمت کی تیری اس پہ نظر ہو

دل دے کہ تیرے عشق میں یہ حال ہو اس کا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی خبر نہ ہو

معرفت و معیت

حضرت رابعہ کی معرفت بھری بات

حضرت حسن بصریؒ اس امت کے بڑے اولیاء میں سے گزرے ہیں ان کے زمانے میں ایک خاتون تھی جس کا نام رابعہ بصریہ ہے، کبھی کبھی یہ ان کے پاس جایا کرتی تھی کچھ مسائل پوچھنے کے لئے بات پوچھنے کے لئے، ایک مرتبہ جب ان کے گھر گئی پتہ چلا کہ وہ دریا کی طرف گئے ہیں، گرمی کا موسم تھا، بہت زیادہ شدت کی گرمی تھی، اہل خانہ نے بتایا کہ وہ دریا کے کنارے اس لئے گئے ہیں کہ وہاں بیٹھ کر میں اللہ اللہ کروں گا، انہوں نے بات ضروری پوچھنی تھی، یہ بھی دریا کے کنارے کی طرف چل پڑی، بڑھاپے کی عمر تھی، جب دریا کے کنارے پر پہنچی تو کیا دیکھا کہ حسن بصریؒ نے کنارے کے بجائے پانی پر دریا کے اوپر مصلی بچھایا ہوا ہے، اور اللہ رب العزت کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، یہ گویا ان کی ایک کرامت تھی جو اللہ رب العزت نے اس وقت ان پر ظاہر کر دی تھی، یہ ایک طرف بیٹھ کر دیکھتی رہی، جب حسن بصریؒ نماز سے فارغ ہوئے انہوں نے رابعہ بصریہ کو دیکھا تو سلام کیا، رابعہ بصریہ نے اسے کہا: اگر بہ ''ہوا روی مگسے باشی'' اگر تو ہوا پہ چلتا ہے تو مکھی کے مانند ہے، و بر آب روی خسے باشی، اگر تو پانی پر تیرتا ہے تو تنکے کے مانند ہے، دل بدست شی باشی، اپنے دل کو قابو میں کر لے تا کہ تو کچھ بن جائے۔

حسن بصریؒ نے اقرار کیا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا، دیکھئے اتنے بڑے ایک ولی کو اتنا پیارہ مشورہ کس نے دیا ایک عورت نے دیا جو خود ولایت کے مقامات کی معرفت حاصل کر چکی تھی۔

(تذکرۃ الاولیاء ۴۷)

معرفت نے بادشاہ بنا دیا

شیر کا ایک بچہ عام جانوروں کے ساتھ زندگی گزارنے لگا تو اسکی حالت بھی عام جانوروں جیسی ہوگئی، گدھے اور بکری وغیرہ کی طرح وہ شیر بھی رہنے لگا، اس شیر کو ایک بندر نے پہچان لیا کہ یہ

تو بادشاہ کا بیٹا ہے، چنانچہ اس نے اسے سمجھایا کہ تم تو جنگل کے بادشاہ ہو اور تم کہاں زندگی گزارتے پھر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں بس ادھر اپنے دوستوں کے ساتھ ٹھیک ہوں، وہ بندر اسے لے کر ایک دریا پر گیا اور اسے کہا کہ نیچے پانی کی طرف جھانک کر دیکھو، جب اس نے پانی میں جھانک کر دیکھا اور اسے اپنی شکل نظر آئی تو اسے اپنا باپ یاد آ گیا، اس نے چھوٹی عمر میں اپنے باپ کو دیکھا تھا اور اب جوان ہو چکا تھا، اب اس کا قد کاٹھ اور وضع قطع بھرپور شیر کی طرح تھا جب اپنی شکل دیکھ کر اسے اپنا باپ یاد آیا تو اسنے شیر والی آواز نکالی، اب اسے احساس ہونے لگا کہ میں کوئی عام جانور نہیں ہوں بلکہ جانوروں کا بادشاہ ہوں، چنانچہ اب اس کے اندر ایک قوت آ گئی اور اسکو دوسروں کے ساتھ لڑنا اور حملہ کرنا بھی آ گیا، لہٰذا جب وہ لوٹ کر واپس آیا تو سب جانوروں نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا...... جب ایک جانور اپنی حقیقت اور اپنی معرفت کے حاصل ہونے پر بادشاہ بن سکتا ہے، تو کیا انسان اپنی حقیقت کو پہچان لے اور ذاتِ باری کی معرفت حاصل کر لے تو راہِ سلوک کا بادشاہ نہیں بن سکتا اور سایۂ عرش کا ہم نشیں اور دیدارِ خداوندی کا مستحق نہیں ہو سکتا؟

بادشاہ کی معرفت نے ملکہ بنا دیا

ہارون رشید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ بھیس بدل کر شکار کھیلنے کے لئے نکلا، اتفاق سے وہ اپنے قافلہ سے بچھڑ گیا، تھکا ہوا تھا اور اسے پیاس بھی لگی ہوئی تھی، کہیں اسے ایک چھوٹی سی چھونپڑی نظر آئی، وہ وہاں گیا اور کہنے لگا، جی مجھے پینے کے لئے پانی دیدیں، اس گھر میں ایک نوجوان لڑکی تھی، اسنے اس کے چہرے مہرے سے اندازہ لگایا کی یہ وقت کا بادشاہ ہے، جب بادشاہ نے پانی مانگا تو اس لڑکی نے درخت سے انار توڑا اور اسکا جوس نچوڑا اور بادشاہ کو دینے سے پہلے اس نے وہ شربت (جوس) کپڑے سے چھان لیا تھا کہ کوئی تنکا یا پتہ نہ چلا جائے، اب بادشاہ یہ سب غور سے دیکھ رہا تھا، جب اس نے جوس بادشاہ کو پیش کیا تو اسنے پوچھا کہ تم نے یہ جوس چھان کر کیوں دیا؟ وہ کہنے لگی اے امیر المومنین میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ کوئی تنکا وغیرہ آپ کے منہ میں نہ چلا جائے، بادشاہ یہ جواب سن کر بڑا حیران ہوا کہ اس نے بغیر بتائے سمجھ لیا کہ میں بادشاہ ہوں، وہ اس بات پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے گھر

آ کر اس لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا اور اس لڑکی کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیا..... اب اس لڑکی نے بادشاہ کو پہچان لیا اور اس کی قدر کی جس کے نتیجے میں اسنے فائدہ اٹھایا...... اندازہ لگایئے کہ ایک بادشاہ کی معرفت پر ایک خاتون شاہی محل میں جگہ پا سکتی ہے، بادشاہ کی محبوبہ بن سکتی ہے، تو کیا ہم خدا کے پرستاروں کو اگر خدا کی سچی معرفت حاصل ہو جائے تو محبوب خدا نہیں بن سکتے اور خدا کے شاہی محل (جنت) میں جگہ نہیں پا سکتے؟

جب تک ہیرے کی پہچان نہ تھی

ایک صاحب نے مجھے (حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی) ایک عجیب بات بتائی، وہ کہنے لگے کہ ہمارے گھروں کے قریب ایک علاقہ ہے، وہاں پر ہیرے زمین کے اوپر پڑے ہوتے ہیں اب حکومت نے اس علاقہ میں جانے پر پابندی لگا دی ہے وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ اس علاقہ میں آتے جاتے تھے اور کئی مرتبہ ہم چمکتے ہوئے پتھر دیکھتے بھی تھے مگر ہم سمجھتے تھے کہ یہ ریت کے ذرات ہیں، انہوں نے بتایا کہ ہم مرغابی کا شکار کرتے تھے اور ان مرغابیوں کے معدے سے یہ چمکدار پتھر نکلتے تھے، ہم ان پتھروں کو اپنے ڈرائنگ روم کے پیالے میں ویسے ہی رکھ دیا کرتے تھے، یہ سلسلہ چلتا رہا اور کسی کو بھی پتہ نہ چلا کہ یہ کیا چیز ہے، وہ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ بیرون ملک سے ایک مہمان ہمارے گھر آیا، وہ ہیرے کی فیکٹری میں کام کرتا تھا، جب اس نے ان پتھروں کو ایک نظر دیکھا تو کہنے لگا، یہ کیا ہے، تم نے یہ یہاں پیالے میں ڈال کر رکھے ہوئے ہیں، ہم نے کہا کہ یہ ہماری مرغابیوں کے معدے سے نکلتے ہیں، اس نے کہا، خدا کے بندے! اس کے اندر ہیرا ہے جب ہمیں پتہ چلا تو بات آگے بڑھی، حکومت کو بھی پتہ چل گیا، پھر حکومت نے اس علاقہ میں جانے پر پابندی لگا دی، معلوم ہوا کہ دنیا کا آدھے سے زیادہ ہیرا اللہ تعالی نے اس ملک کو عطا کیا ہوا ہے اور پورا ملک اس ہیرے کی آمدنی پر زندگی گزار رہا ہے..... تو جب پہچان نہیں تھی تو ان پتھروں کو پیالے کے اندر ڈال کر رکھا ہوا تھا اور جب پہچانا تو پھر قدر ہو گئی...... اسی طرح انسان کو اگر خدا کی عظمت و بڑائی کی معرفت مل جائے تو خدائی نعمتوں کی قدردانی بھی نصیب ہوگی اور دل کو محبت و معیت اور یادِ الٰہی سے

بھرنا بھی آسان ہوگا، پہلے معرفت حاصل کر کے تو دیکھیں۔

معرفت کے بغیر حسرت ہی رہ گئی

ایک ڈاکٹر صاحب تھے، وہ دماغی آپریشن کے بڑے ماہر سرجن تھے، جب ان کے پاس کوئی مریض آتا تو وہ بھاری فیس لیتے تھے، ایک دن وہ ہسپتال میں بیٹھے تھے کہ ایک مریض کو لایا گیا، لوگوں نے ان کو اطلاع دی کہ ایک نوجوان بڑی نازک حالت میں ہے لہذا آپ اس کا آپریشن کرنے کے لئے آجائیں، انہوں نے کہا کہ پہلے اسکی فیس جمع کراؤ، لوگوں نے کہا کہ اس کا کوئی بھی قریب نہیں ہے، سڑک پر ایکسیڈنٹ ہوا ہے، اٹھا کر لائے ہیں، للہذا بعد میں فیس کے بارے میں دیکھیں گے، وہ کہنے لگے، پہلے فیس جمع کراؤ، پھر آؤنگا، وہ بتاتے بھی رہے کی اس کی حالت غیر ہو رہی ہے لیکن اس ڈاکٹر نے انکار کر دیا، جب آدھا گھنٹہ گزر گیا تو اس ڈاکٹر کے گھر سے فون آیا، بیوی نے کہا، مجھے اطلاع ملی ہے کہ اکلوتے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، پتہ کرو وہ کہاں ہے؟ اب ڈاکٹر صاحب نے ڈھونڈھنے کے لئے فون کیا تو پتہ چلا کہ وہی نوجوان سگا بیٹا تھا، اب جب آپریشن کے لئے گئے تو پہونچنے سے پہلے دم توڑ چکا تھا...... جب پہچان نہیں تھی تو اپنے بیٹے کی ناقدری ہوئی اور جب پہچان ہوئی تو پھر روتے تھے کہ میں ساری زندگی کی کمائی لگا دیتا اور کاش کہ میں اپنے بیٹے کے پاس آجاتا......

اسی طرح بروز قیامت ہم کو حسرت ہوگی کہ ہائے کاش! اس دنیا میں ہمیں بھی خدا کی معرفت حاصل ہوگئی ہوتی، تاکہ محبت الٰہی سے دامنِ دل کو بھر کر لاتے اور سایۂ عرش میں جگہ پاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحدثنا ونحدثہ فاذا حضرت الصلوٰۃ کانہ لم یعرفنا ولم نعرفہ (جب نماز کا وقت آجاتا تھا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہوجاتے تھے کہ وہ ہمیں نہیں پہچانتے تھے اور نہ ہم ان کو جانتے تھے) فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ اذان کی آواز سنی تو اللہ کے محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم اٹھ کر کھڑے ہو گئے، میں ذرا سا منے آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: مــــن انت؟ (تو کون ہے؟) میں نے کہا: عائشہ، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. من عائشة؟ (عائشہ کون؟) میں نے کہا: بنت ابی بکر (ابوبکر کی بیٹی) فرمانے لگے: من ابوبکر؟ (ابوبکر کون؟) میں نے کہا ابن ابی قحافہؓ فرمانے لگے: من ابو قحافة؟ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوقحافہ کون؟ پھر میں گھبرا گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب کسی کو نہیں پہچانیں گے، پیچھے ہٹ گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کیفیت پھر عام حالت والی ہوئی اور وہ محبت کی کیفیت ذرا کم ہوئی تو فرمایا: عائشہ! لی مع اللہ وقت [میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہوتا ہے] کوئی نبی مرسل، کوئی اللہ کا فرشتہ اس وقت میرے اور اللہ کے درمیان حائل نہیں ہوسکتا......اس درجہ کی معیت واستحضار اگر حاصل نہیں تو کچھ نہ کچھ معیت ضرور حاصل کریں، البتہ یہ نعمت اہل اللہ کی صحبت سے بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔

(فیض القدیر ۲۸۲۱ ج:۳/۱۱۴ تحت اول ما یرفع احیاء العلوم مع تخریج العراقی ۱/۲۹۳)

ابا کوئی دیکھ رہا ہے

ایک آدمی کہیں جا رہا تھا، اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ تھا، اس نے انگور کا ایک باغ دیکھا تو اسکے دل میں خیال آیا کہ میں انگور اتارتا ہوں، چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو راستے میں کھڑا کیا اور کہا: بیٹا! اگر کوئی آئے تو تم مجھے آواز دے دینا میں جا کر انگور اتارتا ہوں۔

چنانچہ جیسے باپ باغ میں گھسا پیچھے سے بیٹے نے آواز لگانا شروع کی:

یاابی !یاابی !احد یرانا

''اے ابا جان! اے ابا جان! ایک ہمیں دیکھ رہا ہے''

یہ سن کر باپ جلدی سے واپس آ گیا، قریب آ کر دیکھا تو آدمی تو کوئی نہیں تھا، لہٰذا اس سے پوچھا: بیٹا! ہمیں کون دیکھ رہا ہے؟ بیٹے نے کہا: ابو! انسان نہیں دیکھ رہا، انسانوں کا پروردگار دیکھ رہا ہے۔

اس وقت کے چھوٹے بچوں کے دل میں بھی قیامت کے دن کا اتنا خوف ہوتا تھا۔

عقیدت ومحبت

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

روٹی کے ٹکڑے عقیدت سے کھائی

ایک بزرگ جن کا نام عبدالعزیز تھا، وہ ایک صاحب نسبت بزرگ کے پاس عقیدت کے ساتھ جاتے تھے، جن کا نام ابوحازم تھا بڑے اللہ والے تھے، یہ ان کی خدمت میں آتے جاتے نیازمندی سے بیٹھتے، چنانچہ ابوحازم نے ایک مرتبہ خوش ہوکر اپنی روٹی کا ایک خشک ٹکڑا بچا ہوا ان کو بھی دے دیا کہ یہ آپ لے لیں، انہوں نے اس کو تبرک سمجھا کہ یہ اللہ والے کا بچا ہوا کھانا ہے ویسے ہی مومن کے کھانے میں شفا ہوتی ہے، پھر ایک نیک بندے نے کھانا دیا تحفہ دیا یہ تو تبرک تھا، حضرت عبدالعزیز اس ٹکڑے کو لے کر اپنے گھر آئے اب سوچنے لگے کہ میں کیا کروں، بیوی سے بھی مشورہ کیا سوچا اس کو اس طرح سے استعمال کرنا چاہیئے کہ اسکی برکتیں حاصل کرسکیں، چنانچہ اس کی نیت کرلی کہ میں اس کے تین ٹکڑے کرتا ہوں روزانہ روزہ رکھوں گا اور میں روزانہ اس روٹی کے ٹکڑے سے افطار کروں گا، یہ اس کا بہترین استعمال ہے، چنانچہ یہ ادب تھا دل کے اندر نیکی تھی، چنانچہ انہوں نے تین روزے رکھے، پہلا روزہ پہلے ٹکڑے سے افطار کیا اور دوسرا روزہ دوسرے ٹکڑے سے افطار کیا اور تیسرا روزہ تیسرے ٹکڑے سے افطار کیا، اللہ کی شان جب تیسرا روزہ مکمل ہوا تو رات کو میاں بیوی آپس میں اکٹھے ہوئے، اللہ نے اس رات میں ان کو برکت عطا فرمادی، ان کے یہاں ایک بیٹا ہوا، جس کا نام انہوں نے عمر رکھا، یہ عمر جب جوان ہوا تو اللہ نے اسکو عمر بن عبدالعزیز بنادیا...... جب شیخ کی روٹی کے ٹکڑے کو عقیدت و محبت سے کھانے پر یہ اثر، تو اگر ان کی باتوں کو عقیدت سے سنے اور اس پر عمل کرے تو کس قدر فیضیاب ہوئے گا۔

شیخ کی بات پر اعتماد کیجئے

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد تھا جو عالم تھا، وہ ایک دفعہ حضرت کے پاس آیا اور اس نے آ کے کہا کہ حضرت! یہ شعر ہے جس نے بھی یہ شعر کہا لگتا ہے اس نے بہت زیادہ اس میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جیب سے کچھ پیسے نکالے اور اس عالم کو دیئے اور کہا کہ بھئی! یہ پیسے لے جاؤ جہاں جسم فروش عورتیں ہوتی ہیں، وہاں جا کر یہ کہنا کہ پیسے میں دیتا ہوں لیکن جو کوئی نئی عورت آئی ہے مجھے اس سے ملاؤ، اب وہ اتنے بڑے فقیہ اور شیخ لیکن انہوں نے یہ فرمادیا، پیسے تو اس نے لے لئے مگر جب باہر نکلا تو کہنے لگا، میں تو یہ کام نہیں کر سکتا، لیکن جانتا تھا کہ میرے شیخ بہت بڑے متقی انسان ہیں، اگلے دن پھر حضرت کی صحبت میں پہونچا، حضرت نے پوچھا کہ کل گئے تھے؟ نہیں حضرت نہیں گیا تھا، فرمایا بھئی نقصان اٹھاؤ گے آج چلے جاؤ تمہارے پاس وقت کم ہے۔

جب دوبارہ کہا تو اس نے پیسے لئے اور چلا گیا، اس نے جب جا کر یہ الفاظ کہے تو بتلانے والے نے اسکو بتایا کہ ہمارے یہاں ایک عورت نئی پہونچی ہے، کل سفر سے آئی تھی تھکی ہوئی تھی، آج ہم آپ سے اسکو ملا دیتے ہیں، جب وہ ملنے کے لئے سامنے آئی تو عالم صاحب نے دیکھا کہ اسکی سگی بیٹی تھی، دراصل دو دن پہلے بیٹی کی شادی ہوئی تھی اور انہوں نے اسکو اپنے خاوند کے ساتھ روانہ کیا تھا، برات نے کسی دوسرے شہر جانا تھا، راستے میں جنگل میں کچھ ظالم ڈاکوں نے قافلے کو لوٹ لیا، انہوں نے دلہن کو بھی وہاں سے اغواء کیا اور یہاں لا کر بیچ دیا، باپ کو تو ابھی تک پتہ ہی نہیں تھا واقعہ کا، اب جب باپ نے بیٹی کو دیکھا تو بیٹی باپ سے چمٹ گئی، ابو! شکر ہے آپ یہاں آگئے میرے ساتھ تو یہ گذری تو باپ اپنی بیٹی کو گھر لے کر آیا اور پھر اس نے آ کر شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ حضرت واقعی

متبع سنت بزرگ اگر کوئی بات کہتے ہیں تو اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، آپ کی اس بات نے میری عزت کو بچالیا...... شیخ نگاہِ دوررس رکھتا ہے، نگاہ قلندرانہ سے دیکھ کر کچھ کہا کرتا ہے، بلکہ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود کا بھی مصداق ہوتا ہے، لہٰذا ان کے مشورہ پر عقیدت کے ساتھ عمل کرنے پر اللہ پاک نقصان سے بچا کر مقام عطا فرما دیتے ہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ۲/۵۰)

زبیدہ ہارون سے بڑھ گئی

ایک دن ہارون رشید اور اسکی بیوی زبیدہ دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہے تھے، بہلول دانا جو ایک بزرگ تھے وہ وہاں بیٹھے ہوئے ریت کے گھر بنا رہے تھے، ہم نے بچوں کو دیکھا کہ ریت والی جگہ پر پاؤں رکھ کر اوپر ریت جماتے ہیں اور کہتے ہیں گھر بن گیا، تو ریت کے گھروندے بنا رہے تھے، ہارون رشید آیا السلام علیکم، وعلیکم السلام، بہلول کیا کر رہے ہو؟ گھر بنا رہا ہوں، جو خریدے گا میں دعاء کرونگا اللہ اس گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطا فرمادے، بہلول قیمت کتنی ہے؟ انہوں نے کہا ایک دینار، بادشاہ نے سمجھا یہ جہاز ہے اپنی موج میں ہے پرواز کر رہا ہے، بادشاہ سلامت تو آگے چلے گئے پیچھے سے زبیدہ آئی، اس نے پوچھا کہ بہلول کیا کر رہے ہو؟ اس نے وہی جواب دیا کہ گھر بنا رہا ہوں جو خریدے گا تو میں دعاء کرونگا کہ اللہ تعالیٰ اس گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطاء فرمادے بہلول کیا قیمت ہے؟ ایک دینار، زبیدہ نے ایک دینار دے دیا اور گھر چلے گئے، اب رات کو جب ہارون رشید سویا تو اس نے خواب میں دیکھا.... جنت ہے، اس کے محلات ہیں، باغات ہیں، نہریں ہیں، مرغزاریں ہیں، آبشاریں ہیں، جنت کی سکائی لائن ہے اور اس میں ایک سرخ یاقوت سے بنا ہوا بڑا محل ہے اور اوپر زبیدہ کے نام کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے تو ہارون رشید نے کہا بھئی چلتے ہیں دیکھتے ہیں ذرا، جب دروازے پر پہنچ کر اندر جانے کی کوشش کی تو ایک سیکورٹی والے

نے روک لیا اور کہا کہ یہاں صرف وہی داخل ہوسکتا ہے جس کا یہ محل ہے آپ جائیں، اب جب اس نے روکا تو بادشاہ کی آنکھ کھل گئی، اب بادشاہ کو بہت پریشانی کہ مجھ سے تو بیوی عقل مند نکلی، اس نے روپیہ دے کر دعاء کروالی اور میں دعاء ہی نہ کروا سکا، سارا دن اسی ڈپریشن میں گزرا جب شام کا وقت ہوا تو اسکے ذہن میں بات آئی کہ آج اگر بہلول بیٹھا ہوگا تو میں آج جا کے دعاء کروالیتا ہوں، چنانچہ جلدی سے پہونچا ادھر ادھر دیکھا، بہلول واقعی بیٹھا ہوا تھا ایک جگہ بہلول کیا کررہے ہو؟ گھر بنارہا ہوں کس کے لئے؟ جو خریدے گا میں دعاء کرونگا اللہ اس گھر کے بدلے بندے کو جنت میں گھر عطاء فرمادے، اچھا بہلول قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا جناب پوری دنیا کی بادشاہی اسکی قیمت ہے، اب ہارون رشید حیران ہوا، بہلول اتنی قیمت تو میں بھی نہیں دے سکتا، پوری دنیا تو میری حکومت نہیں ہے، بہلول کل ایک دینار میں دے رہے تھے آج اتنی قیمت بڑھا دی، بہلول نے کہا بادشاہ سلامت کل بن دیکھا سودا تھا، آج دیکھا ہوا سودا ہے اور دیکھے سودے کی قیمت کچھ اور ہوتی ہے...... اس سے پتہ چلا کہ شیخ کی بات بلا چوں چرا ماننے سے فائدہ ہوتا ہے، ان کی باتوں کو تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی پر نہ پرکھے، بلکہ یہی سمجھے کہ ہمارے لئے اسی میں فائدہ ہے۔

اگر عقیدت میں کمی نہ ہوتی

(۱) علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے ایک جگہ پر واقعہ لکھا ہے کہ کسی جگہ حضرت جنید بغدادیؒ تشریف فرما تھے، آپ نے آرام حاصل کرنے کے لئے ٹانگیں پھیلا کر بیٹھے تھے، ان کے سامنے ایک درویش بیٹھا تھا، اس نے بھی ٹانگیں پھیلالیں یوں کہ ٹانگیں شیخ کی طرف تھیں، حضرت جنید بغدادیؒ کچھ دیر اس درویش کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اپنی ٹانگیں سمیٹ لی، اس فقیر نے بھی اپنی ٹانگیں پیچھے سمیٹنا چاہی لیکن وہ ان کو پھر نہ ہٹا سکا وہیں مفلوج ہوگئیں، اللہ تعالیٰ ہمیں مشائخ کی بے ادبی سے محفوظ فرمائیں۔

(۲) کسی شیخ کا ایک مرید تھا ایک مرتبہ اس پر انقباض کی کیفیت طاری ہوئی اوراس کی ذوق وشوق والی تمام کیفیات ختم ہوگئیں، کافی عرصہ وہ پریشان رہا کہ اس پر ایک عجیب وحشت کی حالت طاری تھی، وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اوران کو اپنی حالت بتائی، شیخ نے فرمایا تم اپنے اعمال پر غور کرو کوئی ایسی حرکت تو نہیں ہوئی جس پر یہ عتاب ہوا ہو، اس نے کافی غور کیا اور پھر شیخ سے عرض کیا کہ کوئی ایسی بات میرے علم میں تو نہیں آرہی، شیخ نے پھر فرمایا نہیں تم دوبارہ غور کرو کوئی نہ کوئی عمل تم سے ایسا ہوا ہے جس کا یہ وبال ہے کافی دیر سوچ کر اس کے دل میں آیا کہ اور تو کوئی ایسا عمل نہیں ہوا سوائے اس کے کہ ایک مرتبہ شیخ کا عصا کہیں پڑا ہوا تھا اور وہ اس کے اوپر سے گزر گیا تھا، بس جب اس نے اس بات پر اللہ تعالی سے گڑگڑا کر توبہ کی اور پھر شیخ سے توجہات لیں، تو اس کی وہ حالت ختم ہوگئی اور انشراح قلب حاصل ہوگیا...... لہٰذا جب کبھی قلب میں قبض کی کیفیت محسوس ہو، بلکہ قساوت پیدا ہونے لگے، دل اچاٹ رہنے لگے، فکر آخرت اور اعمال ختم ہونے لگے، تو جہاں تک ممکن ہو صحبت شیخ کی کوشش کیجئے عقیدت کے ساتھ، تاکہ دل کی دنیا بدل جائے۔

حضرت جانِ جاناںؒ کی نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں، ان کی طبیعت بہت ہی نفیس تھی کسی قسم کی کوئی کجی برداشت ہی نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ بادشاہ وقت ان کی زیارت کو آیا، کچھ دیر کے بعد اسے پیاس لگی تو قریب ہی ایک گھڑے سے پانی پیالے میں ڈال کر پیا، پینے کے بعد گھڑے کے اوپر پیالہ رکھ دیا لیکن تھوڑا سا ٹیڑھا رکھ دیا، کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے رخصت کی اجازت چاہی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو میں خدمت کے لئے کسی خادم کو آپکے پاس بھیج

دوں، اس پر آپ نے کہا: کہ تم بادشاہ ہو اور تمہارا یہ حال ہے کہ گھڑے پر پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے ابھی تک میرے سر میں درد ہو رہا ہے، تمہارا خادم پتہ نہیں میرا کیا حال کر جائیگا۔

(ارواحِ ثلاثہ ۳۰)

حضرت کی اس قدر نازک مزاجی کے باوجود اہلِ طلب عقیدت ومحبت میں ڈوبے رہتے تھے، ہر لمحہ ان کے مزاج کا خیال رکھتے، تو ایسے ہی لوگ فیضیاب ہوئے۔

جتنی عقیدت اتنا ہی فیض

ایک بزرگ سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ تھے، وقت کے بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے سوچا کہ ان کے مریدین زیادہ ہوتے چلے جا رہے ہیں، کہیں میرے لیے یہ خطرہ ہی ثابت نہ ہوں، چنانچہ اس نے حضرت کو اپنے پاس بلوایا۔

بادشاہ نے کہا: جی! مجھے آپ کے متعلقین کی کثرت کی وجہ سے ڈر سا محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں آپ میرے لیے خطرہ ثابت نہ ہوں۔

انہوں نے فرمایا: جناب! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، یہ بھیڑ جمع ہے، مریدین تھوڑے ہیں۔

بادشاہ کہنے لگا: نہیں، میں نے تو سنا ہے کہ آپ کے چاہنے والے لاکھوں ہیں۔

انہوں نے فرمایا: نہیں، آپ کو رپورٹ غلط ملی ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

بادشاہ نے کہا: نہیں، ہم تو دیکھتے ہیں کہ روزانہ سینکڑوں آدمی آپ کے پاس آتے جاتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا: جناب! ایسا نہیں ہے، میرے تو اس دنیا میں کل ڈیڑھ مرید ہیں۔

بادشاہ نے حیران ہو کر کہا: یہ لاکھوں کا مجمع......اور آپ کہتے ہیں کہ ڈیڑھ مرید!!!

انہوں نے کہا: جی ہاں!

بادشاہ نے کہا: میں نہیں مانتا۔

انہوں نے کہا: میں آپ کو طریقہ بتا دیتا ہوں چیک کرنے کا۔

بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے۔

چنانچہ انہوں نے بادشاہ کو ایک ترکیب بتائی، پھر بادشاہ نے ترکیب کے مطابق اعلان کروادیا کہ ان سے جتنے تعلق رکھنے والے ہیں وہ سارے کے سارے فلاں جگہ جمع ہو جائیں، وہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔

وہاں پر بادشاہ نے یہ اعلان کیا کہ اس شیخ سے ایک ایسی غلطی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے آج اس کو قتل کرنا ضروری ہو گیا ہے، ہاں! اس کے بدلے میں اگر کوئی اپنی جان پیش کرسکتا ہے تو پھر ہم ان کو معافی دینے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں......اب کون ہاتھ کھڑا کرے......وہیں سے لوگوں نے واپس جانا شروع کر دیا، بس تھوڑے سے رہ گئے، بادشاہ نے پھر کہا: ہے کوئی؟ جو اپنے آپ کو ان کی جگہ پر پیش کرے؟

یہ سن کر ایک مرد آگے بڑھا اور اس نے کہا: جی ہاں! آپ بے شک مجھے قتل کر دیں اور میرے شیخ کو چھوڑ دیں۔

بادشاہ نے ایک خیمہ لگایا ہوا تھا اور اس خیمے کے اندر ایک بکری بھی پہنچائی ہوئی تھی، پھر وہ مرید جس نے کہا: آپ مجھے میرے شیخ کی جگہ پر قتل کر دیں اس کو اس خیمے میں پہنچا دیا گیا اور اس بندے کی بجائے اس بکری کو وہاں پر ذبح کر دیا گیا، جب بکری کا خون خیمے سے باہر نکلا تو سب لوگوں نے سمجھا کہ بندے کو تو قتل کر دیا گیا ہے، اب سب لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔

بادشاہ نے پھر اعلان کیا کہ ایک اور بندے کی ضرورت ہے، اب کوئی اور ہے جو اپنے آپ کو اپنے شیخ کی جگہ پر پیش کرے......اب تو وہ خون بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، اس لیے کون اپنے آپ کو پیش کرتا...... چنانچہ سب خاموش ہو گئے، جب

بار بار پوچھا گیا تو ایک عورت نے کہا: جی ہاں! میں بھی اپنے شیخ کے بدلے میں اپنی جان پیش کرتی ہوں، مجھے قتل کردو اور میرے شیخ کو چھوڑ دو، اس کے بعد کسی نے ہاتھ کھڑا نہ کیا۔

چنانچہ اب شیخ نے بادشاہ سے کہا: دیکھا! میں نہیں کہتا تھا کہ آپ کو لاکھوں کا مجمع نظر آتا ہے لیکن میرے مریدین ان میں سے ڈیڑھ ہی ہیں۔

بادشاہ نے کہا: ہاں: ٹھیک ہے، مرد کی گواہی پوری اور عورت کی گواہی آدھی ہوتی ہے، اس لیے آپ نے ٹھیک ہی کہا کہ مرد ایک مرید ہے اور عورت آدھی مرید، یوں ڈیڑھ مرید بن گئے۔

شیخ نے کہا: نہیں نہیں!...... بات الٹی ہے...... مرد آدھا مرید تھا اور عورت پوری مرید تھی، جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اپنی جان دینے کے لیے تیار ہوگئی۔

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ لوگ شیخ کے ساتھ ارادت کا اظہار تو کرتے ہیں، لیکن آج ہر ایک کو ارادت میں پختگی حاصل نہیں ہوتی، پھر اس کی وجہ سے مقصود حاصل نہیں ہوتا ...... اگر فیض کامل چاہتے ہیں، انوارات کو جذب کرنا چاہتے ہیں اور ظاہر و باطن کو منور کرنا چاہتے ہیں، تو کامل عقیدت ومحبت کے ساتھ صحبت میں رہنا پڑیگا۔

صحابۂ کرام کو کس درجہ اعتماد تھا؟

ایک مرتبہ ایک عورت مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اسکو ایک رقعہ دے دیا کہ یہ جا کر وہاں کافروں کو دے دینا، اس نے وہ رقعہ اپنے پوشیدہ اعضاء میں کہیں چھپا لیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا جن میں علیؓ بھی تھے، اس طرح ایک عورت جا رہی ہے، اسکے پاس ایک رقعہ ہے، اس میں مسلمانوں کے حالات لکھے ہوئے ہیں جو کافروں کو پہنچ جائیں گے لہذا وہ رقعہ چھین کر لے آئیں، صحابہ کرامؓ نے

جا کراس عورت کو پکڑ لیا اور کہا کہ سامان دکھاؤ، اس نے پورا سامان دکھا دیا، رقعہ نہیں ملا، اس نے کہا جی میرے پاس کوئی رقعہ نہیں، صحابہ بڑے حیران، علیؓ نے اس عورت سے کہا کہ سنو! آرام سے وہ رقعہ حوالے کردو اور اگر نہیں کروگی، تو ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلط نہیں ہوسکتا، ہم تیرے جسم سے کپڑے اتار کر بھی اس کاغذ کو ڈھونڈ ھ نکالیں گے، جب انہوں نے یہ بات کہی تو عورت ڈر گئی اور اس نے اپنے کپڑوں کے اندر سے پوشیدہ اعضاء سے نکال کر وہ رقعہ ان کو دے دیا، یہ اعتماد ہوتا ہے اور یہ صحابہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

(بخاری ۳۰۰۷-مسلم ۴۵۵۰)

آداب رسول

دربارِ الٰہی کا ادب

حضرت سلطان محمود غزنویؒ ولیٔ کامل اور بادشاہِ وقت ہے، ان کا نہایت محبوب وزیر ایاز ایک مرتبہ دربار میں حاضر تھا، اچانک اسے وہم گزرا کہ گریبان کا بٹن جلدی کی وجہ سے کھلا رہ گیا ہے، چونکہ یہ بات دربارِ شاہی کے آداب کے خلاف تھی، لہٰذا فوراً اس کا ہاتھ بٹن درست کرنے کے لئے اٹھ گیا، عین اسی وقت سلطان محمود غزنویؒ کی نظر ایاز پر پڑی تو فرمایا، ایاز! دربارِ شاہی میں یہ حرکت؟ ایاز ساکت وصامت، باادب نفس گم کردہ کھڑا رہ گیا۔

یہ تو ایک مخلوق بادشاہ کے دربار کے آداب کا حال ہے، پھر اس احکم الحاکمین کے دربارِ عالی کے آداب کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ادب سے حاضر ہوتے جسکی تصویر کشی ربِ کائنات نے **مازاغ البصر وما طغیٰ** کے الفاظ سے کی، باقی اعضاء کی حرکت کا تو مذکور ہی کیا، دیدارِ محبوب میں آنکھ کی ٹکٹکی میں بھی فرق نہ آیا، قلب کی توجہ بھی وہیں مرکوز رہی، نہ بہکے نہ بھٹکے۔ سبحان اللہ

شمع رسالت کے درخشاں آداب

(۱) مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکڑی کا ایک منبر بنایا گیا، جس کے تین درجہ تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دینے کے لئے سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے تو درمیانی درجہ پر پاؤں مبارک رکھتے، جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کیلئے درمیانی درجہ پر بیٹھتے جبکہ پاؤں مبارک نچلے درجہ پر رکھتے، جب عمر فاروقؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کے لئے سب سے نچلے درجہ پر بیٹھتے، جبکہ پاؤں زمین پر رکھتے، جب حضرت عثمانِ غنیؓ کا دور آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کردیئے، جب خطبہ دینے کی ضرورت پیش آتی تو آپ منبر کے پہلے درجہ پر کھڑا ہوا کرتے تھے، خلفاء راشدین کا یہ عمل ادب کے معاملہ میں سند رکھتا ہے۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وصال مبارک سے پہلے جب مرض کا غلبہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ مسجد میں نمازوں کی امامت کروائیں، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں سترہ نمازیں پڑھانے کا شرف نصیب ہوا، وصال مبارک سے دو روز قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز ظہر کی امامت کروا رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدید علالت کے باوجود حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے کندھوں کا سہارا لے کر جماعت میں شمولیت کے لئے مسجد تشریف لائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب اندازہ ہوا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں تو دورانِ نماز مصلّے سے پیچھے ہٹے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ''پیچھے مت ہٹو'' پھر نبی علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برابر بیٹھ کر نماز ادا فرمانے لگے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے، اور دوسرے تمام صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء کرتے اور اس طرح یہ نماز مکمل ہوئی، نماز سے فراغت حاصل ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا آپ دورانِ نماز میں پیچھے کیوں ہٹے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا''**ما کان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم**'' (ابوقحافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نماز پڑھے) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عمل کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین''**لاتقدم بین یدی اللّٰہ ورسوله**'' کے فرمانِ الٰہی پر کس بے ساختگی سے عمل کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ۶۸۴-سنن ابوداؤد ۹۴۱-صحیح مسلم ۹۷۶-نصب الرایہ ۲/۷۶)

(۳) ایک مرتبہ حضرت نضلہ اسلمیؓ اور حضرت ابن الأدرعؓ تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے، کسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو تیر اندازی میں دیکھ کر خوش ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نضلہؓ سے فرمایا، اے بنی اسماعیل! تم تیر اندازی کرو، چونکہ تمہارا باپ تیر

انداز تھا، تم تیر پھنکتے جاؤ میں ابن ورع کے ساتھ ہوں، یہ الفاظ سنتے ہی حضرت نضلہ نے کمان رکھ دی اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ابن الأ درع کے ساتھ ہیں تو ادب کی بنا پر میں مقابلہ میں تیر نہیں پھینک سکتا۔

یعنی مقابلہ کا لفظ برابری کے زمرہ میں آتا ہے، مجھے کہاں زیب دیتا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کروں گو کہ وہ تیر پھینکنے ہی میں کیوں نہ ہوں۔

(فتح الباری ۹۲/۶ - عمدۃ القاری ۳۹/۲۱ - باب التحریض علی الرمی)

(۴) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دستر خوان پر حاضر ہوتے تو اس وقت تک طعام کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک نبی علیہ السلام شروع نہ فرماتے، چونکہ آقا کی موجودگی میں غلام کا کسی کام میں پہل کرنا، بے ادبی سمجھی جاتی ہے، اسی لئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھانا کھانے میں بھی پہل نہیں کیا کرتے تھے۔

(تحفۃ الذاکرین ۲۲۱ - الآداب الشرعیۃ ۳۰۷/۳ - الاذکار النوویۃ ۲۳۰ - الترغیب والترہیب ۹۱/۳)

(۵) حضرت ابومحذورہؓ کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا اس قدر لمبا گچھا تھا کہ جب آپ زمین پر بیٹھ کر اپنے بال کھولتے تو وہ بال زمین سے لگ جاتے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ ان بالوں کو کٹوا کیوں نہیں دیتے، آپؓ نے جواب دیا کہ میرے ان بالوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار سے پکڑا تھا، اس کے بعد سے میں نے انہیں کٹوانا چھوڑ دیا۔

عشق وادب کی انتہاء دیکھئے، اگر عام آدمی ظاہری نظر سے دیکھے تو اسے یہ بات معمولی نظر آئیگی، مگر آداب واکرام کے حدود میں بڑی وسعت ہے، ہر انسان کو اس کے نصیب کے بقدر حصہ ملتا ہے۔

(الاستیعاب ۳۸/۱ - سیر اعلام النبلاء ۱۱۴/۵)

(٦) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا، اس مکان کی دو منزلیں تھیں، حضرت ابوایوب انصاریؓ مع اہل وعیال اوپر والی منزل میں ٹھہرے، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نچلی منزل میں قیام پزیر ہوئے، حضرت ابوایوب انصاریؓ رات کو محوِ خواب تھے، اچانک آنکھ کھلی، معاً دل میں یہ خیال آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے ہیں اور میں اوپر ہوں، یہ تو صریحاً بے ادبی ہے، چنانچہ بستر سے اٹھ کر کمرے کی دیوار سے چپک کر کھڑے رہے، حتی کہ صبح ہوگئی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بصد اصرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر والی منزل میں ٹھہرایا، آپ خود مع اہل وعیال نیچے آگئے۔

(الاستیعاب ۱/۱۲۶-الاصابہ ۲/۲۳۴-سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۵۷)

(۷) ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کو غسل جنابت کی ضرورت پیش آئی، اسی حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے، حضرت ابو ہریرہؓ جلدی سے کہیں چھپ گئے، پھر غسل کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کہاں چلے گئے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حدث لاحق تھا، اس ناپاکی کی حالت میں میرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا، خلاف ادب محسوس ہوا، اب میں پاک وصاف ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

(ترمذی شریف باب مصافحۃ الجنب حدیث نمبر ۱۲۱)

(۸) نسائی شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ فرمانا چاہا، تو انہوں نے غسل کی حاجت لاحق ہونے کا عذر پیش کیا۔

(باب مجالسۃ الجنب ومماستہ حدیث نمبر ۲۶۵-صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۱۲۵۸)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ناپاکی کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے اپنا ہاتھ ملانا خلافِ ادب سمجھتے تھے۔

صحابۂ کرامؓ کو جب بھی محفلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھنے کی سعادت ملتی تو وہ اپنی نگاہوں کو ادب کی بناء پر نیچی رکھتے تھے۔

(۹) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابِ مہاجرین وانصار میں تشریف فرما ہوتے تو ان میں سوائے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہیں اٹھاتا، ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بہت خاص تھا، نبی علیہ السلام ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھ کر تبسم فرماتے، گویا عشق ومحبت کے قلبی جذبات مسکراہٹوں کی شکل میں نمودار ہوتے۔

(مسند البزار ۱/۶۸۹۴-سنن الترمذی ۳۶۶۸-مسند احمد ۱۲۵۳۸)

(۱۰) شمائلِ ترمذی کی ایک روایت میں حضرت علیؓ محفل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کلام شروع فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے تب حاضرین میں سے کوئی ایک کلام کرتا اور دورانِ گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث ومباحثہ نہ کرتے۔

(باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ۳۵۱)

دنیا کے بڑے بڑے امراء کی مجالس میں ان آداب کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان آداب کا تعلق قلبی محبت وعقیدت سے ہے، اہلِ دنیا کو یہ نعمت کہاں نصیب؟

(۱۱) سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم حضرت ابوقحافہؓ بھی مشرف باسلام

نہیں ہوئے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیئے، حضرت ابوبکرؓ ان ناشائستہ الفاظ کو سن کر بہت خفا ہوئے، حتی کہ اپنے والد کے چہرہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت احوال واقعی معلوم کرنے کی غرض سے ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی، ورنہ ایسے نازیبا کلمات کہنے پر ان کی گردن اڑا دیتا، اس پر جبرئیل علیہ السلام قرآن پاک کی یہ آیت لیکر نازل ہوئے:

”لَا تَجِدُ قَوماً يُّؤمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَوْ كَانُوْا آبَائَهُمْ اَوْاَبْنَائَهُمْ اَوْاِخْوَانَهُمْ اَوْعَشِيْرَتَهُمْ، اُوْلٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ، وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اُوْلٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“.

(پ:۲۸، المجادلۃ، آیت ۲۱)

(اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے نہ پائیگا، گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا کنبے قبیلہ کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، ان ہی لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا اور ان کی تائید اپنی روح سے کی ہے، انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ [illegible] ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، وہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بے شک اللہ کے لشکر والے لوگ ہی کامیاب ہیں)

(تفسیر القرطبی ۱۷/۳۰۷-التفسیر المنیر ۲۸/ ۵۸)

(۱۲)ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کا شانۂ نبوت میں داخل ہوئے تو اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند آواز سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہ نبوت میں اپنی بیٹی کی یہ بے ادبی دیکھ کر سخت غصہ آیا، چنانچہ آپؓ نے ایک طمانچہ لگانے کا ارادہ فرمایا کہ وہ نبی علیہ السلام کی اوٹ میں جا چھپیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/۱۷۱-عشرۃ النساء للنسائی ۱/۲۹-سنن ابی داؤد ۴۳۴۷)

(۱۳)ایک مرتبہ منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان باندھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر جلوہ افروز ہوئے اور سیدہ عائشہؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری براءت کا اعلان فرما دیں گے اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرا ور توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اسکے سارے گناہ دھل جاتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اپنے والد محترم سے عرض کیا کہ میری طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دے دیجئے، گو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا یقین تھا، مگر ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے زبان نہ کھل سکی، صرف اتنا کہا ''میں نہیں جانتا کیا کہوں''

(عیون الأثر ۲/۸۸-تاریخ الاسلام للذہبی ۲/۲۷۶-سیر اعلام النبلاء ۲/۱۵۸)

(۱۴)حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے گفتگو فرماتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو ہم بھی (از راہِ ادب) کھڑے ہو جاتے۔

(جمع الوسائل ۲/۲۳۶-سبل الہدیٰ ۷/۲۵-البدایہ والنہایہ ۶/۴۴)

(۱۵)حضرت صفوان بن عسالؓ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی نو ظاہری نشانیوں کے متعلق دریافت کیا، جب نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے نشانیاں بیان فرمادیں، تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو ادب ومحبت سے بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ترمذی ۳۴۳۷ ومن سورہ بنی اسرئیل - مسند احمد ۱۸۱۱۷ حدیث صفوان

(۱۶) حضرت زارعؓ (وفد عبدالقیس کے ایک فرد ہیں) روایت کرتے ہیں کہ وفدِ عبدقیس کے لوگ جب مدینہ آئے تو جلدی جلدی اپنے کجاوؤں سے نکل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو (وفور محبت وادب سے) چومنے لگے۔

(سنن ابوداؤد ۵۲۲۵ - بیہقی شعب الایمان ۸۵۶۰)

(۱۷) حضرت ابن عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے اور منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی تھی، اسے ہاتھ سے مس کیا اور تبرکاً اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیرلیا۔

(الثقات لابن حبان ۴/ ۹ - الطبقات الکبریٰ ۱/ ۲۵۴ - الآداب الشرعیۃ ۳/ ۲۲۴ - امتاع الأسماع ۱۴/ ۶۱۸ - الشفا ۲/ ۸۶ - الانساب للسمعانی ۴/ ۴۲۶)

(۱۸) سیدہ عائشہ صدیقہؓ اگر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قریبی مکان میں میخ ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ پہونچاؤ۔

(اتحاف الزائر ۱۱۵ - امتاع الأسماع ۱۴/ ۶۲۴ - خلاصۃ الوفا ۱/ ۱۶۶)

(۱۹) حضرت علیؓ کو اپنے گھر کے لئے لکڑی کا دروازہ بنوانا تھا، آپؓ نے کاریگر سے یہ شرط طے کی کہ وہ دور کسی جگہ دروازہ تیار کریگا، تاکہ تیاری کے دوران اوزار وغیرہ کی آواز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ پہنچے، جب دروازہ تیار ہو جائیگا تو اپنی جگہ پر نصب کر دیا جائیگا۔

(۲۰) حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے میری طرف کنکری پھینکی، جب سر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ

حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہیں، آپ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جاؤ، ان دونوں کو بلا لاؤ، جب وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون ہو؟ یا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ طائف سے، آپؓ نے فرمایا اگر تم لوگ شہر (مدینہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں درے لگاتا، کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟

(کنز العمال ۲۳۰۸۴-السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۴۳/۴-موسوعۃ التخریج ۲۱۸۷۸)

(۲۱) حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ عشاء کے وقت مسجد نبویؐ میں موجود تھے، اچانک کسی شخص کی بلند اواز سنائی دی، آپؓ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں قبیلۂ بنو ثقیف سے ہوں، یہ سن کر آپؓ نے فرمایا، کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں طائف کا رہنے والا ہوں؟ آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، یاد رکھو، اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔

(اتحاف الزائر ۱۱۳-خلاصۃ الوفا ۱۲۶/۱-العمدۃ من الفوائد ۸۸)

کاشانۂ نبوت میں امام مالکؒ کا ادب

(۱) ابن حمید سے روایت ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں کسی بات پر مباحثہ کیا، اس وقت خلیفہ کے ہمراہ پانچ سو شمشیر بند بھی موجود تھے، دورانِ گفتگو جب خلیفہ کی آواز قدرے بلند ہوئی تو امام مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حیاتِ مبارکہ میں تھا) یہ سنتے ہی ابو جعفر کی آواز پست ہوگئی۔

(الترتیب المدارک ۶۷-الشفا عیاض ۴۱/۲-سبل الہدیٰ ۳۹۱/۱۱-خلاصۃ الوفا ۵۱/۱)

(۲) حضرت امام مالکؒ نے اپنی زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی، جب قضائے

حاجت کی ضرورت پیش آتی تو آپ شہر سے باہر حدود حرم تک جاتے اور اس طرح بیٹھ کر فراغت حاصل کرتے کہ جسم تو حدود حرم میں رہتا تاہم فضلہ حدود سے باہر گرتا، کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مدینہ منورہ سے باہر میری موت واقع نہ ہو جائے، ایک طرف تو دیار حبیب سے اتنا لگاؤ اور دوسری طرف ادب کی یہ انتہا کہ اپنے جسم کی نجاست مدینہ منورہ کی مٹی میں شامل کرنا گوارہ نہیں، محبت و ادب کا یہ امتزاج بہت کم دیکھا گیا ہے۔

☜ (۳) امام مالکؒ کی یہ عادت تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے راستہ کے درمیان چلنے کی بجائے دیواروں کے قریب چلتے، پوچھنے پر فرمایا ممکن ہے کہ ان راستوں پر نبی علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان موجود ہوں، اگر میرے قدم ان نشانوں پر آ گئے تو سخت بے ادبی ہو گی۔

☜ (۴) امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے پوچھا کہ آپ کے پاس سواری کے لئے بہترین گھوڑے موجود ہیں، مگر آپ مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا، مجھے زیب نہیں دیتا کہ جس مقدس جگہ پر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم لگے ہوں، میں اس جگہ کو گھوڑے کے سموں سے پامال کروں۔

(سبل الہدیٰ ۱۱/ ۴۵۱ - احیاء العلوم ۱/ ۲۸ - الشفا ۲/ ۴۷ - ترتیب المدارک ۱-۵۵)

☜ (۵) شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب میں لکھا ہے "امام مالکؒ ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔

☜ (۶) ایک مرتبہ کسی شخص نے دورانِ گفتگو کہا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے، امام مالکؒ نے یہ سن کر فتویٰ دیا کہ اسے تیس درّے مارے جائیں اور کچھ عرصہ کے لئے قید کر دیا جائے، کسی نے پوچھا کہ اتنی سختی کیوں، فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن ماردی جائے، جس زمین میں اللہ تعالیٰ کے محبوب آرام فرما ہیں، وہ اس کے متعلق گمان کرتا ہے کہ اس کی مٹی خراب ہے۔

خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفی ۳۰ - الشفا ۲/ ۴۷

ایک شاعر نے کتنے خوبصورت الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

(آسمان کے نیچے عرشِ الٰہی سے بھی زیادہ نازک یہ ادب گاہ (روضۂ اقدس) ہے، جنید وبایزید جیسی ہستیاں بھی یہاں سانس روک کر حاضری دیتی ہے)

گویا اس بارگاہِ اقدس میں زور سے سانس لینا بھی بے ادبی ہے، حضرت نثار فتحی نے کیسا خوبصورت شعر کہا ہے

یہ شورِ تنفس بھی ہمیں بار ہوا ہے

(۷) امام مالکؒ روضۂ اقدس اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ادب کیا کرتے تھے، حتی کہ ذکر رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

لَوْ رَأَيْتُمْ مَا رَأَيْتُ لَمَا اَنْكَرْتُمْ عَلَىٰ مَا تَرَوْنَ

(اگر تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں، تو پھر میرے عمل پر اعتراض نہ کرتے)

اسی ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں کثرت سے دیدار ہوتا تھا، حضرت ابو سعد حلیہ میں مثنی بن سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے ارشاد فرمایا میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو۔

(ترتیب المدارک ا/۵۵-الشفا۲/۴۲-سبل الہدی ۳۹۵-مجموعۃ الفتاویٰ ابن تیمیہ ا/۲۲۶)

ابوالفضل کا ادب

حضرت ابوالفضل جوہری اندلسیؒ نے مدینہ طیبہ کے لمبے سفر کا قصد کیا، جب شہر کے مکانات نظر آنے لگے تو سواری سے اتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے:

لما رأينا رسم من لم يدع لنا
فؤادا لعرفان الرسوم ولا لبا
نزلنا عن الاكوار نمشى كرامة
لمن بان عنه ان نلم به ركبا

الشفا ۲/ ۴۷

(جب ہم نے اس ذاتِ شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار کے پہچان کے لئے ہمارے پاس نہ دل چھوڑا نہ عقل چھوڑی، پس ہم سواری سے اتر پڑے اور ذاتِ اقدس کی تعظیم کے لئے پیدل چلنے لگے، جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے)

علماء دیوبند کا بے پناہ ادب

علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ قبر مبارک میں جو مٹی لگ رہی ہے وہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نہایت خوبصورت اور نازک اندام تھے، جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو جوتے نہیں پہنتے تھے، سنگلاخ زمین پر پیادہ چلنے سے پاؤں کے تلوے زخمی ہوگئے، کسی نے پوچھا کہ حضرت جوتے کیوں نہیں پہن لیتے، فرمایا: جس دیار میں

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے نشانات ہوں میں انہیں جوتوں سے کیسے پامال کروں، یہ تو سراسر بے ادبی اور گستاخی ہے۔

یہ خاکِ مقدس ہے گلابوں کی جبیں سے
آہستہ قدم رکھنا مدینہ ہے مدینہ

سوانح قاسمی ۳/۶۱ - علامات محبت ۱۸۵ بحوالہ خطبات دین پوری

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
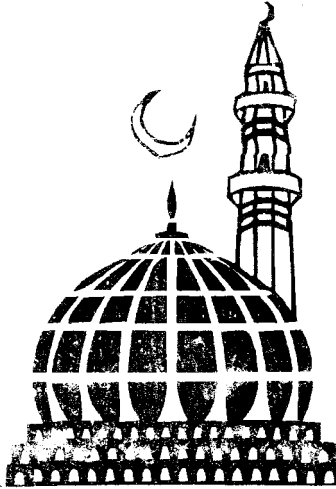
سادات کا ادب

صحابہؓ کی نگاہ میں سادات کا ادب واحترام

(۱) حضرت یزید بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرہؓ اور عمر بن مسلمؒ حضرت زید بن ارقمؓ کے پاس گئے، جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصینؓ نے ان سے کہا کہ اے زیدؓ آپ نے بہت کچھ بھلائیاں دیکھی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے آپ مشرف ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آپ نے سنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، بے شک اے زید آپ نے خیر کثیر جمع کر لی ہم سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، حضرت زیدؓ نے فرمایا اے برادر زادہ! میری عمر زیادہ ہوگئی، عرصہ دراز گزر گیا، میں بعض وہ باتیں بھول گیا ہوں جن کو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا تھا، پس جو کچھ میں تم سے بیان کروں اسکو مان لو اور جو کچھ بیان نہ کروں تو اسکی مجھے تکلیف نہ دینا، اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے اس پانی کے کنارے کھڑے ہوئے جس کو ''خم'' کہا جاتا ہے اور جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور وعظ ونصیحت فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اما بعد! اے لوگو! میں بشر ہوں اور قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد بلانے کے لئے آئے اور اسکا کہا مان لوں، میں تم لوگوں میں دو بھاری بھرکم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے، جس میں ہدایت ہے، نور ہے، تم اللہ کی کتاب لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ (کے عمل) پر

آمادہ کیا اور اسکے بارے میں رغبت دلائی، اس کے بعد فرمایا (دوسری چیز) میرا گھرانہ ہے، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدایاد دلاتا ہوں۔

یہ سن کر حضرت حصینؓ نے پوچھا اے زیدؓ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت نہیں ہیں، حضرت زیدؓ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تو اہل بیت ہی میں سے ہیں تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ لوگ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن پر صدقہ کا مال حرام کردیا گیا، حصینؓ نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا حضرت علیؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عباسؓ اور ان کی اولادیں ہیں، حضرت حصینؓ نے پوچھا ان سب پر صدقہ کا مال لینا حرام کردیا گیا، حضرت زیدؓ نے کہا ہاں۔

(مسلم شریف ۴۴۲۵، منتخب الکنز ج:۵-ص:۹۵-المعجم الکبیر طبرانی ۴۸۸۸-مسند احمد ۱۹۲۸۵)

(۲) حضرت ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں تشریف فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے، سامنے سے حضرت عباسؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے، ان کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے جگہ دی، وہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سامنے ہی بیٹھ گئے، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل فضل کی فضیلت اہل فضل ہی جانتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے باتیں کرنے لگے اس دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آواز انتہائی پست کی، تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوگئی ہے، جس کی میرے دل میں بڑی کھٹک ہے، حضرت عباسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برابر بیٹھے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ضرورت رفع کردی، وہ چلے گئے، تب حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی کوئی تکلیف ہوگئی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز انتہائی پست ہوگئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ نے مجھے حکم دیا کہ جب حضرت عباسؓ آئیں تو میں اپنی آواز کو انتہائی پست کرلوں جیسا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی آوازوں کو میرے پاس پست کرلو۔

(کنز العمال ۳۷۳۲۲، ج:۱۳/۵۱۴- جامع الاحادیث ۴۳۲۸۶- حیاۃ الصحابہ ۳/۳۰۰- مختصر تاریخ دمشق ۴/۱۰۸- ابن عساکر، کذا فی الکنز ج:۷-ص:۶۸)

(۳) ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنے اپنے دور خلافت میں جب کبھی حضرت عباسؓ سے ملتے اور یہ سوار ہوتے تو اپنی سواری سے حضرت عباسؓ کے لئے اتر جاتے اور اس سواری کی لگام پکڑ کر حضرت عباسؓ کے ساتھ پیدل چلتے، یہاں تک کہ حضرت عباسؓ اپنے مکان یا اپنی مجلس پر پہنچ جاتے تو یہ جدا ہوتے تھے۔

(ابن عساکر- کذا فی الکنز ج:۷-ص:۶۹)

(۴) حضرت قاسم بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ان واقعات میں سے جن پر لوگ راضی ہوگئے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کسی جھگڑے میں سزا دلوائی، جس نے اس قضیہ میں حضرت عباس بن مطلبؓ کی توہین کی تھی، جب حضرت عثمانؓ سے اس سزا کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی تعظیم کی اور میں ان کے چچا کی توہین کئے جانے پر رخصت دے دوں، جو آدمی اس کام پر راضی ہو بے شک اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، چنانچہ لوگ حضرت عثمانؓ کی اس بات سے راضی ہوگئے۔

(خرج سیف وابن عساکر، کذا فی الکنز ج:۵-ص:۲۱۳)

(۵) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب چاروں طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھے تھے کہ اتنے میں سامنے سے حضرت علیؓ آئے اور کھڑے ہوکر مجلس میں بیٹھنے کی جگہ دیکھنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا کہ ان میں سے کون ان کیلئے جگہ میں

گنجائش کر دیتا ہے، حضرت ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنی جگہ سے کھسکے اور فرمایا اے ابوالحسن! یہاں آجائیں، چنانچہ حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان بیٹھ گئے، تو ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک انتہائی خوش ہوا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابوبکر ''اہل فضل ہی سے فضیلت ظاہر ہوتی ہے''۔

(کذا فی البدایہ ج:۷-ص:۳۵۸-الریاض النضرۃ ۱/ ۸۷-
مسند الشہاب القضاعی ۴/ ۲۶۹-نزہۃ المجالس ۱/ ۳۵۴)

(۶) حضرت عقبہ بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ نماز عصر پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند راتوں بعد نکلا، حضرت علیؓ ان کے پہلو کے برابر چل رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا گزر حضرت حسن بن علیؓ پر ہوا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے از راہ محبت وشفقت ان کو اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور فرمانے لگے۔

''بابی شبیه بالنبی صلی الله علیه وسلم لیس شبیها علیؓ''

(میرے باپ کی قسم، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے اور حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں ہے)

(البدایہ ۸/ ۱۸۹-بخاری ۳۲۷۸، ۳۴۶۷-مسند احمد ۲۶۴۲۲-
تاریخ دمشق ۱۳/ ۱۷۴)

حضرت علیؓ یہ سن کر ہنس پڑے۔

(بخاری واحمد وابن سعد وعساکر)

(۷) حضرت عمیر بن اسحاقؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو دیکھا کہ وہ حضرت حسنؓ سے ملے اور کہا کہ اپنے پیٹ سے کرتا ہٹاؤ، جس جگہ کا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے، انہوں نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا، حضرت ابوہریرہؓ نے

اس جگہ کا بوسہ لیا، ایک روایت میں ہے کہ ان کی ناف کا بوسہ لیا۔

(قال الہیثمی ج:۹-ص:۱۷۷، اخرجہ احمد)

(۸) شفاء مصنفہ قاضی عیاضؒ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت حسنؓ کو محبت واحترام سے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے۔

۲/۴۹

(۹) ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے والد ابوقحافہؓ کے ایمان لانے پر اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ حضرت عباسؓ کے ایمان لانے پر ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا کہ ابوقحافہ کے ایمان لانے سے مجھے خوشی ہوئی اور حضرت عباسؓ کے ایمان لانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی اور مجھے اپنی خوشی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی مقدم ہے۔

تاریخ دمشق ۶۶/۳۲۷-سبل الہدی ۱۱/۴۳۱

(۱۰) بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ارقبوا محمداً فی اھل بیتہ (اے مسلمانو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ واحترام ملحوظ رکھو) نیز فرمایا ”مجھے اپنی قرابت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت زیادہ عزیز ہے“۔

(بخاری ۳۴۳۶، ۳۴۶۸-مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۸۰۳)

(۱۱) ابن سعد میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے بھی زیادہ کرتے تھے، جب وظائف مقرر کرنا چاہا تو اکابر صحابہؓ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المؤمنین آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب وبعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے، چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم اور اس میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا، سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہؓ

کی تھیں، اگرچہ حسنین کریمینؓ ان میں سے نہ تھے، مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بھی بدری صحابہؓ کے برابر مقرر کیں۔

الطبقات الکبریٰ ابن سعد ۳/ ۲۹۸ - حیاۃ الصحابہ ۳/ ۵۸

(۱۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اسامہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ مقرر کی، حالانکہ لوگوں کی نظر میں وہ زیادہ ذی قدر تھے، ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہ نے حکمت دریافت کی تو فرمایا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی والدہ جیسی والدہ انکے باپ جیسا باپ اوران کے نانا جیسا نانا لاؤ اور پھر ہمسری کا دعویٰ کرو، حضرت اسامہؓ کے معاملے میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

(سنن الترمذی ۲/۱۸۳ - الشفا ۲/ ۵۱ - سبل الہدیٰ ۱۱/ ۴۴۶)

اکابر کی نظر میں سادات کا ادب واحترام

(۱) نور الابصار میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسنؓ کے پوتے حضرت عبداللہ محضؒ کسی کام سے خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ بھیجا کریں، مجھے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

(الشفا ۲/ ۴۹ - الصواعق المحرقۃ ۲/ ۵۲۳)

(۲) مدارج میں تحریر ہے کہ امام مالک بن انسؒ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم پر کوڑے لگائے گئے تو انہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا "لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا، مجھے شرم آتی ہے کہ روز محشر میری وجہ سے نبی علیہ السلام کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد بازپرس کے لئے روکا جائے۔

(ترتیب المدارک ۱/ ۷۵ - الصواعق المحرقۃ ۲/ ۵۲۳)

(۳) تاریخ الخلفاء اور سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ حضرت ابوحنیفہؒ کو خلیفہ منصور عباسی نے صرف اس وجہ سے قید میں ڈال کر زہر دلوایا تھا کہ انہوں نے سید محمد نفس زکیہ حسنیؒ کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا، پھر چار ہزار دینار بطور امداد روانہ فرما کر تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابل واپسی نہ ہوتیں تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود شہادت کی امید لے کر خود جہاد میں شریک ہوتا، اس وقت آپ کی عمر تقریباً اسی سال کی تھی، سید سلیمان ندویؒ نے حیات مالک میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے بھی اسی قسم کا فتویٰ دیا تھا، جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے اہل بیت کے واقعات بہت مشہور ہیں۔

تاریخ الخلفاء ۱/۲۲۹

(۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اہل بیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں ''صواعق محرقہ'' میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کسی سید زادے کو دیکھ لیتے تو فوراً تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کو آگے بڑھا دیتے۔

الصواعق المحرقۃ ۲/۵۲۴

(۵) حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ''فتوحات مکیہ'' میں آیت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات بنو فاطمہؓ ازواج مطہرات اور حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح اور لوگ بھی جو اہل بیت میں شمار کئے جاتے ہیں، سب آیت تطہیر کے بموجب حکم مغفرت میں داخل ہیں، وہ طاہر و مطہر ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی عنایت کا نتیجہ ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل پر ہے، کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ ان حضرات کی مذمت کرے، جس کی پاکیزگی کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے یہ فضل و کرم ان کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے نسب کی وجہ سے محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔

(۶) امام عبدالوہاب شعرانی ''لطائف المنن'' میں حضرت شیخ اکبرؒ کے فضائل اہل بیت سے متعلق دو اشعار نقل کرتے ہیں:

فلا تعدل باهل البيت خلقا
فاهل البيت هم اهل السيادة
فبغضهم من الانسان خسر
حقيقي وحبهم عبادة

(اہل بیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو مت سمجھ، اہل بیت ہی اہل سیادت ہیں، ان کا بغض انسان کیلئے حقیقی خسارہ ہے، اوران کی محبت بڑی عبادت ہے)

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور تعظیم وتکریم کو لازم سمجھتا ہوں، خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں، کیونکہ برے اعمال کی وجہ سے شرف نسب میں کمی نہیں آتی۔

(۷) حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بیوہ سیدہ کی شکایت پر انہوں نے مندرجہ ذیل رباعی سلطان علاؤالدین خلجی کو لکھ کر بھیجی تھی۔

سادات افضل اند و بود وصف شاں جلی
اولاد مرتضیٰ و جگر گوشہ نبی
برفعل شاں نظر مکن اے خرز جاہلی
الصالحون للہ والطالحون لی

(سادات افضل ہیں اور افضل تھے ان کی شان بہت واضح ہے یہ حضرت علیؓ اور جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فاطمہؓ) کی اولاد ہیں، اے بے خبر ان کے کاموں پر نظر (تنقید) نہ کر نیک اللہ کے لئے ہیں اور گنہگار میرے لئے ہیں)

ایک اہم بات ذہن نشیں کر لینا چاہیے، عوام الناس کو سادات کے ادب کا خوب خیال رکھنا چاہیے، ان سے محبت کو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ایک شاخ سمجھنا چاہیے ان کو ہدیہ یا تحائف دینا انکی دیگر ضروریات کا از خود خیال کرنا چاہیے، یہ تصویر کا ایک رخ ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ سادات کی نسبت رکھنے والے حضرات کو فسق و فجور سے دور رہنا چاہیے، ان کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کی ہوتی ہے، پس ان کا حکم شریعت کی خلاف ورزی کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایذاء کا سبب ہوگا، روزِ محشر اپنے جدامجد کو کیا منہ دیکھائیں گے، اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزِ محشر فرما دیا کہ عوام الناس نے تو میری سنتوں کو چھوڑا تھا، میرے طریقوں سے منہ موڑا ہی تھا، تم تو میرے اپنے تھے، تم نے میری باتوں کو کیوں ٹھکرا دیا، تو سوچئے کہ کتنی ندامت و شرمندگی ہوگی، دنیا میں چار آدمیوں نے تعظیم وادب کا مظاہرہ کر بھی دیا تو کیا فائدہ اگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عزت نہ ملی، آخرت کی ذلت و رسوائی سے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

والدین کی خدمت

والدہ کی اطاعت پر نور کی بارش

بنی اسرائیل کا ایک یتیم بچہ ہر کام اپنی والدہ سے پوچھ کر ان کی مرضی کے مطابق کیا کرتا تھا، اس نے ایک خوبصورت گائے پالی اور ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھا، ایک مرتبہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں اس بچہ کے سامنے آیا اور گائے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا، بچہ نے قیمت پوچھی تو فرشتے نے بہت تھوڑی قیمت بتائی، جب بچہ نے ماں کو اطلاع دی تو اس نے انکار کر دیا، فرشتہ ہر بار قیمت بڑھاتا رہا اور بچہ ہر بار اپنی ماں سے پوچھ کر جواب دیتا رہا، جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو بچہ نے محسوس کیا کہ میری والدہ گائے بیچنے پر راضی نہیں ہے، لہٰذا اس نے فرشتہ کو صاف انکار کر دیا کہ گائے کسی قیمت پر بھی نہیں بیچی جا سکتی، فرشتہ نے کہا کہ تم بڑے خوش بخت اور خوش نصیب ہو کہ ہر بات اپنی والدہ سے پوچھ کر کرتے ہو، عنقریب تمہارے پاس کچھ لوگ اس گائے کو خریدنے کے لئے آئیں گے، تو تم اس گائے کی خوب بھاری قیمت لگانا۔

دوسری طرف بنی اسرائیل میں ایک آدمی کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور انہیں جن گائے کی قربانی کا حکم ملا وہ اسی بچہ کی گائے تھی، چنانچہ بنی اسرائیل کے لوگ جب اس بچہ سے گائے خریدنے کے لئے آئے تو اس بچہ نے کہا کہ اس گائے کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا ادا کرنے کے برابر ہے، بنی اسرائیل کے لوگوں نے اتنی بھاری قیمت ادا کر کے گائے خرید لی۔

(تفسیر البغوی ۱/ ۱۰۶۔ تفسیر السراج المنیر ۱/ ۱۴۸)

تفسیرِ عزیزی اور تفسیرِ معالم القرآن فی دروس القرآن میں لکھا ہے کہ اس بچہ کو یہ دولت والدین کے ادب اور ان کی اطاعت کی وجہ سے ملی ہے، تفسیر طبری میں اسی طرح کا واقعہ منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت و ادب کا کچھ صلہ اس دنیا میں بھی دے دیا جاتا ہے۔

خدمت کے وسیلہ سے چٹان کھسک گیا

بنی اسرائیل کے تین آدمی اکٹھا سفر کر رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، تینوں نے بھاگ کر ایک قریبی پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی، اسی دوران ایک چٹان اوپر سے گری جس سے غار کا منہ بند ہوگیا، غار کے اندر اندھیرا ہوگیا، سانس گھٹنے لگی، حتی کہ تینوں کو موت سامنے کھڑی نظر آرہی تھی، انہوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ بارگاہِ الٰہی میں اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جائے، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے پروردگارِ عالم! تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے، میں سارا دن بکریاں چراتا تھا، شام کو گھر واپس آکر ان بکریوں کا دودھ اپنے والدین کو پلاتا تھا، ایک دن گھر واپس آنے میں تاخیر ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں، اے اللہ! میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیکر انتظار کرتا رہا کہ جب ان کی آنکھ کھلے گی تو پیش کرونگا، اسی حال میں میری ساری رات گزر گئی، رب کریم اگر میرا یہ عمل آپ کی نظر میں مقبول ہے، تو اس کی برکت سے چٹان کو دور فرما، چنانچہ چٹان اپنی جگہ سے سرک گئی اور غار کے منہ کا تیسرا حصہ کھل گیا، پھر دوسرے اور تیسرے نے دعا مانگی، حتی کہ چٹان ہٹ گئی اور ان لوگوں کی جان میں جان آئی۔

(بخاری شریف حدیث نمبر ۵۹۷۴)

والدین مسخ ہوگئے پھر بھی خدمت......

ایک بزرگ رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے، ایک دفعہ ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ کے کسی دوست سے ملاقات کرنی چاہیے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چرا رہا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ نوجوان اللہ کا دوست ہے، تم اس سے ملاقات کرلو، وہ بزرگ بیدار ہوئے، تو انہیں اس نوجوان سے ملاقات کی جستجو ہوئی، ایک دن انہوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان اپنی بکریوں کا ریوڑ لیکر راستہ

سے گزر رہا ہے، وہ بزرگ اس نوجوان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں چند دن آپ کے گھر مہمان بن کر رہنا چاہتا ہوں، نوجوان نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور اس بزرگ کو اپنے گھر لے آیا، رات کے وقت دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ اس بزرگ نے نوجوان سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ تمہارا کون سا عمل اللہ کو اتنا پسند آیا ہے کہ تمہیں پروردگار نے اپنے دوستوں میں شامل کرلیا ہے، یہ سن کر وہ نوجوان آب دیدہ ہو گیا، پھر اس نے قریب کا کمرہ کھول کر دیکھایا کہ اسمیں دو مسخ شدہ چہرے والے انسان بندھے ہوئے تھے، وہ بزرگ حیرت زدہ رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ نوجوان نے کہا یہ میرے غافل اور گنہگار والدین ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی گستاخی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے کو مسخ کردیا، میں سارا دن بکریوں کا ریوڑ چراتا ہوں اور جب واپس گھر آتا ہوں تو پہلے والدین کو کھانا کھلاتا ہوں، بعد میں خود کھاتا ہوں، گو انہوں نے اپنے جرم کی سزا دنیا ہی میں پالی، مگر میرا فرض بنتا ہے کہ ان کی خدمت کروں، آخر میرے تو والدین ہیں، وہ بزرگ حیران ہوئے اور انہوں نے نوجوان کو سینے سے لگا کر کہا کہ ہم نے ساری ساری رات عبادت کی اور سارا سارا دن روزہ رکھا مگر اس مقام تک نہ پہنچ سکے، جس مقام پر آپ کو والدین کے ادب اور ان کی خدمت کی وجہ سے پہونچنا نصیب ہوا۔

حضرت خرقانیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کے ایک بھائی نہایت عبادت گزار تھے اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے تھے، جب کہ آپ کا بیشتر وقت والدین کی خدمت واطاعت میں گزرتا تھا، ایک رات جب آپ کے بھائی ذکر وعبادت میں مشغول تھے تو ایک ندا سنی کہ کسی کہنے والے نے کہا ہم نے تمہارے بھائی کی مغفرت کی اور اس کی برکت سے تمہیں بھی بخش دیا، یہ بھائی بڑے حیران ہوئے کہ ذکر وعبادت میں تو میں ہر وقت مشغول رہتا ہوں، مگر مجھے ابوالحسن کے طفیل بخش دیا گیا، ندا آئی کہ ہمیں تیری عبادت کی حاجت نہیں، بندہ محتاج

ماں کی خدمت کرنے والے کی اطاعت ہمیں مطلوب ہے۔

تذکرۃ الاولیاء ۲۹۰

حبّ رسولؐ حضرت اسامہؓ کا ادب

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں کھجور کی قیمت بہت بڑھ گئی، یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار درہم یا دینار میں بکنے لگا، ایک دن اسامہ بن زیدؓ نے ایک درخت کاٹا، ایک درخت کا تنا کاٹ کر اس کا مغز نکالا، لوگوں نے حیران ہوکر پوچھا آپ اتنے قیمتی درخت کو کیوں ضائع کررہے ہیں، حضرت اسامہ نے جواب دیا کہ میری والدہ نے اس کی فرمائش کی ہے اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہے اس کی تعمیل کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

طبقات ابن سعد ۴/۷۰

حضرت بایزیدؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟

حضرت سلطان بایزید بسطامیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو بھی مراتب عطا کیئے وہ میری والدہ کی دعاؤں کے صدقہ عطا کیئے، کسی نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ والدہ نے پانی مانگا، جب میں لیکر گیا تو والدہ سوچکی تھیں، میں پیالہ ہاتھ میں لے کر ساری رات کھڑا رہا، سردی اتنی شدید تھی کہ جسم کپکپا رہا تھا، جب والدہ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے مجھے یوں کھڑے انتظار کرتے دیکھا تو خوش ہوکر بہت دعائیں دیں، ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ولایت کے دروازے کھول دیئے۔

تذکرۃ الاولیاء ۹۰

احترام والدہ پر صاحب کشف ہو گئے

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ صاحب کرامت بزرگ تھے، جب لڑکپن میں شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھنے آئے تو تھوڑے دن پڑھ کر جانے لگے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے پوچھا کہ بھائی اتنی جلدی کیوں؟ مولانا نے عرض کیا کہ والدہ کی اجازت اتنی ہے،...... والدہ کے ادب ہی نے مولانا کو صاحب کشف بزرگ بنا دیا۔

خدمت پر قطب بن گئے

ایک شخص نے جوانی غفلت کے کاموں میں ضائع کی، جب بڑھاپا آیا اور اعضاء نے جواب دینا شروع کر دیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے، ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مریدی ایک ایسا پیشہ ہے کہ جس میں بغیر محنت مشقت خوب مزے ہوتے ہیں، چنانچہ اب وہ پیر بن بیٹھا، اس مصنوعی پیر کے یہاں ایک سچا طالب آ پہنچا، اس نے بہت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے کے لئے آیا ہوں، وہ سالک چوں کہ غلطی سے بے وقت پہنچ گیا تھا اسلئے وہ مصنوعی پیر اس کے بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا، یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی زمین میں گوڈی کرو، کیاریاں بناؤں اور پانی دو، وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر اس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمت شروع کر دی باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے اس نے بہت منت خوشامد سے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ نہیں لینا نہیں، مجھے میرے پیر نے اس باغ کے صاف کرنے اور مرمت کرنے کو کہا ہے، اول اول تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے اس کو مارا پیٹا بھی، مگر یہ دیکھ کر کہ نہ یہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ، جو کچھ روکھی سوکھی ہوتی ہے وہ کھا لیتا ہے، تین مہینے اسی حال میں گزر گئے، اسی دوران ابدال میں سے کسی کا انتقال ہوا تو اولیاء وقت کی مجلس میں اس کے بدل کا

مشورہ ہوا، ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے قطب وقت نے سب کے نام سن کر کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو، سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں، حضرت نے فرمایا فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے، سچی طلب رکھتا ہے، بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے، سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا، پھر سب نے اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت انکشافات ہوئے اور پھاوڑا باغ والوں سے یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے، جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں اور میں جا رہا ہوں، ہر چند ان لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دے مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا، اور کہا سنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہو گیا۔

اکابر کا سلوک واحسان ص: ۴۷

اویس قرنیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت اویس قرنیؒ، یہ تابعین میں سے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، اور یہ اکیلے اپنی والدہ کی خدمت کرنے والے تھے، ایک موقع پر والدہ سے انہوں نے اجازت مانگی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کروں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی اجازت مل گئی مگر والدہ نے کہا بیٹا خدمت کرنے والا پیچھے کوئی دوسرا نہیں تم جلدی لوٹ آنا، مدینہ طیبہ آئے اللہ تعالی کی شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفر پر تشریف لے گئے تھے، یہ وہاں نہ ٹھہرے اور واپس آ گئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس طرح کا ایک بندہ آیا تھا ملاقات کرنا چاہتا تھا، زیارت کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ آپ نہیں تھے ان کو واپسی کی جلدی تھی وہ واپس چلا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو سن کر خوش ہوئے، چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک جبہ حضرت عمر اور حضرت علیؓ کے حوالے فرمایا اور کہا کہ اس بندے کا نام اویس ہے قرن قبیلہ کا ہے

میرے اس جبے کو لے جانا اور جب وہ پہنے تو اسے کہنا کہ میری امت کی بخشش کی وہ دعا کردے۔

یہ ماں کی خدمت کا اجر ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہدیہ بھیج رہے ہیں اپنے جبے کا اور ساتھ فرمائش فرماتے ہیں کہ آپ میری امت کی بخشش کی دعا فرمادیں۔

والدین کو دل دکھانے کا انجام

چنانچہ ایک صحابیؓ تھے علقمہؓ کسی بات پر ماں ان سے نارض ہوگئی، ان کی وفات کا وقت آ گیا مگر ان کی روح نہیں نکل رہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بات پہنچائی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارؓ کو لے کر حضرت صہیبؓ کو لے کر حضرت کو بلالؓ کو لے کر وہاں تشریف لے گئے آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو والدہ سے کہا کہ آپ بچے کو معاف کردیں، اس کا دل بہت دکھی تھا، اس نے کہا کہ میں نے اسے معاف نہیں کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو فرمایا کہ جاؤ لکڑیاں لے کر آؤ تو پوچھا گیا کہ کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لکڑیوں کو آگ لگاؤں گا اور علقمہ کو اس آگ کے اندر ڈال دوں گا، جب ماں نے یہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمادیا لکڑیاں لانے کا وہ سمجھ گئی کہ اللہ کے نبی ایسے ہی بات نہیں کررہے ہیں وہ ایسا ہی کردیں گے تو لگی منت سماجت کرنے میرے بیٹے کو آگ میں نہ ڈالیں، فرمایا اگر تو اسے معاف نہیں کریگی تو اللہ نے بھی تو اس کو جہنم کی آگ میں جلانا ہے، میں تیری آنکھوں کے سامنے ڈالتا ہوں تجھے پتہ چلے، ماں کا دل پسیج گیا کہنے لگی میں نے اپنی ناراضگی معاف کردی، آپ اللہ کے لئے میرے بیٹے کو آگ میں نہ ڈالیں، ماں نے معاف کردیا اوران کی روح اسی وقت پرواز کرگئی۔

(شعب الایمان للبیہقی ۷۵۰۸، ج:۱۰/۲۹- الخصائص الکبریٰ ۲/۲۵۹- جمع الوسائل ۱/۱۸۳- الکبائر للذہبی ۱۶- الزواجر ۲/۳۹۷)

خلافت و نسبت

خلافت ملنے پر اشکال

کسی جگہ پر ایک کامل بزرگ تھے جن کی خانقاہ پر بہت سے طالب علم اللہ سیکھنے کے لئے جمع رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص کہیں باہر سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میں اپنے نفس کی اصلاح کروانا چاہتا ہوں لہذا مجھے بھی اپنے خدام میں شامل فرمالیں اور یہاں قیام کی اجازت مرحمت فرمادیں، انہوں نے اسے بیعت کر کے وہاں رہنے کی اجازت دے دی اور کچھ ذکر واذکار اور معمولات اس کو بتادیئے، وہ شخص وہاں رہ کر اصلاح نفس کے کام میں مشغول ہوگیا اور جو کوئی حالت اس کو پیش آتی اس کی اطلاع اپنے شیخ کو کرتا اور جو کچھ وہ تعلیم کرتے اس پر عمل کرتا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان بزرگ نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہاں قیام سے جو تمہارا مقصود تھا وہ بفضلہٖ تعالیٰ تم کو حاصل ہوگیا ہے اب تم کو مزید قیام کی ضرورت باقی نہیں رہی، اسکے بعد اس کو خلعت خلافت سے نوازا اور وطن واپس رخصت کردیا، اب جو دوسرے طالبین کافی عرصے سے وہاں حاضر تھے ان کے دل میں بڑا یہ احساس ہوا کہ ہم جو اتنے سالوں سے یہاں محنت کررہے ہیں ہمیں تو اتنا فائدہ نہ ہوا اور اس شخص کو چند ہی روز میں اتنا کچھ مل گیا، معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیخ کو ہماری طرف اتنی توجہ نہیں ہے۔

شیخ کو کشف سے ان کے وسوسے کی اطلاع ہوگئی اور اسکا جواب انہوں نے بڑے حکیمانہ انداز میں دیا، ایک دن انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ جنگل سے کافی تعداد میں گیلی لکڑی اکٹھی کر کے ہمارے پاس لے آؤ، خدام نے حکم کی بجا آوری کی اور گیلی لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آئے، اب شیخ نے حکم دیا کہ ان کو آگ لگاؤ، مریدوں نے آگ لگانے کی کوشش کی، وہ چونکہ گیلی تھیں لہٰذا آگ پکڑتی ہی نہ تھیں، کافی دنوں کی محنت کے بعد ان میں کچھ آگ لگی، اس کے بعد شیخ نے کہا کہ اب خشک لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آؤ، خدام نے تعمیل کی، فرمایا اب ان کو آگ لگاؤ، چنانچہ ان کو بھی جلایا گیا، جیسے دیا سلائی جلا کر رکھی

فوراسب لکڑیوں نے آگ پکڑلی اور ذراسی دیر میں سب لکڑیاں جل کر راکھ ہوگئیں، حضرت شیخ نے ان سے دریافت کیا کہ بھئی کیا بات ہے کہ پہلے جولکڑیاں لائی گئیں ان کوجلانے کے لئے تو اتنی محبت کرنی پڑی اور یہ لکڑیاں ذراسی دیر میں ہی جل گئیں، مریدوں نے کہا حضرت پہلی لکڑیاں چونکہ گیلی تھیں اسلئے آگ نہ لگی اور دوسری چونکہ خشک تھیں اس لئے فورا جل گئیں، شیخ نے فرمایا درست ہے، اس تجربے سے ہمارا مقصد تم کو اصل حقیقت سے آشکار کرنا تھا، فلاں شخص جو کچھ دن ہمارے پاس رہ گیا ہے اللہ نے اس پر فضل فرمایا اور وہ جلد ہی کامیاب ہوکر لوٹ گیا اس پر تمہیں تعجب ہوا کہ وہ کیوں اتنی جلدی نوازا گیا اور ہم محروم ہیں، تمہیں یہ شبہ ہے کہ ہماری تمہارے اوپر پوری توجہ نہیں ہے، یادرکھیں تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے ہم کو جیسی توجہ اس کی طرف تھی ویسی ہی تمہاری طرف ہے، وہ جو جلد کامیاب ہوگیا تو اس وجہ سے کہ اس کا حال خشک لکڑی جیسا تھا اور تمہیں دیر لگ رہی ہے تو اس وجہ سے کہ تمہارا حال گیلی لکڑیوں جیسا ہے، وہ جب یہاں آیا تو آنے سے پہلے ہی اتنی محنت ومجاہدے کر چکا تھا کہ اس کے نفس کی رطوبات خشک ہو چکی تھیں اور ہماری تعلیمات پکڑنے کی استعداد اس میں پیدا ہو چکی تھی لہٰذا اس پر جلد اثر ہوگیا، تم کو چونکہ یہاں آنے سے قبل مجاہدات کی حرارت لگی ہی نہیں تھی لہٰذا تمہارے اندر رذائل نفس کی رطوبات موجود ہیں، لہٰذا ان رطوبات کوخشک کرنے کے لئے کچھ وقت اور محنت درکار ہے، جیسے ہی تمہارے اندر استعداد پیدا ہوگی وصول ہونے میں دیر نہ لگے گی، لہٰذا اطمینان سے محنت میں لگے رہیں ایک دن آئیگا تمہارے اوپر بھی اللہ کا ایسا ہی فضل ہو جائیگا جیسا کہ اس پر ہوا۔

امیر خسرو کی عقیدت پر خلافت

حضرت امیر خسرو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سچے اور پکے مریدوں میں سے تھے، ان کو اپنے شیخ سے انتہاء درجے کا عشق تھا، ان کے اسی عشق ومحبت کی وجہ سے ان کو اپنے شیخ سے اس قدر اتحاد حاصل ہو چکا تھا کہ شیخ کے دل میں جو بات آتی تھی وہی امیر خسروؒ

کے دل میں آجاتی تھی، حتی کہ اگر خواجہ نظام الدین اولیاء بیمار پڑ جاتے تو اس بیماری کی تکلیف حضرت امیر خسروؒ بھی محسوس کیا کرتے تھے، ان کی شیخ سے محبت کا ایک عجیب واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امیر خسروؒ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ سے باہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے، کہ ایک آدمی حضرت کی خدمت میں پہنچا اور ان سے اپنی کسی ضرورت کا سوال کیا، اللہ والے کسی کو انکار نہیں کیا کرتے، ان کے پاس اور تو کچھ نہیں تھا اسے اپنے جوتے ہی دے دیے وہ جوتے لے کر چل دیا، راستے میں امیر خسرو ملے جو کافی مال واسباب کے ساتھ واپس آرہے تھے، دیکھتے ہی پہچان گئے کہ جوتے شیخ کے ہیں، انہوں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ جوتے مجھے دے دو اور ان کی قیمت لے لو، وہ بھی سمجھ گیا کہ کوئی دیوانہ ہے، اس نے اس کی قیمت اتنی لگائی کہ جتنا مال واسباب ان کے پاس تھا، امیر خسرو نے وہ سارا مال دے دیا اور جوتے لے لئے اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر شیخ کی خدمت میں پہنچ گئے، شیخ نے امیر خسرو کو اس حال میں دیکھا تو ان کی محبت نے بھی جوش مارا اور آپ کو سینے سے لگا دیا اور باطنی نسبت القاء کر دی۔

(تذکرۃ الاولیاء ہندو پاک ص:۱۱۸)

حضرت سید احمد شہیدؒ کی خلافت

حضرت سید احمد شہیدؒ پہلے شاہ عبد العزیزؒ سے بیعت ہوئے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے ان کو قریب ہی مسجد میں جن میں شاہ صاحب اور طلبہ نماز پڑھتے تھے ٹھہرا دیا اور کہا کہ تعلیم حاصل کرو اور ہمیں آٹھویں روز ملا کرو، چھ ماہ تک وہ تعلیم حاصل کرتے رہے، چھ ماہ کے بعد حضرت شاہؒ کے خاندان میں کوئی شادی کی تقریب تھی، اس تقریب میں شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ لگایا جا رہا تھا، اس جگہ نیم کا ایک درخت تھا جس کی رکاوٹ سے شامیانے میں جھول آجاتا تھا، اتنے میں سید احمد صاحب بھی تشریف لے آئے، آپ نے دیکھا تو کرتا کمر

سے باندھا اور نیم پر چڑھ گئے، اوپر پہنچ کر شامیانے کو کھینچا تو وہ بالکل صحیح تن گیا اور جھول نکل گیا، سید صاحب کی یہ دھج شاہ عبد القادر صاحب کو پسند آگئی اور انہوں نے شاہ عبد العزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دے دیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ لے جاؤ اور سید صاحب سے کہہ دیا کہ میاں عبد القادر کے ساتھ جاؤ، شاہ عبد القادر صاحبؒ ان کو اپنے پاس اکبری مسجد لے آئے اور ایک حجرہ دے دیا اور کچھ ذکر واذکار تعلیم کئے اور فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر ذکر کیا کرو، سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبد القادرؒ کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرنے میں لگ گئے، جو جگہ شاہ صاحب نے ان کو بتادی سید صاحب خواہ بارش ہو آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے اور جب تک شاہ صاحب نہ کہتے اس وقت تک نہ اٹھتے تھے، شاہ صاحبؒ نے سید صاحب کو ڈھائی برس تک اپنے پاس رکھا اور پھر ان کو لے کر شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ یہ سید احمد صاحب ہیں ان کو پرکھ لیں، شاہ صاحب نے کہا میاں عبد القادر تم جو کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو اب ان کو بیعت کی اجازت دے دو، شاہ عبد القادر صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت اجازت انہیں آپ ہی دیں گے اور ان سے آپ کا ہی سلسلہ چلے گا، شاہ صاحب نے ان کو اجازت دے دی۔

(ارواحِ ثلاثہ ۱۴۴)

حضرت عبد المالکؒ کو نسبت و خلافت

حضرت عبد المالک صدیقیؒ شیخ کی طرف سے نسبت ملنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں چنی گوٹھ ریاست بہاولپور میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت اپنی جماعت کے ہمراہ شہر کے نواح میں تشریف لے گئے اچانک ان پر نہ جانے کیا کیفیت طاری ہوئی کہ دفعتاً اٹھے اور استغراق کی حالت میں جنگل کی طرف دوڑنے لگے اور ساتھ ہی مجھے آواز بھی دیتے جا رہے تھے، میں چوں کہ آبادی میں تھا لہٰذا

حضرت کے خدام مجھے ڈھونڈھنے کے لئے نکلے، میرے ایک پیر بھائی حضرت مولانا عبد الغفار صاحب مجھے ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے مجھ تک پہنچے اور کہا کہ جلدی چلو شیخ کی تو یہ حالت ہے، میں جلدی سے شیخ کی خدمت میں پہنچا، حضرتؒ پر ابھی وہی کیفیت طاری تھی میں نے عرض کیا حضرت میں حاضر ہوں، حضرت شیخ نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ آگئے! میں نے کہا جی حضرت، پھر حضرت نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی اور اپنے نعلین مبارک میری طرف بڑھائے کہ ان کو پہن لے، میں بے ادبی کے خوف سے ڈرا کہ گندا پاؤں حضرت کے نعلین میں کیسے ڈالوں، حضرت نے تین بار اصرار فرمایا، میں نے دل ہی دل میں دعا کی یا اللہ حضرت شیخ کے قلب میں القا فرمادے کہ میں ان کے فرمان پر گویا کہ عمل کر چکا لیکن عملاً یہ گستاخی نہیں کرسکتا، میری دعا قبول ہوئی، حضرت نے تیسری دفعہ کے بعد دوبارہ اصرار نہ فرمایا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: کہ تیرا پاؤں اور میرا پاؤں برابر ہے، یہ فرماتے ہوئے حضرت نے نعلین پہن لئے۔

حضرت عبد المالک صدیقیؒ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ احمد پور رکنے کا تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ حضرت مجھے فقیر پور ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، فرمایا کہ راستے میں بہت سا بوجھ اٹھانا ہے کون ہے جو میرے ساتھ چلے گا ؟ میں حیران تھا کہ کون سا ایسا بوجھ ہے جو اٹھانا ہے، بہر حال پوری جماعت میں سے میں نے حاجی کریم بخش اور مولانا عبد الغفار نے ساتھ چلنے کے لئے اپنے نام پیش کئے، راستے میں ایک مقام پر جب کہ حضرت گھوڑے پر سوار تھے اور میں حضرت کے دائیں جانب ساتھ ساتھ چل رہا تھا، حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ کون سا سبق کر رہے ہو میں نے عرض کیا ''مراقبہ معیت'' حضرت نے مراقبہ معیت کی کچھ تفصیلات بیان فرمائیں اور مزید فرمایا کہ ولی کی انتہا مراقبہ معیت تک ہے اس سے آگے انبیا کے مقامات شروع ہوتے ہیں، اور پھر دفعتاً مجھے نسبت القا فرمائی، میرے اوپر ایک کیفیت طاری ہوئی جیسے میرے سر پر اور وجود پر بوجھل سامان رکھ دیا گیا ہو، میں گرنے لگا کہ اچانک میرا ہاتھ گھوڑی کی خرجین پر پڑا اور میں لڑھکتا اور گھسٹتا ہوا کافی دور تک چلا گیا پھر میں سنبھل گیا اور چلنے کے

قابل ہوا، میرے بعد حضرت نے بائیں جانب مولانا عبدالغفار اور حاجی کریم بخش صاحب سے ان کے اسباق کے بارے میں پوچھا، ان کے اسباق مجھ سے پیچھے تھے، حضرت نے ان کو بھی نسبت القا فرمائی لیکن ان کی وہ حالت نہ ہوئی جیسے میری ہوئی تھی۔

علی پور سے گزر کر ہم حضرت کے مقام فقیر پور شریف پہنچ گئے، حضرت نے اپنے دولت خانے سے دو عمامے لائے اور حاجی کریم بخش صاحب سے فرمایا کہ یہ عمامہ جو میرے ہاتھ میں ہے یہ میرا استعمال شدہ ہے اور دوسرا نیا ہے تمہیں کون سا پسند ہے، حاجی کریم بخش صاحب نے مستعمل عمامے کو پسند کیا، حضرت نے وہ ان کو دے دیا اور نیا عمامہ مولانا عبد الغفار صاحب کو عطا کر دیا، میرے متعلق فرمایا کہ اس کو میں نے نعلین پہلے ہی دے چکا ہوں، اس وقت مجھ پر یہ راز کھلا کہ نعلین مبارک دینے اور جنگل میں دوڑنے کا کیا راز تھا، ایسی کیفیت اس سے قبل نہیں دیکھی تھی، مولوی نور بخش صاحب پر گریہ طاری ہو گیا، میں نے پوچھا: آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہم تو جملہ خلفاء تو یوں ہی رہے حضرت نے تمہیں نعلین مبارک عطا فرمادئے اور قدم بقدم چلنے کی سعادت سے مشرف فرمایا۔

حضرت شاہ بھیکؒ کو خلافت

حضرت شاہ غلام بھیکؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ وہ اپنے شیخ شاہ ابوالمعالیؒ کے عاشق تھے، ایک مرتبہ حضرت شیخ قدس سرہ خدام کے اصرار پر ان کے گاؤں سہارنپور تشریف لائے اور شاہ غلام بھیکؒ بھی ساتھ تھے، ان کو معلوم تھا کہ شیخ تو دعوت کے کام پر نکلے ہوئے ہیں اور پیچھے گھر میں کچھ نہیں ہے، شیخ کی جہاں دعوت ہوتی شاہ غلام بھیکؒ دعوت کرنے والے سے یہ طے کر لیتے کہ دو آدمیوں کا مزید کھانا دینا پڑیگا اور روزانہ عشاء کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھ کر حضرت کو لٹا کر دو آدمیوں کا کھانا لے کر پیدل انبہٹہ جو سہارنپور سے سولہ میل کے فاصلے پر ہے، تشریف لے جاتے اور اماں جی کو کھانا دے کر فوراً واپس ہوتے حتی کہ تہجد کے وقت حضرت کی خدمت میں آجاتے، چند روز بعد حضرت انبہٹہ پہنچے تو اہلیہ سے

پوچھا کس طرح گزری تو ان کو اس سوال پر بڑا تعجب ہوا، انہوں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ تو آپ روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے، پھر گزر کا سوال کیسا؟ مزید استفسار پر بتایا کہ دو گھڑی رات گزرنے پر شاہ بھیک روزانہ کھانا دے کر جایا کرتے تھے، شیخ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور آ کر شاہ بھیکؒ سے پوچھا تو انہوں نے صورت حال عرض کر دی اور کہا کہ اماں جی اور صاحبزادے صاحب تو فاقہ کرے اور بھیک اپنا پیٹ بھرے اسکی غیرت نے گوارا نہ کیا، شیخ کو اس جواب پر مسرت ہوئی اور یہ فرمایا کہ تو نے میرے توکل میں تو ضرور فرق ڈالا مگر خدمت کا حق ادا کر دیا، اس کے بعد شاہ بھیکؒ کو اپنی چھاتی سے لگا لیا اور روحانی نعمت جو کچھ دینی تھی وہ عطا فرما دی۔

(اکابر کا سلوک واحسان ص:۶۲- بڑوں کا بچپن ۴۷)

شاہ پھتو، فتح علی ہو گئے

حضرت مرشد عالمؒ سائیں فتح علی کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ سراج الدینؒ کی خانقاہ میں ایک آدمی پھتو نامی بالکل انپڑھ جاہل تھا، اسے قرآن پاک بھی پڑھنا نہیں آتا تھا مگر حضرت کے ساتھ جب بیعت کی تو گویا بک گیا، اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا، حضرت کی خدمت میں رہنے لگ گیا، حضرت کو وہاں پر کئی ایکڑ زمین ملی ہوئی تھی، پھتو کہنے لگا: حضرت! اگر پہاڑ کو فلاں جگہ سے کاٹ دیا جائے تو یہ پانی رخ بدل لے گا اور آپ کی زمین کارآمد بن جائیگی، حضرت نے فرمایا: یہ تو بہت مشکل کام ہے، کہنے لگا: حضرت! بس اجازت دے دیجئے، حضرتؒ نے جب پھتو کی طلب سچی دیکھی تو اجازت دے دی، چنانچہ پھتو نے کدال ہاتھ میں لیا اور وہاں جا کر چٹانوں کو توڑنا شروع کر دیا، لوگ آ کر پوچھتے: پھتو! کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا: پہاڑ کاٹ کر دریا کا رخ موڑنا چاہتا ہوں، لوگ ہنس کر چل دیتے اور کہتے کہ لوگ ایسے ہی کہتے ہیں کہ بے وقوف مر گئے ہیں، دیکھو وہ سامنے موجود ہے، پھتو کسی کی بات پر کان نہ دھرتا، بس اپنے کام میں لگا رہتا۔

میرے دوستو! پہاڑوں کو توڑنا آسان نہیں ہوتا، دریاؤں کا رخ موڑنا آسان نہیں

ہوتا، مگر جب عشق کا جذبہ ساتھ شامل ہوتا ہے تو پھر پہاڑ بھی موم بن جایا کرتے ہیں، پھر اللہ رب العزت راستے نکال دیا کرتے ہیں۔

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست

(تیشہ کی ہر ضرب ایسی ہوتی ہے جیسا کہ وہ دوست کے وصل کا جام پی رہا ہو)

وہ تیشہ مار رہا تھا اور محبت کی لذتیں اٹھا رہا تھا، ایک وقت آیا کہ پہاڑ کا حصہ کٹ گیا دریا کا رخ بدلا اور حضرت کی زمین قابل کاشت بن گئی۔

اس واقعے کے کچھ دن کے بعد حضرت نے مکانات بنوانے تھے، کیوں کہ خانقاہ پر مہمانوں کی آمد ورفت زیادہ تھی اور رہائش کا انتظام کم تھا، چنانچہ مستری کام پر لگا دیے گئے، مستری تو دوپہر کے وقت آرام کرتے تو پھتو سوچتا کہ مستری اٹھیں گے اور میں اس وقت گارا بناؤں گا تو اس سے تو وقت ضائع ہو جائیگا، مستری تو انتظار میں بیٹھے رہیں گے اور کام تو میرے حضرت کا ہے، چنانچہ جب مستری سو جاتے، تو اس وقت پھتو گارا بنایا کرتا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا تھا، جی ہاں، محبت اظہار تو نہیں چاہتی، محبت تو اخفا چاہتی ہے۔

وہ جن کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں

لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

چنانچہ پھتو اسی طرح گارا بناتا رہا، حضرت خواجہ صاحبؒ ایک دن دوپہر کے وقت اٹھے، بالکنی سے باہر دیکھا، دھوپ کی وجہ سے سب لوگ سوئے ہوئے تھے، اکیلا عاشق گارا بنا رہا تھا، پسینے میں شرابور مگر عشق ومحبت کے ساتھ وہ اپنی کسّی چلا رہا تھا، حضرتؒ نے جب دیکھا تو آپ کو طلب صادق نظر آئی، چنانچہ ایک آدمی کو بھیجا کہ پھتو کو بلا کر لاؤ، اس آدمی نے جب جا کر کہا تو پھتو ڈر گیا کہ شاید مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے، کہنے لگا: اچھا میں ابھی ذرا بدن دھولوں اور کپڑے بدل لوں پھر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں، حضرت کو پتہ چلا تو فرمایا: نہیں! اسے کہو کہ اسی حالت میں میرے پاس آئے، چنانچہ پھتو اسی حالت

میں آپ کے پاس آیا، آپ نے اسی وقت سینے سے لگایا اور نسبت کو القا فرما دیا۔

اب پھتو رونے بیٹھ گیا، کہنے لگا: حضرت! میں تو جاہل مطلق ہوں، مجھے بالکل کچھ نہیں آتا، قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے خلافت دے دی مگر میں تو اس کا مستحق نہیں ہوں، حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا: نعمت دینا اللہ کا کام ہے اس نے دل میں ڈالا اس لئے ہم اسے روک نہیں سکتے تھے، ہم نے دیکھا کہ برتن صاف ہے لہذا ہم نے نعمت برتن میں ڈال دی، اب اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمائیگا۔

خیر پھتو کو نسبت ملی تو نسبت نے اپنے پھل پھول نکالنے شروع کر دیئے، اس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا، کچھ اور وقت گزرا تو سائیں فتح علی بن گیا، حتی کہ بڑے بڑے علماء اس سے بیعت ہونے لگ گئے، حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کیا، اسی دوران میں سائیں فتح علی بھی مکہ مکرمہ میں تھے، مدرسہ صولتیہ میں علماء کا مجمع تھا، میں نے دیکھا کہ علماء تو زمین پر چٹائیاں بچھا کر سوئے ہوئے ہیں جب ان کے درمیان میں سائیں فتح علی کے لئے چارپائی بچھائی گئی تھی، یہ نعمت ایسی چیز ہے کہ یہ پھتو کو سائیں فتح علی بنا دیا کرتی ہے۔

بیک وقت سات علماء کو سند خلافت

حضرت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ جو ہمارے دادا پیر ہیں اور حضرت مولانا پیر فضل علی قریشیؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''تجلیات'' میں بعض خلفاء کو اجازت دینے کے حالات درج کئے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی کے سفر میں اپنے شیخ کے ساتھ تھا، ہم کوچہ پنڈت مین قاضی ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت نے ارادہ فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور کچھ دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کو چلیں، میں چونکہ بیمار تھا سر میں درد تھا حضرت نے مجھے فرمایا کہ تم آرام کرو، مولانا عبدالغفور مدنیؒ مولانا قمر باباؒ وغیرہ علماء موجود تھے وہ حضرت شیخ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کچھ حضرات کو ماذون

(اجازت عنایت) فرمادیں، ساتھ ہی بڑی عاجزی سے مولانا عبدالغفورؒ کی سفارش کی کہ انکی خدمت بہت ہے، اس دوران میرے کچھ آنسو بھی گرے، فرمایا بہت اچھا واپسی پر مشورہ کریں گے، حضرت جب واپس تشریف لائے تو آتے ہی سب کو کہا کہ آپ بڑے کمرے میں بیٹھیں اور مجھ سے تخلیہ میں آہستگی سے فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے مجھے خرقہ مبارک عطا فرمادیا اور میں نے تیری سفارش کی کہ اس کے لئے بھی خرقہ مبارک عطا کیا جائے، حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو تو میں پہلے ہی دے چکا ہوں، پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا تیرا جو یہ حال تھا تو نے مجھے پہلے کیوں نے اپنی حالت بتائی، میں نے جواباً عرض کیا کہ حضرت بشارت تو مجھے پہلے دی گئی تھی لیکن عاجز نے محض اپنا تخیل سمجھتے ہوئے عرض نہیں کیا، اب آپ کو بھی اس امر کے بارے میں بتایا گیا ہے تو یقین ہوا ہے، فرمایا جو کوئی بھی واردات گزرے لکھ بھیجا کرو یہ تخیل نہیں ہوتا، پھر فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے تیرے متعلق مجھے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جس کے متعلق اجازت دینے کا کہیں انکار نہ کرنا کیوں کہ ان کی خدمات ہمارے یہاں قبول ہو چکی ہیں۔

میں جب کمرے سے باہر نکلا تو مولانا قاضی عبدالرشید صاحب عرف قمر بابا بڑے کمرے سے جماعت صلحاء کے ساتھ نکل کر باہر آئے اور میرے کان میں کہا کہ آج فیاضی کا دن ہے بخل نہ کرنا، یہ انکی فراست تھی حالانکہ وہ ہمارے کمرے میں ہونے والی گفتگو سے بالکل ناواقف تھے، میں نے مولانا سید امیر علی صاحب کو کہا کہ ۱۹/اجازت نامے تیار کرلیں، پھر حضرت شیخ کے حکم پر اجازت نامے ان کی خدمت میں پیش کئے حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے دستخط سب پر کر دیتا ہوں، اس کا اظہار کر دینے میں ذرا صبر کرنا جب سلوک کی تکمیل کرلیں تو ان کو رفتہ رفتہ دیتے رہنا، چنانچہ اس وقت سات علمائے کرام کو بلا کر حضرت کے سامنے پیش کیا جن میں قاضی عبدالرشید عرف قمر باباؒ صاحب، مولانا سید امیر صاحبؒ، مولانا عبدالغفور مدنیؒ صاحب شامل تھے باقی کے نام اب یاد نہیں، حضرت نے ان کو کلمات

ماذونیت (کلمات خلافت) پڑھائے اور سند خلافت عطا فرمائی۔

حضرت صدیقؓ کو کیسی نسبت حاصل تھی؟

□ (۱) صلح حدیبیہ جب لکھی گئی تو اس موقع پر سفیر قریش سہیل بن عمروؓ نے جو توہین آمیز رویہ اختیار کیا اس سے تمام صحابہؓ مضطرب اور بے قرار تھے، اس پر مستزاد یہ کہ صلح کی جو شرائط تھیں اس سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے دب کر صلح ہو رہی ہو، لہذا تمام صحابہ کرامؓ میں غم و اضطراب کی لہر دوڑ گئی، حضرت عمرؓ تو وفور جوش سے از خود رفتہ ہو گئے اور اسی بے چینی میں دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل مکالمہ ہوا۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! ہوں!!

حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین میں ذلت کیوں گوارا کریں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہی میرا ناصر و مددگار ہے۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کعبۃ اللہ جائیں گے؟

حضرت عمرؓ: نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بس جب تم بیت اللہ جاؤ گے تو اس کا طواف بھی کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے ان کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

حضرت عمرؓ: ابوبکرؓ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق نبی نہیں؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی ان کا ناصر و مددگار ہے، پس تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں مضبوط و ثابت قدم رہو، خدا کی قسم آپ حق پر ہیں۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اسکا طواف کریں گے؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: ہاں لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟

حضرت عمرؓ: نہیں!

حضرت ابوبکر صدیقؓ: پس جب تم بیت اللہ جاؤ گے تو اس کا طواف بھی کرو گے۔

سبحان اللہ! حضرت عمرؓ کے ہر دو حضرات کے ساتھ مکالمے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فکر اور سوچ کے ساتھ ساتھ کلمات و الفاظ میں بھی کتنی یکسانیت پائی جاتی ہے۔

(سیرۃ مصطفیٰ ۲/۶۰، ۳۵۹- سبل الہدیٰ والرشاد ۵/۵۳- السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۳/۳۳۴)

□ (۲)...ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قلعہ طائف کے محاصرے کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا: کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ مجھے دیا گیا لیکن ایک مرغ نے آکر ٹھوکر ماردی

اور جو کچھ اس پیالے میں تھا سب گر گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ کا ارادہ جو اس قلعہ کے فتح کرنے کا ہے وہ ابھی حاصل نہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں بھی یہی بات ہے کہ یہ ابھی فتح نہیں ہوگا۔

(سیرت مصطفیٰ ۳/۶۳-البدایہ والنہایہ ۴/۴۰۱-السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۵/۱۵۶-الروض الانف ۴/۲۵۶)

یہاں بھی ملاحظہ کریں کی دونوں حضرات کی سوچ میں کتنی ہم آہنگی ہے۔

□ (۳)... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں باغ فدک کی آمدنی کو بنی ہاشم پر خرچ کیا کرتے تھے، انکے بچوں کو بار بار عطا فرماتے تھے اور اس سے بے نکاحوں کی شادیاں کیا کرتے تھے، حضرت سیدہ فاطمہؓ نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ آپ فدک کو ان کے لئے (فاطمہ) کے لئے مخصوص فرما دیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے ایک قاصد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں بھیجا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ (خیبر، فدک اور اراضی مدینہ) میں سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ کے امور و معمولات میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں کروں گا، اگر میں ایسا کروں تو مجھے خدشہ ہے کہ میں راہ راست سے بھٹک جاؤں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ مسلمانوں پر صدقہ ہوتا ہے، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے فقط خرچ خوراک لیتے ہیں۔

(سیرۃ مصطفیٰ ۳/۲۴۲-البدایہ والنہایہ ۵/۳۰۶-بخاری ۶۷۲۶)

جس طرح سیدہ فاطمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی فدک کا مطالبہ کیا اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں انکار فرما دیا اسی طرح صدیق اکبرؓ نے بھی انکار فرما دیا، ہر دو حضرات کے

عمل میں کس قدر مشابہت ہے۔

☐ (۴)...طائف سے قبیلہ ثقیف کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا، لیکن ساتھ ہی ایک درخواست کی کہ انہیں نماز معاف کردی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا: اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔

(الکامل ۱/۳۴۴-المغازی للواقدی ۱/ ۹۶۸-تاریخ ابی الفداء ۱/ ۲۲۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ کے گردونواح کے قبائل نے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اپنی فوجیں اکٹھی کیں اور مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے وفد مدینہ روانہ کئے کہ جنہوں نے وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ نماز ادا کرنے کو تو تیار ہیں البتہ زکوۃ ادا کرنے سے مستثنی کردیا جائے، آپؓ نے جواب میں فرمایا کہ ''واللہ! میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرتے ہیں''۔

عمل کی ہم آہنگی ملاحظہ کریں کہ دونوں حضرات کے سامنے کچھ لوگ دین کا ایک رکن معاف کروانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے انکار فرمادیا۔

☐ (۵)...مؤرخ ندویؒ رقم طراز ہیں: عامل وعہدداروں کے انتخاب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدداررہ چکے تھے، مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتابؓ بن اسید، طائف پر عثمانؓ بن ابی العاص، صنعاء میں مہاجر بن امیہ، حضرموت پر زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر علاءؓ بن الحضرمی مامور تھے اس لئے خلیفہ اول نے بھی ان مقامات پر انہیں لوگوں کو برقرار رکھا۔

بخاری ۶۹۲۵-مسلم ۱۳۳-مختصر تاریخ دمشق ۴/۲۹۲

☐ (۶)...حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے عہد کا نظام حکومت بھی ایک تھا کوئی ایسا ٹیکس لگانے کی اجازت نہ تھی جو عہد رسالت میں نہ تھا اور جو ٹیکس عہد نبوت

میں تھے انہیں بہر حال وصول کیا جاتا تھا۔

□ (۷)...بنوقضاعہ سے جنگ

﴿۱﴾ عہد رسالت میں بنو قضاعہ کی شورش دبانے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کی اور غزوہ ذات السلاسل پیش آیا، عہد صدیقی میں بنوقضاعہ مرتد ہوگئے، لہذا ان کی سرکوبی کے لئے سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی ان سے جنگ کی۔

﴿۲﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اسلامی فوج کے امیر حضرت عمرو بن العاصؓ تھے اور صدیق اکبرؓ کے وقت میں بھی حضرت عمرو بن العاصؓ ہی اسلامی لشکر کے امیر تھے۔

﴿۳﴾ اسلامی فوج کے کوچ کا راستہ بھی ہر دو حضرات کے وقت میں ایک ہی تھا۔

﴿۴﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی بنو قضاعہ کو شکست ہوئی تھی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، صدیق اکبرؓ کے وقت میں بھی بنوقضاعہ ہی کو شکست فاش ہوئی اور دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

﴿۵﴾ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمرو بن العاصؓ کو بنوقضاعہ کی مہم کے بعد عمان کا والی بنا کر عمان بھیج دیا، صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو قضاعہ کی جنگ کے بعد عمان کی ولایت پر واپس بھیج دیا۔

□ (۸)...عہد رسالت میں ایک جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی خزیمہ کے قیدیوں کو قتل کرنے میں جلد بازی دکھائی تھی، یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ کو افسوس ہوا اور آپ نے قیدیوں کی دیت خود ادا کی اور کتے کے پانی پلانے والا برتن تک واپس کر دیا، اللہ کے حضور حضرت خالدؓ کے اس فعل کے لئے برأت کی دعا کی لیکن ان کو قیادت سے معزول نہ فرمایا۔

عہد صدیقی میں بھی ایک جنگ میں بھی جب حضرت خالدؓ پر الزام آیا کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو بغیر کسی معقول وجہ کے قتل کر دیا، تو حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت

خالدؓ کو معزول کرنے کا مشورہ دیا، لیکن آپ نے ان کو اپنے منصب پر برقرار رکھا، جس سے آپ کے ہر فعل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔

البدایہ والنہایہ ۴/۳۶۰- اسد الغابۃ ۲/۴۶۹

□ (۹)...حج میں بھی یہاں تک موافقت ومطابقت ہے کہ پہلے سال نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امیر تھے اور نہ صدیق اکبرؓ، دوسرے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود امیر حج تھے اور دوسرے سال صدیق اکبرؓ بھی خود۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سال ۹ ر ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر بھیجا اور دوسرے سال دس ہجری میں خود تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد پہلے سال حضرت عمرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور دوسرے سال خود تشریف لے گئے۔

مروج الذہب ۲/۳۰۹- انساب الاشراف ۳/۳۱۲

□ (۱۰)...ہر دو حضرات نے حضرت حسنؓ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھایا۔

حضرت عقبہ بن حارثؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر جا رہے تھے کہ حضرت حسنؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو کاندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا: میرا باپ قربان! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہو حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں ہو، حضرت علیؓ ساتھ تھے سنا تو ہنس پڑے۔

بخاری ۳۵۴۲- دلائل النبوۃ بیہقی ۱/۳۰۷

یوں صدیق اکبرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فعل کی متابعت حاصل کر لی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کو کاندھے پر اٹھایا کرتے تھے۔

□ (۱۱)...علامہ ندویؒ لکھتے ہیں: جن کے حال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص لطف وکرم رہتا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم وتوقیر کا خیال رکھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لئے تشریف

لے جاتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس سلسلے کو جاری رکھا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۴/ ۵۴۶-موسوعۃ الدفاع ۲/ ۱۶۳)

□ (۱۲)...حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ نے محلّہ بنوسلمہ میں پیدل تشریف لاکر میری عیادت فرمائی۔

(بخاری ۴۵۷۷-مسلم ۴۲۳۱)

کتنی حیرت انگیز مشابہت ہے کہ اہم ملی وملکی امور سے لے کر معمولی حالات، روزمرہ کے واقعات اور اعمال عام میں بھی توافق بلکہ وحدت موجود ہے۔

اللہ والوں کے وقت میں برکت کیوں؟

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاس شیخ ابوالعباس حریشیؒ تشریف لائے اور مغرب کی نماز میرے پاس پڑھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرنے بیٹھ گئے اور عشاء کی اذان تک پانچ قرآن ختم کر لئے، میں نے سیدی علی مرصفیؒ کو اس واقعے سے مطلع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک دن رات میں تین لاکھ ساٹھ ہزار دفع قرآن پاک ختم کیا ہے میں نے پوچھا کہ آپ نے حروف کے ساتھ اتنے قرآن ختم کئے یا بغیر حروف کے؟ فرمایا حروف کے ساتھ ختم کئے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسے ہو جاتا ہے، فرمایا روح جسم کثیف سے مجرد ہو جاتی ہے تو ایسا کر لیتی ہے، میں نے عرض کیا کہ اولیاء کرام کے لئے ان واقعات کے پیش آنے میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بڑھانا چاہتے ہیں، کیوں کہ اس امت کی عمریں دوسری امتوں کی عمروں سے کم ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خاص لوگوں کو ایسی ایسی کرامتیں عطا فرمادی ہیں تاکہ یہ لوگ اعمال میں بھی پہلی امتوں کے عابدوں سے بڑھ جائیں جن کی عمریں پانچ سو برس یا اس سے زیادہ ہوتی تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ ۴۵۹-فی تذکرۃ الشیخ علی المرصفی-الکوکب السائرۃ باعیان المائۃ ۱/ ۱۶۹-شذرات الذہب ۷/ ۱۷۵)

ایمان ویقین
اور
استقامت

ایمان کامل پر ہر چیز مسخر

جب اللہ تعالیٰ پر ایمان پکا ہو، یقین کامل ہو تو یہ مؤمن خلیفۃ اللہ فی الارض ہوتا ہے، ذرا غور کیجئے سیدنا عمرؓ خلیفۂ وقت تھے، اللہ نے وہ شان عطا فرمائی کے زمین پر ان کا حکم چلتا تھا، دیکھیں! اللہ تعالیٰ کی مخلوق چار چیزوں سے بنی، آگ، ہوا، پانی اور مٹی چاروں پر ان کا حکم لاگو ہوتا تھا۔

(۱) ایک مرتبہ زمین پر زلزلہ آیا، عمرؓ نے زمین پر ایڑی ماری اور فرمایا کہ اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے کیا عمرؓ نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ ان کی یہ بات سن کر زمین کا زلزلہ رک گیا، زمین پر حکم چل رہا ہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/۳۲۴)

(۲) خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، فرمایا: **یا ساریۃ الجبل!** ہوا ان کے پیغام کو سیکڑوں میل دور پہنچا دیتی ہے، ہوا پر حکم چل رہا ہے۔

(شرح صحیح البخاری للسفیری ۴/۱۶-اسد الغابۃ ۱/۱۰۸)

(۳) دریائے نیل کا پانی نہیں چلتا، دریائے نیل کو رقعہ لکھتے ہیں، دریائے نیل! اگر اپنی مرضی سے چلتا ہے تو نہ چل اور اگر اللہ رب العزت کے حکم سے چلتا ہے تو امیر المومنین تجھے حکم دیتے ہیں کہ چل! دریائے نیل چلنا شروع کر دیتا ہے، آج تک دریائے نیل کا پانی چل رہا ہے، عمر بن خطابؓ کی عظمتوں کے پھریرے لہرا رہا ہے، پانی پر حکم چل رہا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ۷/۱۱۵-مختصر تاریخ دمشق ۶/۳۸)

(۴) مدینہ طیبہ کی ایک طرف سے آگ نکلتی ہے، جس کو ''حرہ شرقیہ'' کہتے ہیں اور وہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے، حضرت عمرؓ دحیہ کلبیؓ کو فرماتے ہیں کہ جائیں اور اس آگ

کو واپس دھکیلیں، تمیمی داریؓ نے دو رکعت نفل پڑھی اور آگ کے پاس جا کر چادر کو چابک کی طرح استعمال کیا، جیسے انسان کسی حیوان کو واپس اپنی جگہ دھکیلتا ہے، وہ چادر کے ذریعہ آگ کو چابک مارتے گئے اور آگ کو واپس دھکیلتے گئے حتیٰ کہ جہاں سے آگ نکلی تھی وہی واپس چلی گئی، تو دیکھئے! ایمان کے بنانے کی وجہ سے ہوا پر حکم چلتا ہے، پانی پر حکم چلتا ہے، زمین پر حکم چلتا ہے، آگ پر حکم چلتا ہے، صحیح شہنشاہی تو یہی ہے، اسی لئے کہنے والے نے کہا:

ہم فقیروں سے دوستی کرلو
گر سکھائیں گے بادشاہی کا

(البدایہ والنہایہ ۶/ ۱۶۹- تاریخ الاسلام ۳/ ۶۱۵)

یہ روٹی تو میری نہیں

رابعہ بصریہؒ کے پاس ایک مرتبہ مہمان آگئے، کھانے کا وقت ہوگیا، خادمہ سے پوچھا: کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا: نہیں، کہنے لگیں: اچھا! اللہ نے مہمان بھیجے ہیں تو کھانا بھی وہی بھیجے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد دووازے پر دستک ہوئی، باہر سے ایک آدمی نے کہا: کھانا لایا ہوں، خادمہ نے جا کر کھانا پکڑا اور لے آئی، پوچھا: کتنی روٹیاں ہیں؟ اس نے کہا: جی! نو روٹیاں ہیں، کہنے لگیں: مہمان دس ہیں اور روٹیاں نو ہیں، یہ میری نہیں ہے، کسی اور کی ہے، واپس لے جاؤ، خادمہ نے واپس کردیں، لیکن تھوڑی دیر کے بعد کسی نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا تو پتہ چلا کہ کوئی کھانا لایا ہے، فرمایا: روٹیاں گنو! بتایا: جی! نو ہیں، فرمایا: میری نہیں ہے، واپس لے جاؤ، تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، کہا: روٹیاں گنو! اس نے بتایا: نو ہیں۔

اب خادمہ نے کہا: جی! اب تیسری مرتبہ وہ لے کر آیا ہے، آپ ہر دفعہ واپس کررہی ہیں اب تو لے ہی لیں، تو انہوں نے فرمایا:

''سن! میں نے آج صبح اللہ کے راستے میں سائل کو ایک روٹی دی تھی، اور میرے

اللہ کا وعدہ ہے :﴿من جاء بالحسنة فله عشر امثالها﴾

''جوایک نیکی لائیگا اسکو اس کا دس گنا بدلہ ملے گا''

اس لئے میری دس روٹیاں ہونی چاہئے۔

''خادمہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا: جی! وہ دس ہی لے کر آیا تھا، ایک روٹی میں نے اپنے کھانے کے لئے رکھ لی تھی۔

اللہ کی ذات پر ان کا اتنا یقین بنا ہوا تھا کہ فرمایا: میری دس ہی روٹیاں ہوسکتی ہیں، کم نہیں ہوسکتیں۔

(تذکرۃ الاولیاء ۴۵-۴۶-ایمان کی اہمیت ۴۷)

دریا نے پیالہ واپس کردیا

صحابہ میں سے سعد بن وقاصؓ اپنی فوج کے ساتھ جارہے تھے، آگے دشمن کی فوج ہے اور درمیان میں دریا، اللہ کی شان، انہوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دئے اور گھوڑے چلتے چلتے بالآخر دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے، اللہ اکبر کبیرا! اور آگے جا کر انہوں نے پوچھا کسی کی کوئی چیز دریا میں گری تو نہیں؟ ایک صحابی نے کہا میرا لکڑی کا پیالہ تھا، وہ دریا میں گر گیا ہے، دریا کو حکم دیتے ہیں کہ لکڑی کا پیالہ واپس کر! ایک پانی کی لہر آتی ہے اور لکڑی کے اس پیالے کو بھی کنارے پر ڈال جاتی ہے۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا

حکم دیتا تھا دریا کو، رستہ چھوڑ دیتا تھا

تو ایمان بنانے پر اللہ رب العزت بندے کو دنیا میں بھی ایسی کامیابی عطا فرما دیتے ہیں۔

(جمال الاولیاء ۴۸)

جنگل کے جانور بھی ہوگئے رواں دواں......

افریقہ کے جنگل میں صحابہؓ کو رات آگئی تو ایک صحابیؓ نے درخت پر چڑھ کر اعلان کیا: ’’اے جنگل کے جانورو! آج یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا بسیرہ ہے، جنگل خالی کردو‘‘۔

یہ اعلان سن کر شیر بھی جارہا ہے، ہاتھی بھی جارہا ہے، چیتا بھی جارہا ہے، لوگ حیران ہوکر پوچھنے لگے: آپ کو یہ بات کس نے سکھائی؟ انہوں نے کہا: ہمیں یہ بات ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی، یہ سن کر وہ کہنے لگے: اچھا! ہمیں بھی تم اپنے جیسا بنالو، چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتے ہیں، جنگل کے جانور بھی بات مانتے تھے۔

(تاریخ اسلام للذہبی ۵/ ۱۸۹-مختصر تاریخ دمشق ۱/۲۱۳-ایمان کی اہمیت ۴۱)

زکوۃ سے مال محفوظ ہونے کا یقین

دارالعلوم دیوبند کے خازن ایک نواب صاحب تھے، وہ تہجد گزار تھے، ان کے پاس دارالعلوم کے پیسے ہوتے تھے، وہ جس جگہ پر دارالعلوم کے پیسے رکھتے تھے اسی جگہ انکے اپنے پیسے بھی ہوتے تھے، اس الماری کو انہوں نے چھوٹا سا تالا لگایا ہوا تھا، ایک دن تہجد کے لئے اٹھے تو دیکھا کہ چور آیا ہوا ہے اور وہ اس تالے کو توڑنے کی کوشش کررہا ہے، جب کہ یہ اللہ کے ایسے بندے تھے کہ وضو کرکے نفل پڑھنے میں لگ گئے اور وہ تالا توڑنے کی کوشش میں لگا رہا، اس سے تالا ہی نہ ٹوٹا، حتی کہ جب فجر کی نماز کا وقت قریب ہوا تو وہ مصلے سے اٹھ کر آئے اور کہنے لگے، اے بھائی! اگر ساری رات میں یہ تالا تجھ سے نہیں ٹوٹا تو اب کہاں سے ٹوٹے گا، یہ سن کر چور نے سمجھا کہ اب گھر والے جاگ گئے ہیں، چنانچہ وہ بھاگ گیا،

اسکے بعد انہوں نے مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھی .... ان کا تکیہ کلام تھا: اللہ کے فضل سے یعنی جب وہ کوئی بات کرتے تو وہ کہتے، اللہ کے فضل سے، اللہ کے فضل سے .... وہ نماز پڑھ کر امام صاحب سے کہنے لگے، حضرت! آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا، امام صاحب ان کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے، کیا کہہ رہے ہو؟ کہا، آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا، انہوں نے کہا، کیا مطلب؟ پھر انہوں نے رات کو پیش آنے والا واقعہ سنایا، امام صاحب نے واقعہ سن کر کہا کہ جب تم اٹھ گئے تھے تو تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے ہی چور کو بھگا دیتے، تم نے اسے اسی وقت کیوں نہ بھگا دیا، یہ اس کی بات سن کر ناراض ہو کر کہنے لگے،، میں اپنے مال کی پوری پوری زکوۃ دیتا ہوں، ممکن ہی نہیں تھا کہ چور میرے تالے کو توڑ کر چوری کر سکتا، میرا مال میرے اللہ کی حفاظت میں ہے...... یہ ہے خدائی وعدہ پر ایمان ویقین کی اعلیٰ مثال، ہمیں بھی یقین کامل کے ساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

میرا بیٹا پیٹھ پھیر نہیں سکتا

ایک امیر والئی کابل گزرے ہیں جن کا نام تھا دوست محمد ان کے بارے میں آتا ہے ایک دفعہ دشمن نے حملہ کیا انہوں نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ اپنی فوج لے کر جاؤ، اور جا کر انکے ساتھ جنگ کرو، اب جب وہ جنگ ہوئی کچھ دنوں کے بعد ان کی ایجنسی نے ان کو آ کر اطلاع دی کہ شہزادہ بھاگا اور دشمن نے اس پر وار کیا اس کی پیٹھ پہ زخم بھی آئے مگر وہ بچ نکلا اور کہیں روپوش ہو گیا اور اس کو شکست ہو گئی، اب یہ سن کر والئی کابل کا دل بڑا مغموم ہوا بڑا پریشان ہوا، گھر آیا بیوی نیک تھی، پہچان گئی خاوند کو کوئی صدمہ ہے۔

نیک بیویاں ایسے وقت میں اللہ کی نیک بندیاں رحمت کی پیامبر بن کر آتی ہیں اور اپنے خاوند کے دکھ بانٹ لیتی ہیں، اس نے پیار سے پوچھا آج میں آپ کو غمزدہ پاتی ہوں کیا بات ہے؟ خاوند نے بتایا کہ اطلاع آئی ہے کہ میرے بیٹے نے شکست کھائی اس کی

پیٹھ پر زخم آئے زخمی حالت میں بچ نکلا، روپوش ہے، میری ایجنسیوں نے اطلاع دی، جب اس نے یہ سنی تو کہنے لگی: آپ کی بات ٹھیک ہوگی مگر میرے نزدیک یہ بات غلط ہے، کبھی یہ بات ٹھیک نہیں ہوسکتی، خاوند نے کہا وہ کیوں؟ کہنے لگی بس میں کہہ رہی ہوں میں اس کی ماں ہوں میں اس بیٹے کو جانتی ہوں یہ خبر بالکل غلط ہے، آپ تسلی رکھئے غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہمارا بیٹا ایسا کبھی نہیں کرسکتا، والئی کابل حیران ہے وہ کہنے لگے تجھے کیوں نہیں سمجھ آرہی مجھے کتنے لوگوں نے اطلاع دی یہ کہنے لگی ہرگز نہیں یہ بات بالکل غلط ہے، چاہے سینکڑوں لوگ آکر کہیں، مگر پھر بھی یہ بات غلط ہے، اس خاوند نے سوچا عورتوں کی عادت ہوتی ہے، مرغے کی ایک ٹانگ ہانکتی رہتی ہیں، اور یہ بات مانتی نہیں ضد کر کے رہ جاتی ہیں، میری بیوی بھی شاید یہی کر رہی ہے، مگر تیسرے دن اطلاع ملی کہ بات تو بالکل غلط تھی، شہزادے کو اللہ نے فتح عطا فرمادی اور وہ فاتح بن کر واپس لوٹا، جب والئی کابل کو اطلاع ملی، اس نے گھر آکر بتایا کہ وہ تو بات واقعی غلط نکلی، میری ایجنسیوں کی بات ٹھیک نہیں تھی مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارا معاملہ کیا ہے، تم نے کیسے کہہ دیا کہ یہ بات غلط ہے کیسے پتہ چل گیا، وہ کہنے لگی یہ ایک راز ہے، میں نے اپنے اور اللہ کے درمیان رکھا تھا، سوچا تھا کسی کو نہیں بتاؤں گی، کہنے لگا میں خاوند ہوں مجھے ضرور بتادو، کہنے لگی راز یہ ہے جب یہ بچہ میرے پیٹ میں آیا میں نے اس وقت سے کوئی مشتبہ لقمہ اپنے منہ میں نہیں ڈالا اور جب بچے کی ولادت ہوئی میں نے نیت کرلی میں اس بچے کو ہمیشہ باوضو دودھ پلاؤں گی، جب بھی میں نے بچے کو دودھ پلایا ہمیشہ باوضو ہوکر پلایا، میں نے کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا، اس کی برکت تھی جس کی وجہ سے بچے کے اندر بہادری آئی، اچھے اخلاق آئے، یہ کیسے ممکن ہے میرا بچہ شکست کھاتا، یہ شہید ہوسکتا تھا، یہ دشمن کے سامنے کٹ سکتا تھا مگر پیٹھ پھیر کے نہیں بھاگ سکتا تھا، یہ تو بزدلوں کا کام ہوتا ہے، اللہ نے میرے گمان کو سچا کردیا۔

تو پہلے وقت کی ملکہ بھی ایسی نیک ہوتی تھیں، اپنے بیٹوں کو باوضو دودھ پلاتی تھیں

اور آج کل کی بچیوں کا تو یہ حال ہے سینے سے لگا کر بچوں کو Feed دے رہی ہوتی ہیں سامنے، ٹی وی پر بیٹھ کر ڈرامے دیکھ رہی ہوتی ہیں، گانے سن رہی ہوتی ہیں، تھرکتے جسموں کو دیکھ رہی ہوتی ہے......تو کیا اس کے اثرات بد بچوں پر نہیں پڑیں گے، ہمیں تو ایسی تربیت کرنی چاہئے کہ بچہ جاں باز بھی ہو اور ایمان ویقین میں پختہ بھی۔

(لطائف الاولیاء ۱۴۷ بحوالہ خطبات طیب- حضرت حکیم الاسلام کے پسندیدہ واقعات ۱۰۵ تا ۱۰۸)

جنگ یرموک میں خواتین کا کردار

جنگ یرموک میں رومی لاکھوں کی تعداد میں تھے اور ان کے مقابلے میں مسلمان بہت تھوڑے تھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ جیسے ایک سفید گھوڑے کے ماتھے پر کالا داغ ہوتا ہے، ایسے ہی رومیوں کے لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تھی، جو رومی تھک جاتے تھے وہ پیچھے ہٹ جاتے اور تازہ دم لوگ آجاتے تھے، مسلمان کئی گھنٹے ان کے ساتھ لڑتے رہے، بالآخر جب وہ تھک گئے تو ان کا میمنہ یعنی دائیں طرف کا لشکر ذرا پیچھے کو ہٹنے لگا، مسلمان خواتین خیموں میں موجود تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان پیچھے ہٹ رہے ہیں تو ایک صحابیہ سودا بنت عاصمؓ ایک ٹیلے پر چڑھ گئیں اور دوسری عورتوں سے کہنے لگیں:

”اری! تم کب تک خیموں میں بیٹھی رہوگی، تمہارے خاوند اور تمہارے مرد تو پیچھے ہٹ کے آرہے ہیں۔“

یہ بات سنتے ہی سب عورتیں خیموں سے باہر نکل آئیں، اس وقت لبنیٰ بنت جریرؓ کہنے لگیں: ”اے عرب کی عورتو! تم اپنے اپنے آدمیوں کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ اور اپنے معصوم بیٹوں کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا لو اور اپنے خاوندوں سے کہو کہ ہمیں اور ہمارے معصوم بچوں کو عجمی کافروں کے حوالے کر کے تم کہاں جا رہے ہو؟“

چنانچہ مسلمان عورتوں نے عجیب بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنے معصوم بیٹے ہاتھوں میں اٹھائے اور اپنے خاوندوں کو دکھا کر کہنے لگیں کہ ہمیں اور ہمارے ان معصوم بچوں کو تم کافروں کے حوالے کر کے کہاں جاؤ گے؟ جب مسلمانوں نے اپنے معصوم بیٹوں کو دیکھا تو واپس پلٹے اور انہوں نے رومیوں پر حملہ کیا۔

اس موقع پر ہندہؓ بنت عتبہ بھی موجود تھیں، وہ اسلام لا چکی تھیں، وہ کہنے لگیں:

نحن بنات الطارق نمشي على النمارق

ان تقبلوا نعانق او تدبروا نفارق

(ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں اور نرم گدوں پر چلنے والی ہیں، اور تم لڑائی میں بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگا لیں گی اور اگر لڑائی میں پشت دکھاؤ گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی، ایسی جدائی جو کبھی ختم نہ ہوگی)

یہ اشعار کہہ کر کہنے لگیں:

''اے ہمارے خاوندو! اگر تم آگے جا کر کامیاب ہو جاؤ گے تو ہم تمہارے لئے بستر بچھائیں گی اور تمہارا استقبال کریں گی اور اگر تم بھاگ جاؤ گے تو پھر یاد رکھنا کہ پھر ہمیں کافر اپنے قبضے میں لے لیں گے اور تمہاری غیرتوں کا جنازہ نکل جائیگا''

اس کے بعد انہوں نے اپنے خاوند ابوسفیانؓ کو دیکھا اور فرمانے لگیں:

''اے ابن حرب! دیکھو، تم نے اپنے زمانہ کفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں، آج ان تکلیفوں کی مکافات کرنے کا وقت ہے، آگے بڑھو اور اپنی جان دے کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کامیاب ہو جاؤ''

انہوں ؓنے ایسی اچھی باتیں کیں کہ مسلمان یہ باتیں سن کر لوٹے اور ایسا حملہ کیا کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگ یرموک میں فتح عطا فرمادی، مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمان عورتوں کا ایمان ویقین پر مشتمل یہ ایسا کارنامہ تھا کہ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے

سے قاصر ہے۔

(فتوح الشام ۱/۱۹۶)

حضرت ابو طلحہؓ مسلمان کیسے ہوئے؟

مالک بن نضر فوت ہو گئے تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم بیوہ ہو گئیں، مدینہ منورہ کے ایک شخص ابو طلحہ نوجوان بھی تھے، خوبصورت بھی تھے، ان کے پاس مال و دولت کی بھی بہتات تھی اور ان کی اتنی عزت تھی کہ ان کی رائے کا بہت ہی احترام کیا جاتا تھا، انہوں نے ام سلیم کی طرف رشتہ کا پیغام بھیجا.... چونکہ وہ قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اس لئے انہوں نے ڈائریکٹ پیغام بھیجا کہ میں آپ سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں، اب یہ رشتہ ایسا تھا کہ اس کو کوئی ٹھکرا بھی نہیں سکتا تھا.... حضرت ام سلیمؓ جانتی تھیں کہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے ہیں، چنانچہ انہوں نے ان سے دین کی بات چلائیں اور فرمانے لگیں:

''ابو طلحہ! تم ایک ایسے شخص ہو کہ اگر تم کسی بھی عورت کی طرف پیغام نکاح بھیجو تو تمہارے پیغام کو کبھی رد نہیں کیا جائیگا، مگر تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں، تم لکڑی کے بنے ہوئے بت کو پوجتے ہو اور میں علیم و خبیر ذات کو پوجتی ہوں، بھلا میرے ساتھ تمہارا جوڑا کیسے ہو سکتا ہے؟''

حضرت ام سلیمؓ نے اتنے پیارے انداز میں دین کی بات کہی کہ بالآخر ابو طلحہ نرم پڑ گئے، جب انہوں نے دیکھا کہ نرم ہو چکے ہیں تو فرمانے لگیں:

''میں تمہارے نکاح کے پیغام کو قبول کرتی ہوں اس شرط پر کہ میرے نکاح کا مہر تمہیں دینا ہو گا اور میرا مہر یہ ہو گا کہ تم دین اسلام کو قبول کر لو''

یہ بات سن کر ابو طلحہؓ نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور پھر اسکے بعد ان کا آپس میں نکاح ہوا، صحابہ کرام فرماتے تھے کہ دنیا میں کسی کا حق مہر ام سلیم کے حق مہر سے بہتر نہیں

کہ انہوں نے اپنے حق مہر میں اپنے خاوند سے کہا کہ تم مسلمان بن جاؤ، یہی میرا حق مہر ہے، یہ ہے اس زمانہ کی خواتین کا ایمانی جذبہ کہ ایمان پر جمنے کے ساتھ ایمان کی دعوت بھی دیا کرتی تھیں۔

(سنن نسائی ۳۳۴۱-سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۲۵۷)

حضرت عکرمہؓ کا قبول اسلام

حضرت عکرمہؓ ابو جہل کے بیٹے تھے، انہوں نے فتح مکہ تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میرے قتل کا حکم نہ دے دیں، لہٰذا وہ مکہ سے بھاگ کر کہیں دور چلے گئے، ان کی اہلیہ ام حکیمؓ بڑی دانا اور سمجھدار عورت تھیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئیں، اس کے بعد کہنے لگیں:

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بڑے نرم دل ہے اور اچھے اخلاق والے ہیں، میں آپ سے اپنے خاوند کی جان کی امان مانگتی ہوں''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں میں نے تیرے خاوند کو امان دے دی۔''

وہ بڑی خوش ہوئیں اور اپنے خاوند کو تلاش کرنے نکلیں، جب لمبا سفر کر کے ایک جگہ پہنچی تو پتہ چلا کہ ان کا خاوند دریا پار کر کے دوسری طرف جا رہا ہے، چنانچہ انہوں نے بھی ایک کشتی کرائے پر لی اور تیزی کے ساتھ چلیں اور دریا کے درمیان میں جا کر انہوں نے اس کی کشتی کے ساتھ اپنی کشتی ملائی اور اپنے خاوند کو پکار کر کہا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے تمہارے لئے جان کی امان مانگ لی ہے، آؤ واپس چلیں اور اب ہم اپنی زندگی مکہ میں گزاریں گے، چنانچہ ان کے خاوند ان کی کشتی میں آگئے، جب کنارے پہ واپس آئے تو انہوں نے مکہ کی طرف چلنا شروع کر دیا، ان کو راستے میں ایک جگہ رات آگئی تو میاں بیوی

نے وہ رات وہاں گزاری، وہ کئی دنوں کی جدائی کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اسلئے اس تنہائی میں ان کے خاوند نے ان سے مطالبہ کیا کہ میں آپ سے میاں بیوی والے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہوں، ام حکیمؓ اتنی دانا تھیں کہ فرمانے لگیں:

''دیکھیں! میں مسلمان ہوں اور آپ ابھی کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوئے، لہذا میں آپ کی بیوی ہونے کے باوجود اس وقت آپ پر حلال نہیں ہوں، مگر انتظار کریں جب تک کہ آپ کلمہ نہیں پڑھ لیتے۔''

چنانچہ انہوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اپنے خاوند کو لے کر مکہ آئیں، جب خاوند نے کلمہ پڑھا تو اس کے بعد میاں بیوی کی ملاقات ہوئی، اس سے اندازہ لگایئے کہ اس دور کی بیویاں دین کے معاملے میں کتنی پکی ہوتی تھیں۔

(السیرۃ الحلبیۃ ۳۳/۴۰-سبل الہدی والرشاد ۵/۲۵)

ایک دہریہ لاجواب ہو گیا

ایک مرتبہ مجھے (حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی) ٹبہ سلطان پور جانے کا موقع ملا، وہاں بیان کے بعد ایک صاحب اپنے جوان بیٹے کو لے کر میرے پاس آئے، ان کا بیٹا وکیل تھا اور وہ دہریہ بنا ہوا تھا، اس نے ماں باپ کو بہت پریشان کیا ہوا تھا، باپ نے مجھے بتایا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس نے سائنس پڑھی ہے، پتہ نہیں کہ اس کا دماغ کیسے خراب ہوا کہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالی کے وجود کو نہیں مانتا، میں نے وکیل صاحب سے بات کی تو وہ کہنے لگا، جی میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، میں جب کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہوں تو مانتا ہوں، فقط سنی سنائی بات نہیں مانتا، میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا، جب کوئی بندہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہ ہو تو اسے سمجھانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے، مجھے بھی اندازہ ہو گیا کہ اب گھی ٹیڑھی انگلی سے ہی نکلے گا، سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا، چنانچہ میں نے

اس سے پوچھا، کہ واقعی آپ سنی سنائی بات کو نہیں مانتے؟ کہنے لگا نہیں، میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، اگر چیز مشاہدے سے دیکھتا ہوں تو مانتا ہوں، ورنہ نہیں مانتا، میں نے اس کو پکا کرلیا، جب اچھی طرح پکا ہو گیا تو میں نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس سے پوچھا، وکیل! آپ کا نام کیا ہے اس نے اپنا نام بتادیا، میں نے پھر پوچھا، آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ اس نے وہ بھی بتادیا، میں نے کہا کہ جو آپ نے اپنے والد کا نام بتایا، آپ یہ کیوں مانتے ہیں کہ یہ میرے والد ہے، دیکھ کر مانا ہے یا سن کر مانا ہے؟ کہنے لگا، سن کر مانا ہے، میں نے کہا کہ پھر آپ یہ کہیں کہ مجھے اپنے باپ کا پتہ ہی نہیں .... اب تو اس کا باپ اس پر غضبناک ہونے لگا اور کہنے کہ ہاں بالکل ٹھیک ہے، اب تو کہہ دے کہ مجھے نہیں پتہ کہ میرا باپ کون ہے، چنانچہ اب وہ پریشان ہو گیا کہ اگر یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی تو میرا کیا بنے گا... وہ اسی اضطراب میں کہنے لگا، جی میری امی نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تمہارا باپ ہے، میں نے کہا، تمہاری امی تو پھر بھی جھوٹ بول سکتی ہے، اگر تم ماں کے کہنے پر باپ کو باپ مان لیتے ہو تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر اللہ تعالی کے وجود کو نہیں مان سکتے۔

تمنائے شہادت

سیدنا عمر فاروقؓ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف آرہے تھے، راستے میں رات کے وقت قیام فرمایا، رات کو جب سوئے اور تہجد کے وقت آنکھ کھلی، دیکھا کہ آسمان پر چودھویں کا چاند نور برسا رہا ہے، ماحول میں بھی ٹھنڈک تھی، ہر طرف چاندنی ہی چاندنی ہے، حضرت عمرؓ کو محسوس ہوا کہ قبولیت دعا کا وقت ہے، یہ رحمتوں کے نزول کا وقت ہے، اسی وقت آپؓ نے اللہ تعالی سے دعا مانگی اور دل کی تمنا پیش کی، اے اللہ میرے دل کی تمنا یہ ہے:

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل قبری فی بلد حبیبک

''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم کے شہر میں دفن ہونے کی سعادت نصیب فرما''۔

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دل میں کتنی تڑپ ہوا کرتی تھی، اللہ رب العزت کی محبت کا یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ اللہ کے نام پر جان بھی قربان کر دیتے تھے، اور احسان بھی اللہ تعالیٰ کا مانتے تھے، گویا زبان حال سے یہ کہتے تھے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(شرح ابوداؤد ۱۵/ ۳۱۵- صحیح بخاری ۱۸۹)

معذور صحابی کا شوقِ شہادت

اللہ رب العزت کی محبت کا راستہ بھی عجیب ہے، صحابہ کرام میں سے ایک معذور صحابی تھے، حضرت عمرو بن جموح ؓ، وہ اپنی ٹانگوں سے معذور تھے اور اپنا توازن بھی قائم نہیں رکھ سکتے تھے، ان کے چار بیٹے جہاد میں شریک تھے، ان کے دل میں تمنا اٹھی کہ میں بھی جہاد میں شریک ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے تو چار بیٹے جہاد میں شریک ہیں، آپ گھر میں ہی رہیں تو ٹھیک ہے، عرض کی کہ اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے باوجود میں جنت میں چلا جاؤں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عنایت فرما دی، گھر آئے اور اہل خانہ سے کہا کہ میرے جہاد کے سفر کی تیاری کرو، چنانچہ گھر میں تیاریاں ہونے لگیں، بیوی کا خاوند کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہوتا ہے، ان کی بیوی نے دل لگی کے طور پر ہمت باندھنے کے لئے کہہ دیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ میدان جہاد سے بھاگ کر واپس آ جائینگے، جیسے ہی یہ سنا دعا مانگی، اللھم لا تردنی الی اھلی، ترجمہ: اے اللہ! مجھے میرے اہل خانہ کی طرف نہ لوٹانا'' چنانچہ جہاد میں گئے، فقتل وقتل حتی قتل'' انہوں نے قتال در قتال کیا حتی کہ شہید ہو گئے''۔

ان کی اہلیہ جب لاش لینے کے لئے گئی تو سواری واپس چلتی ہی نہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ جانے سے پہلے گھر میں کوئی بات ہوئی؟ انہوں نے ساراواقعہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اسکی لاش بھی گھر کی طرف واپس نہیں جائیگی، جس قوم کے معذوروں کا یہ حال ہے تو اس کے صحت مندوں کا کیا حال ہوگا؟...... خدائی وعدوں، بشارتوں پر اس قدر یقین تھا اور راہِ خدا میں جان نچھاور کرنے کا وہ جذبہ تھا جس کی مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

(معازی الواقدی ۱/۲۶۶-الروض الانف ۳/۲۷۶-سبل الہدی والرشاد ۴/۲۱۴)

جس قوم کے بچوں کا یہ جذبہ ہو

جنگ بدر کے موقع پر دو چھوٹے چھوٹے بچے معاذ اور معوذؓ میدان میں کھڑے ہیں، تلوار بڑی ہے اور ان میں سے ایک کا قد اپنی تلوار سے بھی چھوٹا ہے، حضرت عبدالرحمٰنؓ ایک صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کہ میرے ساتھ کون ہیں تاکہ ہم مل کر کفار سے جہاد کریں، مجھے دو چھوٹے چھوٹے بچے نظر آئے، مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی بڑا جوان ہوتا تو اچھا تھا، اتنے میں وہ بچے میرے قریب آئے اور پوچھنے لگے کہ چچا! آپ کو پتہ ہے کہ ابوجہل کہاں ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ اتنے چھوٹے بچے اور وہ کفار کے سرغنے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، میں نے کہا کہ بچو! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ وہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے، ہم نے عہد کرلیا ہے کہ وہ زندہ لوٹ کر گھر واپس نہیں جائیگا یا ہم اپنے گھروں کو واپس نہیں جائیں گے، جس قوم کے بچوں کا یہ عالم ہو اس قوم کے جوانوں کا کیا عالم ہوگا! اور واقعی ان دو بچوں نے بالآخر ابوجہل کو مارا، جب جہاد شروع ہوا تو وہ اتنے چھوٹے تھے کہ کسی نے ان کا نوٹس ہی نہیں لیا، اور یہ اندر سے سب گھوڑوں کے درمیان سے پیدل بھاگتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر وار کیا تو گھوڑا

گرا اور گھوڑے کے گرنے سے ابوجہل بھی گرا، انہوں نے اس پر وار کر کے اسے زخمی تو کر دیا مگر یہ اتنے چھوٹے تھے کہ اس کا گلا بھی کاٹ نہیں سکتے تھے، عبداللہ بن مسعودؓ کو اللہ نے یہ سعادت عطا فرمائی، وہ آگے بڑھے اور انہوں نے ابوجہل کا گلا کاٹ دیا۔

(عیون الاثر ۳۴۲-السیرۃ لابن حبان ۱۵۷-ولائل النبوۃ لابن نعیم ۱/۴۹۶)

حسین احمدؒ مدنی کفن بردوش جا پہنچے

ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ پر غداری کا مقدمہ چلا اور فرنگی کی عدالت (جناح) ہال کراچی میں ان کی پیشی ہوئی، مولانا محمد علی جوہر اور بہت سارے دوسرے اکابرین بھی وہاں جمع تھے، فرنگی نے بلایا اور کہا کہ حسین احمد! یہ جو تم نے فتوی دیا ہے کہ انگریز کی فوج میں شامل ہونا حرام ہے، اسکی اجازت نہیں، تمہیں پتہ ہے کا اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں مجھے پتہ ہے اس کا نتیجہ کیا ہے، اس نے پوچھا کہ کیا نتیجہ ہے؟ حضرت کے کندھے پر ایک سفید چادر تھی، حضرت نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کا نتیجہ ہے، فرنگی نے کہا کہ کیا مطلب؟ فرمایا کہ کفن ہے، میں اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں تا کہ تم اگر مجھے پھانسی بھی دے دو گے تو کفن میرے پاس ہوگا، مولانا محمد علی جوہر نے حضرت کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا کہ حضرت! تھوڑا سا ذو معنی سا جواب دے دیں جس سے آپ بچ جائیں، کیونکہ ہمیں آپ کی بڑی ضرورت ہے، آپ ہمارے سر کا تاج ہیں، آپ جیسے اکابر ہمیں پھر نہیں ملیں گے، مگر حضرت مدنیؒ کی اس وقت عجیب شان تھی۔ سبحان اللہ!

فرنگی کہنے لگا: حسین احمد! تمہیں کفن لانے کی کیا ضرورت تھی؟ جس کو حکومت پھانسی دے اس کو کفن بھی حکومت دیتی ہے، حضرت مدنیؒ نے فرمایا: اگرچہ کفن حکومت دیتی ہے، لیکن میں اپنا کفن اس لئے لایا ہوں کہ فرنگی کے دئے ہوئے کفن میں مجھے اللہ کے حضور جاتے ہوئے شرم آتی ہے، میں قبر میں تمہارا کفن بھی لے کر جانا نہیں چاہتا۔

ہمارے اکابر کیا استقامت کے پہاڑ تھے....! اللہ اکبر کبیرا

حضرت عبداللہ بن حذافہ کی استقامت

سیدنا عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں ایک جنگ میں اسی (۸۰) مسلمان گرفتار ہو گئے، ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بھی تھے انہیں ہرقل بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے چاہا کہ میں ان کو قتل کروادوں چنانچہ اسنے ان کو خوفزدہ کرنے کیلئے ایک دو اور بندوں کو قتل کروادیا، پھر اس نے ان سے کہا کہ تم ہمارے دین کو قبول کرلو، ہم تمہیں چھوڑ دینگے، انہوں نے فرمایا، نہیں ....فاقض ما انت قاض (تو جو کرنا چاہتا ہے کرلے)....میں اپنے دین سے پیچھے نہیں ہٹوں گا، بالآخر ہرقل نے عبداللہ بن حذافہؓ کے بارے میں کہا کہ ان کو لے جا کر قتل کر دیا جائے، جب ان کو جلاد پکڑ کر لے جانے لگے تو ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے، ہرقل بادشاہ کو بتایا گیا کہ یہ بندہ تو رو رہا ہے لگتا ہے یہ موت سے ڈر رہا ہے، آپ اس سے بات کریں، یہ آپ کے دین پر آجائیگا، چنانچہ جب ہرقل نے بات کی تو جواب میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے فرمایا، اے بد بخت! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں، نہیں، میرے ذہن میں ایک بات آئی جس نے میری آنکھوں سے آنسو ٹپکا دیئے، اس نے پوچھا، آپ کے ذہن میں کیا بات آئی ہے؟ عبداللہ بن حذافہؓ نے جواب میں فرمایا کہ میری ایک جان ہے، تو مجھے ایک مرتبہ قتل کروائیگا اور یہ جان چلی جائیگی، اے کاش! میرے بدن پر جتنے بال ہیں اتنی جانیں میرے پاس ہوتیں، تو اتنی ہی مرتبہ مجھے قتل کرواتا اور میں اتنی جانیں اللہ کے نام پر قربان کر دیتا.... بادشاہ ان کا جواب سن کر بڑا حیران ہوا، ادھر سے اس کو حضرت عمرؓ کا خط بھی پہنچ گیا، اس خط میں لکھا تھا کہ تم ان مسلمانوں کو چھوڑ دو، ورنہ ہم بھی تم سے نمٹنے کیلئے آرہے ہیں، یہ خط پڑھتے ہی وہ اندر سے خوفزدہ ہو گیا، چنانچہ اس نے سوچا کہ میں ان کو کسی بہانے سے چھوڑ دوں گا، لہٰذا عبداللہ بن حذافہ کو بھرے بھرے بازار میں لایا گیا، ہرقل انہیں کہنے لگا، تم ہمارے دین پر آجاؤ، انہوں نے جرات کے ساتھ فرمایا، میں تمہارے دین پر نہیں آتا پھر ہرقل نے کہا، تم میری پیشانی کو بوسہ

دو، انہوں نے فرمایا کہ اے بد بخت! تو اللہ کا باغی اور نافرمان ہے، میں تیری پیشانی پر بوسہ کیسے دوں؟ میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا، پھر وہ کہنے لگا، اگر تم میری پیشانی کو بوسہ دو گے تو میں تمہیں بھی چھوڑ دوں گا اور تمہارے ساتھ اسّی (۸۰) آدمیوں کو بھی چھوڑ دوں گا، چنانچہ جب اسّی (۸۰) ایمان والوں کی جان کا معاملہ آیا تو عبداللہ بن حذافہؓ آگے بڑھے اور انہوں نے ہرقل کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس کے بعد بادشاہ نے ان سب حضرات کو رہا کر دیا، ان کا یہ عمل سیدنا عمر بن الخطابؓ کو اتنا پسند آیا کہ جب یہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے عبداللہ بن حذافہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ جب تمہاری اپنی جان کا مسئلہ تھا تو تم ڈٹ گئے تھے اور کہا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا لیکن اسی (۸۰) ایمان والوں کا مسئلہ آیا تو تم نے اسی (۸۰) ایمان والوں کی جان بچالی، تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند آیا.... بعد میں صحابہ کرامؓ انکو چھیڑا کرتے تھے، وہ کہتے تھے ذرا اسکو دیکھو، یہ کافر کی پیشانی کو بوسہ دینے والا ہے، اور وہ سن کر جواب میں کہتے تھے، ہاں بوسہ تو دیا تھا لیکن اسی (۸۰) ایمان والوں کو بھی تو بچایا تھا.... اللہ اکبر! ان کے ایک بوسے میں اتنی طاقت تھی کہ اسی (۸۰) ایمان والوں کو بچایا۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/۱۴-مختصر تاریخ دمشق ۴/۱۵۸)

درخت سے سری سقطیؒ کی گفتگو

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر پر جا رہا تھا، راستے میں تھک گیا اور ایک درخت کے سایے میں آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے درخت سے آواز آتے سنی .... یہ جو اللہ والے ہوتے ہیں، ان کو بعض اوقات اللہ تعالیٰ سمعی یا بصری کشف عطا فرما دیتے ہیں، وہ عجیب سی آوازیں سنتے ہیں جو ہم نہیں سن پاتے.... تو فرماتے ہیں کہ وہ درخت مجھ سے گفتگو کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: یاسری کن مثلی ''اے سری! تو میرے جیسا ہو جا''

فرماتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا کہ یہ درخت مجھے کہہ رہا ہے کہ اے سری! تو

میرے جیسا ہو جا، تو میں نے اس درخت سے مخاطب ہو کر کہا: **کیف اکون مثلک؟** میں تیرے جیسا کیسے بن سکتا ہوں؟ تو درخت نے جواب میں کہا: **ان الذین یرموننی بالاحجار فارمیھم بالاثمار** جو لوگ میری طرف پتھر پھینکتے ہیں میں ان لوگوں کی طرف اپنے پھل لوٹا تا ہوں،، تو بھی میرے جیسا ہو جا، تجھے بھی لوگ پتھر ماریں گے اور تو بھی ان پتھروں کے جواب میں اپنا پھل لوٹا دینا، ان کے ساتھ حسن خلق سے پیش آنا، فرماتے ہیں کہ میں درخت کا جواب سن کر بڑا حیران ہوا کہ درخت نے کیا عجیب بات کہی! لیکن فوراً میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اگر یہ درخت اتنا اچھا ہے کہ پتھر مارنے والوں کو بھی اپنا پھل کھلاتا ہے تو پھر اس درخت کو اللہ نے آگ کی غذا کیوں بنایا؟ فرماتے ہیں کہ جب میرے ذہن میں یہ خیال آیا تو میں نے درخت سے یہ سوال پوچھا، "**فکیف مصیرک الی النار**" اے درخت! پھر یہ بتا کہ اللہ نے تجھے آگ کی غذا کیوں بنا دیا؟ یعنی اگر تم اتنے ہی اچھے تھے تو تم آگ کی غذا کیوں بن گئے؟ کہتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں گویا ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ سری! میرے اندر خوبی بھی بڑی اچھی ہے کہ لوگ مجھے پتھر مارتے ہیں اور میں انہیں پھل دیتا ہوں، لیکن میرے اندر ایک خامی بھی بہت بری ہے جس نے میری تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا، پوچھا: کون سی خامی ہے؟ درخت کہنے لگا: **فاملیت بالھواء ھکذا ھکذا** جدھر کی ہوا چلتی ہے میں ادھر کو ڈول جاتا ہوں، سری! میرے اندر استقامت نہیں ہے اور یہ بات میرے اللہ کو اتنی ناپسند ہے کہ میری خوبیوں کے باوجود اللہ نے مجھے آگ کی غذا بنا دیا...... لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہر اچھے اعمال میں استقامت اختیار کریں، تلاوت و ذکر اور مراقبہ میں استقامت و مداومت کے بغیر انسان کا معاملہ ترقی کے سلسلہ میں ڈانواڈول ہی رہتا ہے۔

(اللہ والوں کی کرامات ونصرت کے حیرت کن واقعات ۱۴۲)

کینسر کے مریض کی قوت ارادی

اٹلی کا رہنے والا ایک آدمی تھا، اس نے عربی زبان سیکھی، اس کو ہربل میڈیسن کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا، عربی سیکھنے کے بعد وہ ایک لائبریری میں گیا، اسے وہاں پر عربوں کی یونانی حکمت کی کتابیں مل گئیں، اس نے چند کتابوں کا اطالوی زبان میں ترجمہ کر دیا، جب ترجمہ ہوا تو لوگوں نے اس کی کتاب ہاتھوں ہاتھ خرید لی، پورے ملک میں اس کی شہرت ہوگئی کہ اس نے کتنا اچھا کام کیا کہ اس نے ایسا علم ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کر دیا۔

جب ہر طرف اسکی تعریفیں ہو رہی تھیں تو اس بندے کی طبیعت خراب ہوگئی، ڈاکٹر کے پاس تشخیص کے لئے گیا تو ڈاکٹر نے تشخیص کی کہ آپ کو کینسر ہے اور یہ کینسر اتنا پھیل چکا ہے کہ ہمارے خیال میں دو سال کے اندر آپ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک پہونچ جائینگے، اس سے زیادہ آپ زندہ نہیں رہ سکتے۔

جب ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کی زندگی اب دو سال باقی ہے، بیماری بڑھ جائیگی اور علاج نہیں ہو سکے گا تو اس بندے نے سوچا کہ مجھے اتنے تھوڑے وقت میں بہت سارے کام کرنے ہیں، لہٰذا مجھے پریشان ہونے کے بجائے زیادہ کام کرنا چاہیے۔

چنانچہ وہ کینسر کا مریض لائبریریوں میں گیا اور اس نے یونانی حکمت کی عربی کتابیں ڈھونڈھنا شروع کر دیں، بالآخر اس نے اسی (۸۰) کتابیں ڈھونڈھ نکالیں، جو عربی زبان میں تھیں اور اطالوی زبان میں ان کا ترجمہ کیا جانا بہتر تھا، پھر اس نے اپنے ساتھ ترجمہ کرنے والوں کی ایک ٹیم بنالی، ان سے اس نے کہا کہ جو اصطلاحات ہیں ان کا ترجمہ میں کروں گا اور جو سیدھے سیدھے فقرے ہیں ان کا ترجمہ آپ کرتے جائیں، اس طرح اس کا کام تیز ہو گیا، اندازہ لگائیے کہ اس بندے نے دو سالوں میں اسی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان سے اطالوی زبان میں کر دیا اور ورلڈ بک آف ریکارڈ میں اس بندے کا

نام لکھا گیا۔

پھانسی کا پھندا اور حضرت سعیدؒ

حضرت سعید بن جبیرؒ بڑے تابعین میں سے ہیں، ان کو حجاج بن یوسف نے گرفتار کرالیا، اس کو آپ سے مخالفت تھی، اس لئے وہ چاہتا تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

اس نے آپ کو اپنے سامنے بلایا اور پوچھا: تمہارا نام؟

آپ نے فرمایا: سعید بن جبیرؒ

اس نے کہا: مجھے تم شقی بن کسیر لگتے ہو۔

سعید کے بالمقابل شقی جس کا معنی ہے ''بد بخت'' اور جبیر کہتے ہیں ''اصلاح کی ہوئی چیز'' اور کسیر کسر سے ہے جس کا معنی ہے ٹوٹی ہوئی چیز۔

انہوں نے جواب دیا: جس ماں نے میرا نام رکھا وہ مجھے تم سے بہتر جانتی تھی۔

حجاج نے کہا: تو بھی بد بخت، تیری ماں بھی بد بخت۔

انہوں نے آگے سے جواب دیا: غائب کا علم اللہ کے پاس ہے۔

اس نے غصے میں آ کر کہا: میں ابھی تجھے جہنم رسید کرتا ہوں۔

تو جواب میں فرمانے لگے: اگر میں تجھے اتنے اختیار والا سمجھتا کہ تو مجھے جہنم میں بھیجنے کے قابل ہے تو میں تجھے سجدہ کرنا شروع کر دیتا۔

اس جواب پر وہ بڑا زچ ہوا، حالانکہ کہ موت کے وقت تو بندے کا گلا ہی خشک ہو جاتا ہے، آواز ہی نہیں نکلتی اور ان کو دیکھیں کہ شیر کی طرح آگے سے گرج کر جواب دے رہے ہیں۔

حجاج کہنے لگا: اچھا تو تم کیسے قتل ہونا پسند کرو گے؟

جواب میں فرمانے لگے: جیسا آپ خود قتل ہونا پسند کریں، میں بھی ویسے ہی پسند کروں گا۔

بڑا پریشان ہوا، کہنے لگا: اچھا میں جلاد کو بلاتا ہوں، اس نے جلاد کو بلایا اور کہا کہ اس کو قتل کر دو! تو جیسے انہوں نے سنا تو وہ تیار ہونے لگے۔

حجاج نے پوچھا: تمہاری کوئی آخری خواہش اور تمنا؟

فرمایا: ہاں! دو رکعت نفل پڑھنا چاہتا ہوں۔

کہنے لگا: ٹھیک ہے پڑھ لو۔

انہوں نے دو رکعت تو پڑھیں مگر بڑی خفیف اور ہلکی، جلدی جلدی مکمل کر لیں۔

اس پر حجاج بڑا حیران ہوا اور کہا: مشہور تو ہے کہ تم بڑی لمبی نماز پڑھتے ہو اور آج تو دو رکعت تم نے بڑی ہلکی پڑھیں، اس کی کیا وجہ؟

جواب میں فرمایا: میں نے آج نماز ہلکی اس لئے پڑھی کہ تمہارے دل میں یہ گمان نہ ہو کہ موت کے ڈر کی وجہ سے یہ اپنی نماز لمبی کر رہا ہے، اس لئے مختصر نماز پڑھی۔

اس نے کہا: اچھا اس کو لٹاؤ!

جب انہوں نے آپ کو لٹایا تو انہوں نے فوراً اپنا چہرہ قبلے کی طرف کیا اور یہ پڑھا:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض (انعام ۷۹)

''سب سے یکسو ہو کر میں نے اپنے منہ کو اسی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائی''

اس پر اس کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ اس کا چہرہ قبلے کی طرف سے پھیر دو، تو لوگوں نے ان کا چہرہ قبلے کی طرف سے پھیر کر رخ بدل دیا، تو وہ پڑھنے لگے:

فاینما تولوا فثم وجه اللّٰه (البقرة ۱۱۵)

''پس تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے''

اس نے کہا کہ اس کا چہرہ زمین کی طرف کر کے اوندھا لٹا دو، جب ان کو اوندھا لٹایا تو زمین پر لیٹ کر پڑھنے لگے:

منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری (طٰهٰ ۵۵)

''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور دوبارہ اسی سے نکالیں گے،

جب انہیں شہید کیا گیا تو اتنا خون نکلا اتنا خون نکلا کہ جگہ ہی ساری خون سے بھر گئی، لوگ بھی حیران اور حجاج بن یوسف بھی حیران تھا، اس نے اطباء سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بڑے لوگوں کو قتل کیا گیا مگر بس تھوڑا سا خون نکلتا تھا، لیکن آج تو اتنا خون نکلا کہ حیران ہیں، اطباء نے جواب دیا کہ علم طب کی رو سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ پہلے لوگوں کو جو قتل کیا جاتا تھا، ان کے دل میں موت کا خوف سوار ہوتا تھا، اس خوف کی وجہ سے ان کا خون خشک ہو جاتا تھا، تو قتل کرنے کے باوجود تھوڑا سا خون نکلتا تھا، اس بندے کو جو قتل کیا گیا تو لگتا ہے کہ موت کا خوف تھا ہی نہیں، لہٰذا جتنا خون تھا اصل حالت میں باقی رہا اور ان کی شہادت کے بعد سارا خون جسم سے باہر نکلا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ موت کا خوف ان کے دلوں میں تھا ہی نہیں، کیسے لوگ تھے!

(حلیۃ الاولیاء ۴/ ۲۹۰- سیر اعلام النبلاء ۴/ ۳۳۰- سیر السلف ۳۷۸)

میرے مالک کے ہر کام میں خیر ہی خیر......

ایک بندہ کا یہ یقین تھا کہ اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے، اب اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ ایک دن اس کا گدھا مر گیا، بیوی بڑی پریشان ہوئی، اس نے بیوی کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو اللہ جو بھی کرتا ہے اسی میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے، وہ بیچاری چپ کر گئی، اب اگلا دن ہوا تو ان کا کتا مر گیا، بیوی نے کہا کہ دیکھو کسی نے کچھ کر دیا ہے، کوئی دشمن ہے جس نے کوئی جادو ٹونا کر دیا ہے، آج کل کی عورتیں ایسے ہی کہتی ہیں، اس نے کہا فکر نہ کرو اسی میں ہمارے لئے خیر ہے، پھر دو تین دن گزرے ان کا مرغا بھی مر گیا، اب تو بیوی کو بڑا غصہ آیا، کہتے ہو اس میں خیر ہوگی، ہماری ہر چیز مرنے میں خیر ہے، گدھا مر گیا خیر ہے، کتا مر گیا خیر ہے، لو آج یہ بھی مر گیا، اب پھر تیری باری ہے یا میری باری ہے، اس نے کہا: اللہ کی بندی اس میں بھی خیر ہوگی (خیر وہ چیخی چلائی تو بہت مگر کبھی بیویوں کا چیخنا چلانا برداشت بھی کرنا پڑتا ہے،

بچے بھی تو چیختے چلاتے ہیں، جب عقل پختہ نہیں ہوتی تو بیویاں بھی چیختی چلاتی ہیں، اس لئے نبی علیہ السلامﷺ نے انہیں ''ناقصات العقل'' فرمایا: تو ہمیں قطعاً غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے شور کو برداشت کر لینا چاہئے) دو تین دن گزرے رات کو یہ میاں بیوی سوئے تو اس گاؤں کا کچھ قبیلہ والوں کے ساتھ دشمنی کا معاملہ تھا، تو ان دشمنوں نے ان پر ہلہ بولا اور ان کے تمام گھر لوٹ کے لے گئے، مردوں کو قتل کر دیا، جوانوں کو قتل کر دیا، عورتوں کی عزتیں لوٹیں، تباہ و برباد کر دیا پوری بستی کو، مگر اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ میاں بیوی سوئے رہے، انہیں پتہ ہی نہیں چلا، صبح وہ اٹھے ساری بستی کو اجڑا دیکھا حیران پریشان کہ کیا ہوا؟ پتہ چلا کہ دشمنوں نے یہ کاروائی کی، کچھ دن کے بعد کسی نے دشمنوں کو بات پہنچائی کہ تم نے پورے گاؤں والوں کو مار ڈالا، گھر لوٹ لئے، عزتیں لوٹ لیں، لیکن دو میاں بیوی تو بچ گئے، انہوں نے کہا اصل وجہ یہ تھی کہ ہم نے جب ادھر حملہ کیا تو کسی گھر میں سے گدھا بولا کسی میں سے کتا بولا، کسی میں سے مرغا بولا، تو جدھر سے کوئی بولتا رہا ہم سمجھتے رہے ادھر گھر والے ہیں، ہم ان کو ختم کرتے گئے، ادھر سے کوئی آواز ہی نہیں آئی ہم نے سمجھا گھر والے بھاگ گئے ہیں اسی طرح ان لوگوں کی جان بچ گئی...... اس سے اندازہ لگائیے اللہ پاک جو کرتے ہیں اس میں کوئی نہ کوئی خیر ضرور پوشیدہ ہوتا ہے، خواہ بندے کی عقل وہاں تک پہنچ پائے یا نہیں۔

(نزہۃ المجالس ۱/۱۴۹)

میں جانور کی بولی سمجھنے لگوں

حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ایک بندہ تھا، اس کو پتہ چلا کہ موسیٰؑ کوہ طور پر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرتے ہیں، اب اس کو شوق تھا پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا، جیسے کچھ لوگوں کو جن دیکھنے کا شوق ہوتا ہے، اللہ کی شان دیکھو، اس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: حضرت اب جب کوہ طور پر جائیں نا تو میرے لئے دعا کرنا مجھے جانور کی بولیاں سمجھ میں آجائیں علمناه منطق الطير کا معاملہ میرے ساتھ بھی ہو جائے، حضرت موسیٰؑ نے دعا

کردی چلو جی اس کو بولیوں کا علم مل گیا، اب اگلے دن وہ اٹھا صبح سویرے اس نے ناشتہ کیا، کچھ ٹکڑے کھانے کے بچے ہوئے تھے، اس نے جو باہر صحن میں پھینکے، تو مرغا اڑ کے آیا اور آ کے اس نے روٹی کے ٹکڑے کو اچک لیا، ادھر سے کتا بھی بھاگا مگر کتے سے پہلے مرغا لے گیا، کتے نے اسے کہا یار! کچھ احساس تو کرو میں ساری رات کا جاگا ہوا ہوں، میں یہاں کا سیکورٹی گارڈ ہوں، میری نائٹ شفٹ تھی، اب میرے سونے کا وقت تھا، تم مجھے کھا کر سونے دیتے، تمہیں تو دن میں کچھ اور بھی مل جائیگا، مرغے نے کہا فکر نہ کر انکے پاس ایک گھوڑا ہے آج وہ مریگا، تجھے بڑا گوشت مل جائیگا، تو فکر کیوں کرتا ہے؟ اسنے کہا بہت اچھا اب جب اس نے بات سن لی تو بڑا فکرمند ہوا کہ میرے گھوڑے نے مرجانا ہے، یہ گیا اور گھوڑے کو جا کر بیچ آیا، کہنے لگا دیکھو مجھے کتنا فائدہ ہوا میں نقصان سے بچ گیا، اگلا دن ہوا، پھر اسی طرح کا واقعہ پیش آیا کہ اس نے ناشتہ کر کے کچھ ٹکڑے باہر پھینکے، ادھر سے کتا ادھر سے مرغے نے جھپٹا لگایا اور لے گیا، تو کتے نے کہا کہ یار تم بہت ہی غیر ذمہ دار بندے ہو، کل بھی میں بھوکا رہا، آج تو مجھے کھانے دیتا، اس نے کہا فکر نہ کر اب ان کے گھر میں ایک گدھا ہے وہ مریگا اور تیرے مزے ہونگے، مالک نے سنا اچھا گدھا بھی مرجائیگا، چنانچہ وہ جناب گدھے کو بھی لے کر گیا اور جا کے بازار میں بیچ آیا، بیوی کو آ کر کہا دیکھو کتنا فائدہ ہے مجھے بولیاں سمجھنے کا ہم کتنے نقصان سے بچ گئے، بیوی نے کہا واہ بھئی واہ کیا بات ہے، اب تیسرا دن آیا، تیسرے دن جب اس نے ٹکڑا پھینکا تو کتے نے بھی جھپٹا مارا مگر مرغا تیز تھا وہ نکال کر لے گیا، اس نے کہا یار بڑے جھوٹے ہو، ویسے تم اذانیں دیتے ہو اور حال تمہارا یہ ہے کہ جھوٹ بولتے ہو، دو دن جھوٹ بولا تم نے، مرغے نے آگے سے جواب دیا کہ میں جانوروں کی دنیا کا موذن ہوں، مجھے جھوٹ بولنا زیب نہیں دیتا، یاد رکھنا موت آج اس مالک کو آنی ہے، یہ مریگا اور پھر کھانے بنیں گے اور پھر بہت ساری ہڈیاں بھی ہونگی، آج تیرا سارا دن مزے کا ہوگا اس نے جب سنا کہ میری باری ہے بڑا پریشان ہوا، حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا، حضرت! آج تو مرغے نے یہ کہہ دیا، موسیٰؑ نے بھی ملک الموت کو آتے دیکھ لیا، انہوں

نے فرمایا دیکھ تیرے مقدر میں لکھا ہوا تھا کہ تیرے گھر میں موت آنی تھی، مخصوص نہیں تھا کہ کس کو آنی تھی، اللہ تعالیٰ نے تیرے گھوڑے پر موت ڈال دی، اب تو بڑا اسمارٹ بنا گھوڑے کو بیچ آیا، اس موت کو اللہ نے گدھے پر شفٹ کر دیا تو پھر سمارٹ بنا گدھے کو بیچ آیا، اللہ نے اس کو تجھ پر منتقل کر دیا، اب ملک الموت صاحب آئے اور اسکی جان نکال کر لے گئے۔

تو ایک سبق ملا کہ اللہ جو کرتا ہے، اس میں بندے کی خیر ہوتی ہے، تو معلوم ہوا کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی تقدیر پر راضی رہے، اس یقین کو مضبوط بنا لیجئے۔

حکایات کا انسائیکلو پیڈیا حکایات رومی ۱۴۹

دلِ پُر نور میں کہیں غیر کا خوف

ایک بزرگ تھے، جن کا نام بنان حمال (متوفی ۳۱۶ھ) ہے، ان کو ابن طولون بادشاہ نے بلوایا اور غصے میں ان کو بھوکے شیر کے آگے ڈال دیا، اور کہا کہ میں خود بھی تماشا دیکھوں گا، جب انہیں شیر کے پنجرے میں ڈال دیا گیا تو شیر آیا اور اُن کے قدموں میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے کتا اپنے مالک کے پاؤں چاٹنے لگ جاتا ہے، وزیر بڑا سمجھدار تھا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ دیکھو! یہ کوئی اللہ کا مقبول بندہ ہے، اس سے ابھی معافی مانگ لو، ورنہ اگر انہوں نے بددعا کر دی تو تمہاری آئندہ نسل ہی برباد ہو جائیگی، بادشاہ نے اسی وقت ان بزرگ کو بلوایا اور اپنی پگڑی ان کے قدموں میں رکھ دی اور معافی مانگی اور ان سے کہا کہ میں آپ کو واپس گھر بھیج رہا ہوں، چنانچہ وہ گھر پہنچ گئے، اب بیوی تو سمجھ رہی تھی کہ میرے خاوند کو آج شہید کر دیا گیا، لیکن جب اچانک اس نے اپنے خاوند کو دیکھا تو بڑی حیران ہوئی، اور پوچھا کہ آپ زندہ سلامت کیسے واپس آ گئے؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ یہ واقعہ پیش آیا اور بادشاہ نے مجھے گھر بھیج دیا۔

اب بیویاں تو پھر بیویاں ہوتی ہیں، اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور خاوند

سے کہنے لگی کہ اچھا! ایک بات ذرا سچ سچ بتانا، انہوں نے کہا کہ کیا بات؟ کہنے لگی کہ جب بھوکا شیر تمہاری طرف آیا تھا تمہیں ڈر تو بہت لگا ہوگا، تو بتاؤ کہ اس وقت کیا سوچ رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب شیر میری طرف آ رہا تھا تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں کہ شیر کا لعاب پاک ہوتا ہے یا ناپاک ہوتا ہے، یعنی ذرا برابر بھی ان کے دلوں میں خوف نہیں تھا، یہ تھے ہمارے اکابر۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۲۳/۵۰۹-طبقات الاولیاء ۱۹-سیر اعلام النبلاء ۱۴/۴۸۹)

حضرت فاروقؓ کے سامنے دیہاتی کی بیباکی

حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے چادریں آئیں، آپؓ نے صحابہ کرامؓ پر ایک ایک چادر کر کے تقسیم فرما دیں، پھر جمعہ کے روز منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا، آپؓ نے دو چادریں زیب تن کی ہوئی تھیں، فرمایا: خبردار سنو! خبردار سنو!! پھر نصیحت فرمائی: حضرت سلمانؓ اٹھے اور کہا: واللہ ہم نہیں سنیں گے، پوچھا: کیوں؟ کہا: اسلئے کہ آپ نے ہمیں ایک ایک چادر دی اور خود دو چادریں لیں، حضرت عمرؓ مسکرائے اور کہا: اے ابو عبداللہ! تو نے جلدی کی، اللہ تجھ پر رحم فرمائے، میں نے اپنے کپڑے دھوئے تھے، اسلئے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کی چادر مستعار لی اور اپنی چادر کے ساتھ اسے بھی اوڑھ لیا، حضرت سلمانؓ نے کہا: آپ کہئے اب ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

(عیون الاخبار ۱/۲۳-صفۃ الصفوۃ ۱/۵۳۵-محض الصواب فی فضائل عمر ۲/۵۷۹)

عمرو بن ہشام کی ایمان سے محرومی

عمرو بن ہشام کا شمار مکہ کے انتہائی دانا لوگوں میں ہوتا تھا، اس کو اپنے آپ پر اتنا ناز تھا کہ سیدنا عمر فاروقؓ کا نام بھی عمر تھا، مگر وہ کہتا تھا کہ مجھے عمر کہنا چاہیے اور آپ کو اسم تصغیر کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے، چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو ایمان لانے سے پہلے

عمیر کہا جاتا تھا، وہ انہیں عمر نہیں کہلوانے دیتا تھا، وہ کہتا تھا کہ عمر میں ہوں، وہ اتنا دانا تھا کہ جو معاملات لوگوں سے نہیں سمٹتے تھے وہ اکیلا سمیٹ دیتا تھا، اس لئے لوگوں نے اس کا نام ''ابا الحکم'' (داناؤں کا باپ) رکھا اور جب اس نے دین کو قبول نہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابوجہل رکھ دیا، یعنی تو جاہلوں کا باپ ہے۔

دیکھیں کہ قابلیت اتنی کی وہ قریش کا سردار ہے اس کی پرسنیلٹی (شخصیت) کتنی خوبصورت ہے، اس کے مال ودولت ہے، لوگ اس کے اشارے پر ناچنے کو تیار ہیں مگر اللہ رب العزت کے یہاں قبولیت حاصل نہ ہوئی اور وہ اس دنیا سے ایمان کے بغیر رخصت ہوگیا۔

(المفصل فی تاریخ العرب ۷/۱۰۵)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

علم

اللہ اللہ اللہ

علوم دینیہ

علم کے متلاشی کے لئے احتیاط

☜ عبدالرحمٰن بن قاسمؒ فرماتے تھے کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں بیس سال تک رہا، ان میں سے اٹھارہ سال ادب واخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور دو سال علم کی تحصیل میں، حضرت شعبیؒ فرماتے تھے کہ علم حاصل کرتے ہوئے روتے رہا کرو، کیونکہ تم فقط علم حاصل نہیں کر رہے، بلکہ اپنے اوپر حجت الٰہی کو اچھی طرح قائم کر رہے ہو۔

(آداب المتعلمین ۲۱)

☜ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کے حالات میں ہے کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں بازار سے صرف روٹی خریدتے اور سالن اس وجہ سے نہ لیتے تھے کہ دوکانوں میں جو سالن پکتا تھا اس میں اچور کا ڈالنا لازم تھا اور آموں کے باغات کی بیع کا جو رواج تھا وہ شرعاً ناجائز تھا، اسلئے سالن کے بغیر ہی روٹی کھا لیتے تھے۔

(آداب المتعلمین ۲۲)

☜ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ مدرسہ کے کسی کام کی وجہ سے کلکتہ گئے، احتیاط کا یہ عالم کہ وہاں کسی عزیز سے ملنے گئے تو رکشتہ کے پیسے اپنے پاس سے دیئے، حالانکہ ان سے ملنے میں مدرسہ کا بھی فائدہ تھا۔

(آداب المتعلمین ۲۲-اساتذہ کے لئے تربیتی واقعات ۲۵۰-
اکابر علماء دیوبند ۳۵)

☜ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مدرسہ کی کوئی چیز اپنے اوپر استعمال نہیں کرتے تھے، حتی کہ مدرسہ کے فرش پر بھی مدرسہ کے کام کے علاوہ نہیں بیٹھتے تھے۔

(آداب المتعلمین ۲۲)

بعض حضرات کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ناظم مطبخ بنتے مگر کھانا گھر سے منگا کر کھاتے۔

(اساتذہ کے لئے تربیتی واقعات ۲۵۲)

☜ ایک طالب علم نے نماز عشاء سے تھوڑی دیر بعد ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ جلایا اور مطالعہ کے لئے بیٹھ گیا، اتفاق سے ایک شخص وہاں موجود تھے، انہوں نے وجہ دریافت کی تو طالب علم نے کہا کہ یہ مسجد کا چراغ ہے، جتنی دیر اس کے جلنے کی اجازت ہے اتنی دیر اس کو جلاتا ہوں، بعد میں اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرتا ہوں۔

(آداب المتعلمین ۲۵)

☜ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم طالب علمی کے زمانہ میں صاحب نسبت نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا، طالب علم کو چاہئے کہ اتباعِ سنت کا بہت التزام کرے، دو طالب علموں نے تحصیل علم کے لئے سفر کیا، جب دو سال کے بعد واپس آئے تو ایک فقیہ کامل تھا اور دوسرا علم وکمال سے خالی تھا، شہر کے علماء نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو فقیہ کامل بنا وہ اتباع سنت کا زیادہ اہتمام کرتا تھا۔

(آداب المتعلمین ۲۵،۲٦)

امام بخاریؒ نے تھیلی دریا میں ڈال دی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے، ایک مرتبہ کشتی میں سفر کر رہے تھے، اس وقت ان کے پاس ایک ہزار اشرفی تھے، راستے میں ایک بندے نے ان کے ساتھ

بات چیت کرنا شروع کر دی، باتوں باتوں میں انہوں نے تذکرہ کر دیا کہ میرے پاس اتنی رقم ہے، بس ایسے ہی برسبیل تذکرہ بات کر دی، وہ کوئی بڑا شاطر انسان تھا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے شور مچا دیا کہ میرے پاس ایک تھیلی تھی وہ کسی نے چوری کر لی ہے، اس میں میرے چھ ہزار دینار تھے، لوگوں نے پوچھا کہ وہ تھیلی کس رنگ کی تھی؟ اس نے کہا: وہ اس رنگ کی تھی، کیونکہ اسے پتہ تھا کہ ان کے پاس اس رنگ کی تھیلی میں اتنے ہزار دینار ہیں، جب اس نے شور مچایا تو کشتی کے سب لوگ کہنے لگے کہ سب کی لاشی لو تا کہ پتہ چلے کہ وہ کہاں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے، انہوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اگر لوگ تلاشی لیں گے اور انہیں میرے پاس سے تھیلی مل جائے گی، تو مجھے سب لوگ چور سمجھیں گے، اس بندے کو پکا پتہ تھا کہ میرے رشتہ دار بھی میرے ساتھ ہیں، جب ان کی تلاشی لی جائے گی اور ان کے پاس اسے پائیں گے تو لے لیں گے، چنانچہ انہوں نے تلاشی لینا شروع کر دی، جب تلاشی لیتے لیتے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور ان کی تلاشی لی تو ان کے پاس بھی تھیلی نہیں تھی، پوری کشتی میں سے تھیلی کہیں سے نہ ملی، اس نے اپنی جھوٹی اور بناوٹی پریشانی کا مزید اظہار کیا۔

جب کشتی کنارے پر لگی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آگے چلے تو وہ آدمی آپ کے قریب آیا، اس نے حضرت سے معافی مانگی اور کہا: جی میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، آپ اچھے بندے ہیں لہٰذا مجھے معاف کر دیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا، پھر اس نے سوال کیا: حضرت رحمۃ اللہ علیہ! آپ نے مجھے معاف تو کر دیا مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے وہ تھیلی چھپائی کہاں تھی؟ فرمایا! جب میں نے اعلان سنا کہ تھیلی چوری ہو گئی ہے تو میں سمجھ گیا تھا میں چونکہ کنارے پر بیٹھا تھا اس لئے میں نے وہ تھیلی چپکے سے دریا میں گرا دی، اس نے حیران ہو کر پوچھا: چھ ہزار دینار کی تھیلی دریا میں پھینک دی؟ فرمایا: ہاں

اگر میں اسے اپنے پاس رکھتا تو لوگ مجھے چور سمجھتے، کیا مجھ سے کوئی حدیث کی روایت کرتا؟ اگر میں ایسا نہ کرتا اور چوری کا الزام مجھ پر ثابت ہو جاتا تو میں حدیث پاک کی روایت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا، میں نے روایت حدیث والی نعمت کو بچانے کی خاطر اس مال کو قربان کر دیا۔

(امداد الباری ۱/۴۶۱)

تکرار علم

☜ عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم ام درداءؓ کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے، پھر عرض کیا کہ شاید آپ اکتا گئی ہونگی؟ فرمانے لگیں، کیا کہتے ہو، ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے، علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی۔

(آداب المتعلمین ۶۹)

☜ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ علم میں گفتگو کرتے رہا کرو، تا کہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں۔

(آداب المتعلمین ۶۹)

☜ میر سید شریف جرجانیؒ علامہ قطب الدین رازیؒ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے، انہوں نے آپ کو اپنے شاگرد عزیز مبارک شاہؒ کے پاس بھیج دیا، عام طور پر لوگ ان کو مبارک شاہ منطقی کہا کرتے تھے، انہوں نے میر صاحب کو اپنے حلقۂ درس میں صرف سماع کی اجازت دی، پوچھنے اور قرأت کرنے کی اجازت نہ دی، ایک دن مبارک شاہ رات یہ دیکھنے چپ چاپ نکلے کہ طلبہ کیا کر رہے ہیں؟ جس حجرے میں میر صاحب رہتے تھے وہاں سے آواز آ رہی تھی کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے، استاذ نے اس طرح بیان کیا ہے اور میں اس مسئلہ کی تقریر یوں کرتا ہوں، مبارک شاہؒ

کان لگا کر کافی دیر تک سنتے رہے اور محظوظ ہوتے رہے۔

(آداب المتعلمین ۱۷)

غلاموں کے سروں پر علم کا تاج

ایک مرتبہ ابن شہاب زہری عبدالملک کے دربار میں پہنچے، عبدالملک نے پوچھا: زہری! کیا تم بتا سکتے ہو کہ مسلمانوں کے مختلف شہروں میں کون لوگ مرجع انام ہیں؟ یعنی لوگ اپنے مسائل میں کن کی طرف رجوع کرتے ہیں؟ مرکزیت کن کو حاصل ہے؟.... صاف ظاہر ہے کہ جو مرجع خلائق ہوگا اس کو معاشرے میں عزت نصیب ہوگی اور لوگ انکے پاؤں کے نیچے پلکیں بچھائیں گے.... تو ان لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ زہری نے کہا: ہاں! آپ پوچھئے میں بتاتا ہوں۔

عبدالملک: تم اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟

زہری: مکہ مکرمہ سے۔

عبدالملک: مکہ مکرمہ میں کون مرجع خلائق ہے؟

زہری: عطا بن رباح۔

عبدالملک: عرب خاندان کے آدمی ہیں یا غلام؟

زہری: غلام ہے۔

عبدالملک: عطا کو یہ مقام کہاں سے ملا؟

زہری: علم دین اور احادیث کی روایت سے۔

عبدالملک: ہاں! یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو عزت بخشتی ہیں، اچھا! اب بتاؤ کہ یمن میں کون ہے؟

زہری: طاؤس بن کیسان۔

عبدالملک: عرب ہے یا کوئی غلام؟

زہری: غلام۔

عبدالملک: اچھا! یہ بتاؤ کہ مصر میں کون ہے؟

زہری: یزید بن حبیب۔

عبدالملک: عرب ہے یا کوئی غلام؟

زہری: وہ بھی غلام ہے۔

عبدالملک: اچھا! شام میں کون ہے؟

زہری: مکحول۔

عبدالملک: عرب ہیں یا غلام؟

زہری: وہ بھی غلاموں میں سے ہے۔

(اب عبدالملک کچھ پریشان سا ہو گیا اور اس کا لہجہ بدلنے لگا، چنانچہ کہنے لگا:)

عبدالملک: جزیرہ یعنی دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقوں میں کون ہے؟

زہری: میمون بن مہران۔

عبدالملک: عربی ہے یا غلام؟

زہری: غلام۔

عبدالملک: اچھا! پورے عراق کا فقیہ کون ہے؟

زہری: حسن بن ابی الحسن اور محمد بن سیرین۔

عبدالملک: دونوں کی حیثیت کیا ہے، عرب ہے یا غلام؟

زہری: غلام ہیں۔

عبدالملک: مدینہ منورہ کے فقیہ کون ہے؟

زہری: زید بن اسلم، محمد بن المنکدر اور نافع بن ابی نجیح۔

عبدالملک: ان کی حیثیت اور نسبت کیا ہے؟

زہری: یہ بھی غلام ہیں۔

(یہ باتیں سن کر عبدالملک کے لئے ہضم کرنا مشکل ہوگیا، اس کا سانس پھولنے لگا، آنکھیں کھل گئیں اور سرد آہیں بھرنے لگا، کہنے لگا: کیا مسئلہ ہے، پھر کہنے لگا)

عبدالملک: اچھا بتاؤ خراسان میں مرجع خلائق کون ہے؟

زہری: اسحاق بن مزاحم اور عطا بن عبداللہ خراسانی۔

عبدالملک: یہ کون لوگ ہیں؟

زہری: یہ بھی غلام ہیں۔

عبدالملک: ویلک، تجھ پر افسوس ہو، تیری کم بختی، تیرا ناس ہو، کوئی تو ہوتا جو عرب ہوتا، ملک کے اتنے صوبے ہیں اور ہر صوبے میں مرجع خلائق غلام ہیں۔

(عبدالملک خود بھی عرب تھا اور ترس گیا کہ کوئی تو عربی ہوتا، اب اسکے چہرے پر ایسی سیاہی چھارہی تھی کہ دیکھنے والے کو ڈر لگتا تھا)

خیر اس نے پوچھا: اچھا بتاؤ کہ کوفہ میں مسلمانوں میں مرکزی حیثیت رکھنے والا کون ہے؟

زہری: ابراہیم النخعی اور شعبی۔

(ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ اگرچہ اب بھی کسی غلام کا نام لیتا تو مجھے سزا ملتی، اگر اس وقت کوفہ کے اندر حماد بن ابی سلیمان اور حکم بن عتبہ، دونوں غلام تھے، مگر ان کے ساتھ یہ دو حضرات عربی تھے، مجھے اس وقت غلاموں کے نام لینے میں شر کے آثار نظر آرہے تھے، چنانچہ جب میں نے کہا: ابراہیم نخعی اور امام شعبی ہیں، اور یہ عربی تھے، چنانچہ جب میں نے ابراہیم نخعی کا نام لیا تو عبدالملک نے بے ساختہ نعرہ لگایا اور اسے اطمینان کا سانس نصیب ہوا)۔

عبدالملک: زہری! تو نے تو مجھے مار ہی دیا تھا کہ آج ہمارے اتنے بڑے ملک میں اس وقت کوئی ایک قاضی بھی عربی نہیں ہے، اب جا کر تم نے ایک بات سنائی جس سے غم کا بادل

میرے دل سے ہٹ گیا، اگر تم یہ آخری جواب نہ سناتے تو قریب تھا کہ میرا کلیجہ پھٹ جاتا۔

(تحفۃ الاحوذی ۱/ ۱۹ و ۷/ ۲۶۱- معرفۃ علوم الحدیث ۱/ ۲۷۷)

غلامی کے پنجڑے سے امامت کے مصلے تک

بنو قریظہ کا ایک یہودی تاجر تھا، اس کا نام سلام بن جبیر تھا، وہ شام گیا اور وہاں سے اس نے مال تجارت خریدا، وہاں ایک غلام بھی بک رہا تھا، نہ تو اسکی شکل اچھی تھی اور نہ اس میں کوئی ہنر نظر آتا تھا اور بیچنے والا بھی جان چھڑا رہا تھا، گلو خلاصی کرنا چاہتا تھا، چنانچہ وہ سستا بہت بک رہا تھا، وہ کہتے ہیں کہ سستا ہونے کی وجہ سے میں نے کہا: چلو! یہ بھی خرید لیتے ہیں، کوئی تو لے لیگا، ہوسکتا گھر میں کسی کو غلام کی اور نوکر کی ضرورت ہو۔

اس غلام کا نام سالم تھا، اسے سلام بن جبیر مدینہ منورہ لے آیا، اس کا مال تجارت تو ہاتھوں ہاتھ بک گیا، اب وہ چاہتا تھا کہ میں کام سمیٹوں اور قبیلے میں جاؤں، لیکن غلام کو کوئی نہیں خریدتا، جو آتا ہے وہ دیکھ کر کہتا ہے: نہ عقل نظر آتی ہے اور نہ شکل نظر آتی ہے، کیوں خریدیں؟ وہ اس کے لئے گلے کا کانٹا بن گیا، ایک ہفتہ دس دن وہ روز مارکیٹ جاتا اور غلام کو کوئی نہ خریدتا، وہ بڑا پریشان ہوا، حتی کہ اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ جب یہ اتنا ہی نکما ہے تو اس کو اونی پونی قیمت پہ بیچ دوں گا، جس دن اس نے یہ ارادہ کیا، اس دن مدینہ کی ایک کنواری لڑکی جس کا نام ثبیتہ (باوقار) تھا، وہاں سے گزری، اس نے پہلے بھی کئی مرتبہ اس غلام کو دھوپ کے اندر بازار میں کھڑے دیکھا تھا،....وہ نوجوان بچی تھی، عورت ذات تھی، دل نرم تھا، اسے اس پر رحم آ گیا،....اس نے سلام سے پوچھا: کیا تم اس لڑکے کو بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں اسے بیچنا ہی نہیں چاہتا بلکہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہوں، پوچھا: کتنے پیسے لوگے؟ اس نے کہا: جتنے میں، میں نے خریدا ہے اور راستے میں جو اس پر خرچ کیا ہے بس خرچہ دو اور لے جاؤ، لو جی! اس نے تھوڑی سی قیمت مانگی، ثبیتہ نے وہ رقم دیدی اور اس لڑکے کو لے کر آ گئی۔

خریدتے وقت اس نے پوچھا تھا کہ یہ لڑکا ملا کہاں سے تھا؟ اس نے کہا: یہ ماں باپ کا اکیلا بیٹا تھا، شام میں بک رہا تھا اور میں اسے لے آیا تھا، وہ نرم دل لڑکی تھی، وہ سوچتی رہی کہ کتنے بچے ایسے ہوں گے جو اپنی ماؤں سے جدا کر دیے جاتے ہیں، یہ بھی تو کسی ماں کا بیٹا ہوگا، پتہ نہیں اس کی ماں اسکے لئے کتنا ترستی ہوگی، روتی ہوگی، میں دیکھتی ہوں کہ بے چارہ سارا دن دھوپ میں کھڑا ہوتا ہے، اچھا! میں اس کو گھر لے جاتی ہوں اور میں اس کو اپنا بیٹا بنالوں گی، لیکن میں اس سے شادی نہیں کروں گی، ایسا نہ ہو کہ میری اولاد کے ساتھ بھی کل یہی معاملہ پیش آجائے۔

ثبیتہ نے اس لڑکے کو اپنے گھر میں بیٹے کی طرح پالنا شروع کر دیا، جب لڑکے کو اچھی غذا ملی اور محبت ملی ....وہ تو بھوکا تھا محبت کا.... چنانچہ اب اس کے اندر خود اعتمادی آگئی اور اس کی صحیح نشو ونما اور گروتھ ہونا شروع ہوگئی، اس کی صحت بھی اچھی ہوتی گئی اور صلاحیتیں بھی کھل گئیں، یوں وہ ڈپریشن میں سے نکل آیا اور اس کا چہرہ تر و تازہ ہوگیا۔

ان دنوں مکہ مکرمہ کا ایک قبیلہ شام میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا، اس میں ابو حذیفہ نامی ایک تاجر تھے جو مکہ کے رہنے والے تھے، انہوں نے راستے میں مدینہ منورہ میں پڑاؤ ڈالا، اللہ کی شان ان کے سامنے ثبیتہ کا یہ واقعہ کسی نے بیان کیا تو حذیفہ کو ثبیتہ کی طبیعت اچھی لگی، کہ وہ ایک رحم دل لڑکی ہے اور اس نے احساس کیا، انسانیت کی ہمدردی کی، ایسے اچھے اخلاق والی لڑکی کہاں ملتی ہے؟ چنانچہ انہوں نے بن دیکھے ثبیتہ کے والدین کو نکاح کا پیغام بھیج دیا، ادھر ثبیتہ کے والدین نے سوچا: لو! قریش میں سے ہیں تاجر ہے خود پیغام بھیج رہا ہے، یہ تو کوئی اچھا آدمی لگ رہا ہے، لہذا انہوں نے اس پیغام کو قبول کرلیا اور ثبیتہ کا نکاح ہوگیا۔

نکاح کے بعد ابو حذیفہ کچھ دن مدینہ میں رہے، وہ غلام بھی ان کے ساتھ رہا جو ان کی بیوی کے پاس تھا، پھر ابو حذیفہ مکہ مکرمہ چلے گئے تو ثبیتہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ گئی اور وہ غلام بھی ان کے ساتھ جہیز میں آگیا۔

ابو حذیفہ، حضرت عثمان غنیؓ کے دوست تھے، یہ بھی تاجر تھے بزنس مین ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، ابو حذیفہ نے محسوس کیا کہ میرے یہ تاجر دوست (حضرت عثمان غنیؓ) مجھ سے ملتے نہیں، کنی کترا جاتے ہیں، چونکہ دوستی کا ایک تعلق ہوتا ہے اس لئے ابو حذیفہ نے سوچ لیا کہ اگر عثمان اب مجھ سے نہ ملے تو میں ان کے گھر جا کر ان کو مناؤں گا اور پوچھوں گا کہ ناراض کیوں ہیں؟

لو جی! وہ عثمان غنیؓ کے گھر آ گئے اور ان کے مابین بات چیت شروع ہو گئی۔

ابو حذیفہ: جی! میں آپ میں کچھ ناراضگی کے آثار دیکھ رہا ہوں.... بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔

عثمان غنیؓ: اس لئے کہ، تیرا اور میرا راستہ مختلف ہے، میں کیا دوستی بڑھاؤں تیرے ساتھ؟

ابو حذیفہ: کیا مطلب؟

عثمان غنیؓ: دیکھ! تو لات و منات کی پوجا کرنے والا ہے اور میں ایک خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔

(یہ سن کر ابو حذیفہ کانپ گئے اور کہنے لگے)

ابو حذیفہ: عثمان کیا بتوں کے خلاف بات کر رہے ہو؟

عثمان غنیؓ: ہاں! اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور میں نے اپنے اس آقا کے پیغام پر لبیک کہی ہے اور اب میں مسلمان ہو چکا ہوں۔

(اب ابو حذیفہ کو محسوس ہوا کہ میرا جگری یار مجھ سے جدا ہو گیا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا)

ابو حذیفہ: اچھا! بھئی! اگر وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تیری زندگی کو بدل دیا ہے تو مجھے بھی ملاؤ۔

عثمان غنیؓ: بہت اچھا۔

چنانچہ عثمان غنیؓ کی دعوت پر ابوحذیفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اللہ کا قرآن پڑھا اور قرآن نے دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا، ابوحذیفہ مسلمان ہو گئے۔

جب ابوحذیفہ گھر گئے تو ثبیتہ نے دیکھ کر کہا: میں جو سکون آپ کے چہرے پر آج دیکھ رہی ہوں، وہ پہلے کبھی نہیں دیکھا، کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے: میں مسلمان ہو گیا ہوں، وہ نیک دل لڑکی تھی، اس نے کہا: اچھا! پھر میں بھی مسلمان ہوتی ہوں، چنانچہ ثبیتہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سننا شروع کیں، ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو غلام آزاد کریگا اس کو یہ ثواب ملے گا، پھر جب ثبیتہ گھر آئی تو اس نے اپنے غلام سالم کو کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت بتائی ہے، لہذا میں تمہیں اللہ کے راستے میں آزاد کرتی ہوں، اب جہاں جانا چاہے تو چلا جا۔

یہ سن کر سالم پریشان ہو گیا کہ میں کہاں جاؤں، میرا تو کوئی ہے ہی نہیں، اس وقت ابوحذیفہ کے دل میں بات آئی کہ پہلے بیوی نے رحم کیا تھا اور اس کو خرید لیا تھا، اب اس نے آزاد کیا ہے تو میں اسے کیوں دور جانے دوں، چنانچہ ابوحذیفہؓ کہنے لگے: میں آج سے آپ کو اپنا منہ بولا بیٹا بناتا ہوں، اب اس کا نام سالم بن حذیفہ پڑ گیا، اس نے کلمہ بھی پڑھ لیا، اس کے بعد اس کا اکثر وبیشتر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرتا، وہاں رہتے ہوئے اس نے قرآن مجید کا علم سیکھنا شروع کر دیا، سالم بن حذیفہؓ نے اتنا علم سیکھا کہ جب مہاجرین نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو مدینہ کے لوگوں کو امامت کے لئے اپنے سے بہتر قرآن پڑھنے والا اس سالم بن حذیفہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا، کتابوں میں لکھا ہے کہ عمر بن خطابؓ بھی موجود ہوتے تھے اور ان کی موجودگی میں ان کو مصلے کے اوپر امامت کے لئے

کھڑا کیا گیا۔

اور جب یہودی سالم بن حذیفہ کو مصلے پر کھڑا دیکھتے تو حیران ہو جاتے، سلام بن جبیر بھی ادھر آ نکلا، جب اس کی نظر سالم بن حذیفہ پر پڑی تو فورا پہچان گیا کہ یہ تو وہی بچہ ہے جس کو کوئی خریدتا نہیں تھا، میں نے شام سے اتنے تھوڑے داموں میں اسے خریدا، مدینے میں آ کر مصیبت میں پھنس گیا، کوئی لیتا نہیں تھا، اسے تو کوئی منہ بھی نہیں لگاتا تھا، گری پڑی چیز کے مانند تھا، کوئی اس کی قیمت نہیں تھی، یہ بچہ اب مسلمانوں کا امام ہے!!!

جب اس نے پوچھا کہ تم نے اس کو اپنا امام کیوں بنایا؟ تو جواب ملا:

''ہم میں سے اس نے اللہ کے قرآن کو زیادہ بہتر سیکھا ہے''

یوں علم انسان کو غلامی کے گھڑے سے نکال کر امامت کے مصلے پر کھڑا کر دیا کرتا ہے۔

(انساب الاشراف ۳/۲۶۲-الاستیعاب ۱/ ۱۶۹-الاصابۃ ۳/۱۴)

استاذ سے بھرپور مناسبت پیدا کیجئے

سیدنا عمر بن خطابؓ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بارش ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں قدم مبارک ہیں وہاں ابو بکر صدیقؓ کا سر ہے، بارش کا جو پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آ رہا ہے وہ سارا کا سارا ابو بکر صدیقؓ پر آ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے آپ کو قریب کھڑے دیکھا، عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ سے چھینٹیں اڑ کر میرے اوپر پڑ رہے ہیں اور میں بھی بھیگا چلا جا رہا ہوں، صبح اٹھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے رات خواب میں یہ چیزیں دیکھی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! یہ علوم نبوت تھے جو بارش کی طرح میرے اوپر برس رہے تھے، صدیقؓ کو چونکہ

میرے ساتھ کمال مناسبت نصیب ہے اس لئے وہ مجھ سے سب سے زیادہ کمالات پا رہے ہیں اور اس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے تم بھی ان علوم کو حاصل کر رہے ہو۔

بے ادبی پر علم سے محرومی

حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میری بڑی گھر والی کہیں جانے لگیں اور مجھے کہہ گئیں کہ گھر میں مرغیاں پالی ہوئی ہے تو ان کو اپنے وقت پر دانا پانی ڈال دیجئے گا، میں نے کہا بہت اچھا، فرماتے ہیں کہ میں وہ بات ہی بھول گیا، اب میں تفسیر (بیان القرآن) لکھنے جو بیٹھا تو کوئی مضمون وارد نہیں ہو رہا، اللہ سے توبہ کی بڑی دعائیں مانگیں مگر طبیعت میں کوئی انشراح ہی نہیں ہو رہا، آمد کا سلسلہ بالکل بند تھا، کافی دیر کے بعد فرمانے لگے کہ ہو نہ ہو، کوئی مجھ سے ایسی کوتاہی ہوئی، گناہ ہوا جس کی وجہ سے روز مجھ پر علم آتا تھا، اللہ نے مجھے اس معرفت سے آج محروم کر دیا، کہنے لگے: میں بیٹھ کر سوچنے لگا تو اچانک مجھے خیال آیا کہ اوہو! میں نے مرغیوں کو آج دانا بھی نہیں ڈالا، فرماتے ہیں: میں اٹھ کر فوراً گھر گیا، مرغیاں بھوکی پیاسی تھیں، میں نے دانا ڈالا، ان کو پانی دیا، جب مرغیوں نے وہ پانی پیا اور دانا کھایا، اللہ نے مضامین پھر وارد کرنے شروع کر دیے اور پھر میں نے آکے اللہ کے قرآن کی تفسیر لکھی، اگر مرغیوں کو تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے علم کو روک لیتے ہیں، جو اپنی بیوی کا دل دکھائے گا وہ اللہ کی معرفت کیسے پائیگا؟

(برکات دعا ۱۷۰)

طلب علم کے ساتھ گھر والوں کا خیال

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بستی سے جب دارالعلوم میں پڑھنے کے لئے آتا تو سردی کی راتوں میں امتحان کے قریب ذرا دیر تک پڑھنا ہوتا تھا، تیاری کرنی ہوتی تھی، جب میں واپس لوٹ کر آتا تو گھر کے سارے لوگ سوئے ہوئے ہوتے تھے، امی

اٹھتی اور اس وقت مجھے کھانا گرم کر کے دیتی تو میں امی کی منت سماجت کرتا کہ آپ کیوں سردیوں میں اٹھتی ہیں؟ بس آپ کھانا رکھ دیا کریں، میں خود ہی آ کے کھا لیا کروں گا، بڑی مشکل سے امی کو میں نے منایا، فرماتے ہیں کہ جب میں آتا تو سالن جمع ہوا ہوتا، میں اس کے اوپر سے جمی ہوئی تہہ ہٹا دیا کرتا تھا اور ٹھنڈا کھانا کھا کر گزارا کر لیتا، لیکن میں اپنی تعلیم میں حرج نہیں آنے دیتا، اب دیکھو! جن بچوں کے اندر بچپن، لڑکپن سے یوں علم کا شغف ہو، شوق ہو، طلب ہو، احساس ذمہ داری ہو اور وہ علم کے خاطر اس طرح اپنی ضرورتوں کو بھی قربان کریں، یہ وہ بچے ہوتے ہیں جو اپنی جوانی میں آسمان علم پر ستارے بن کر چمکا کرتے ہیں، پھر ایک وقت آیا، اللہ رب العزت نے اس بچے کو مفتی اعظم پاکستان بنا دیا۔

(متاع وقت اور کاروان علم ۲۴۷)

طلبہ حدیث پر نور کی کرنیں

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر، مواجہ شریف پر سلام کے لئے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں حدیث مبارکہ کا کوئی بھی طالب علم جب سلام پیش کرنے کے لئے پہنچتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے سورج کی کرنوں کی طرح نور کی شعائیں نکلتی ہیں اور اس حدیث کے طالب علم کے دل کو منور کر دیتی ہیں۔

طلبہ کے لئے دو تحفے

اس عاجز کی طرف سے دو بات طلبہ بطور تحفہ سمجھیں۔

(۱)....اس عاجز نے بعض بزرگوں کا معمول پڑھا اور پھر اس کو آزما کر دیکھا کہ جس آدمی کو علم کے بارے میں شرح صدر نہ ہو رہا ہو، یعنی وہ پڑھتا ہو اور بھول جاتا ہو، اس کے لئے یاد رکھنا مشکل ہوتا ہو اور اس کی علم کے ساتھ مناسبت پیدا نہ ہو رہی ہو اور وہ اس امر

کر لے تو انشاء اللہ اسے شرح صدر نصیب ہو جائیگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ پوری رات یہ آیت پڑھتے گزار دی ...قل رب زدنی علما....وہ اس آیت کو پوری رات دہراتے رہے، اسی مناسبت سے وہ عمل یہ ہے کہ جب طالب علم رات کو تہجد پڑھے اور اسے اس آیت سے آگے پیچھے کی اتنی آیت یاد ہو جس سے نماز کے اندر مسنون قرأت ہو سکے، پڑھ لے اور ہر رکعت میں اس آیت کو اپنے ذوق کے مطابق جتنی مرتبہ پڑھنا چاہے پڑھے، اس میں تعداد کی تعیین نہیں ہے، اگر وہ اس طرح تہجد میں اس آیت کا چند دنوں تک بار بار ورد کرے گا تو اسکی برکت سے اللہ تعالی اسے شرح صدر عطا فرمادیں گے اور اس کا سینہ علم کے لئے کھل جائیگا۔

(۲)....ایک دوسرا عمل بھی ہے کسی بزرگ نے اس عاجز کو اسکی اجازت دی تھی اور آج آپ لوگوں کو اس کی اجازت دے دیتے ہیں، فائدہ اٹھائیں۔

اکثر طلبہ اور طالبات کو حافظے کے کمزوری کی وجہ سے اسباق میں مشکل پیش آتی ہے، وہ خود یا ان کے ماں باپ روزانہ ہر نماز کے بعد سورۂ الم نشرح پڑھ کر ان کے سینے پر پھونک مار دیا کریں، اول آخر ایک ایک مرتبہ درود شریف بھی پڑھیں، اگر بچے سمجھدار اور بڑے ہوں تو جب بھی پڑھنے بیٹھیں، پیپر دینے بیٹھیں، لیکچر سننے بیٹھیں یا استاذ کا درس سننے بیٹھیں تو یہ پوری سورۃ پڑھ کر اپنے سینے پر پھونک مار دیں، جو آدمی اس کو اپنا معمول بنالے گا اللہ تعالی اس کا حافظہ قوی فرمادیں گے، اس عاجز نے اس عمل کو ہزاروں دوستوں پر آزمایا ہے۔

☐ ایک اسٹوڈنٹ نے بتایا کہ وہ ایک سال میٹرک میں فیل ہو گیا، پھر اس نے یہ عمل کسی محفل میں اس عاجز سے سنا اور اس نے باقاعدگی کے ساتھ اس پر عمل کرنا شروع کر دیا، اگلے سال وہ پورے اسکول میں فرسٹ آیا، اسی طرح کسی محفل میں اس عاجز نے یہ عمل بتایا، کافی عرصہ کے بعد ایک طالبہ نے خط لکھ کر اپنے حالات بتائے اس نے لکھا کہ میں تو بڑی مشکل سے پاس ہوتی تھی میرے دل کی تمنا تھی کہ میں لیڈی ڈاکٹر بنوں، آپ سے

میں نے یہ عمل کسی محفل میں سنا اور عمل کرنا شروع کر دیا، کبھی بھی ناغہ نہیں ہوا، اب الحمد للہ میں نے امتحان دیا اور اب میں میڈیکل کالج میں پہنچ چکی ہوں۔

حدیث سے محبت کا مثالی انداز

یحیٰی بن معینؒ ایک محدث ہیں، جرح اور تعدیل کے یہ امام گنے جاتے ہیں، یعنی حدیث کے جو راوی ہوتے ہیں ان کی پرکھ کرنے میں اللہ نے ان کو خصوصی انعام دیا تھا، چنانچہ ایک دفعہ ان کو پتہ چلا کہ ایک محدث محمد بن فضل ہیں، ان کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں نے پہلے نہیں سنی ہوئی تھی، یہ ان کے پاس گئے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دروازہ کھولا تو دروازے میں کھڑے کھڑے انہوں نے ان سے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے کہ میں آپ سے فلاں حدیث مبارکہ سننے کے لئے آیا ہوں، انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے زبانی بھی یاد ہے اور میں نے کتاب میں بھی لکھی ہوئی ہے، تو میں ابھی آپ کو کتاب لاکر سنائے دیتا ہوں تو جب وہ واپس لوٹنے لگے تو یحی بن معینؒ نے ان کا قمیص پکڑ لیا کہ حضرت! ایسا نہ ہو کہ آپ لینے جائیں اور اس دوران مجھے موت آجائے یا آپ کو آجائے، حدیث پہلے سنا دیں اسکے بعد پھر جا کے کتاب لے آنا میں حدیث دوبارہ پھر سن لوں گا۔

(شمائل ترمذی باب فی لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ امتاع الاسماع ۶/۲۸۱۔ جمع الوسائل ۱/۱۱۲)

حضرت امام محمد بن سحنونؒ کا استغراق

محمد بن سحنون مالکیہ مذہب کے بڑے امام گزرے ہیں، ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، کھانا نہیں کھایا اپنے مطالعہ میں لگے ہوئے تھے، باندی تھی اس کا نام تھا ام مدام، وہ بار بار آ کے پوچھتی میں کھانا لے آؤں، میں کھانا لے آؤں، اور یہ کہتے تھوڑا صبر کرلو، صبر کرلو میں اور مطالعہ کرلوں، تو ایک مرتبہ پھر اس نے کہا کہ اگر آپ کے پاس کھانے کی فرصت نہیں

تو میں لقمے آپ کے منہ میں ڈال دیتی ہوں، کہنے لگے بہت اچھا، وہ لقمہ منہ میں ڈال دیتی چبا لیتے مگر مطالعہ کرتے رہتے، اس قدر مطالعے کے اندر (obsorve) تھے کہ جب صبح کے وقت مطالعہ ختم کیا اور ام مدام کو کہا کہ کھانا لاؤ تو اس نے کہا جناب کھانا تو میں آپ کو کھلا چکی کہنے لگے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔

(قیمۃ الزمن ۴۰ - ترتیب المدارک وتقریب السالک ۱/۲۸۴)

طلبہ کے لئے رہنماء مثال

امام ثعلبؒ کے بارے میں آتا ہے کہ یہ راستہ چلتے ہوئے بھی مطالعہ کیا کرتے تھے، سڑک کے کنارے چلتے تھے اور کتاب ہاتھ میں ہوتی تھی اور پڑھتے ہوئے چلتے تھے، ان کو ارد گرد کی ٹرافک کا اور لوگوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا، ان کی وفات بھی ایسے ہوئی کہ مطالعہ کرتے کرتے جا رہے تھے، گھوڑے نے ٹکر مارا، آگے گڑھا تھا پتہ نہ چلا اور گڑھے کے اندر جا گرے اور بیہوش ہو گئے، اسی حال میں ان کو گھر لے گئے اور گھر پہنچ کر وفات ہوئی۔

(شذرات الذہب ۲/ ۲۰۷)

ابن جریر طبریؒ کا تصنیفی کارنامہ

امام ابن جریر طبریؒ ان کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اتنی کتابیں لکھیں کہ ان کے صفحات کی تعداد تین لاکھ اٹھاون ہزار تھی، تین لاکھ اٹھاون ہزار صفحے لکھ لینا آسان بات نہیں۔ اللہ اکبر کبیرا

ان کی ٹوٹل زندگی پر جب اس کا (divide) کیا گیا تو (per day) کی (eighteen Pages Average) بنے، اور ابتدا کے پندرہ سولہ سال جو علم حاصل کرنے کے ہیں وہ نکال دیئے جائیں تو یہ (Averge Forty) سے اوپر چلی جاتی

ہے، اب ہم روزانہ ایک نئی کتب کے چالیس صفحے نہیں پڑھ سکتے وہ نئی کتاب کے چالیس صفحے لکھ دیا کرتے تھے، اب ذرا اسکو بیٹھ کے سوچیں تو پھر اندازہ ہوگا، آج تو دیکھئے لکھنے کے لئے ہمارے پاس ایسے پین ہیں کہ آپ صفحے کے اوپر سے شروع کریں تو نیچے تک اس کے مکمل ہونے تک اس کے اندر کوئی (ink) ڈالنے کی ضرورت پیش نہیں آتی پین کو اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، اور ان کے پاس تو قلم اور دوات ہوتی تھی، ہر لفظ کیلئے ان کو دوات میں سے سیاہی لینی پڑتی تھی، پھر قلم خراب ہو جاتی تھی سیاہی کم ہو جاتی تھی، آج ہمارے پاس تو Air Condition Envirement) ہے ان کو تو گرمیوں کے اندر دھوپ کے اندر پسینے کی حالت میں بیٹھ کر لکھنا پڑتا تھا، آج ہمارے پاس بجلی کی نعمت ہے، ان کے پاس چراغوں کی روشنی بھی مشکل ہوتی تھی، تو ان حالات میں ان (Resavrses) میں ان کا اتنے صفحات لکھ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی ہی انہوں نے زندگی کے ایک ایک منٹ کو صحیح طریقے سے گزارا ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ)

(۲) شاگردوں نے کہا حضرت تفسیر لکھ دیں، فرمایا بہت اچھا اب انہوں نے تفسیر بیان کرنی شروع کر دی، شاگردوں نے لکھنی شروع کر دی، انہوں نے محسوس کیا کہ ایک ایک لفظ پر علم کے خزانے ہی کھلتے جا رہے ہیں، اور وہ تو لکھ لکھ کے تھک جاتے تھے تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت کتنی بڑی تفسیر ہوگی؟ فرمایا تیس ہزار صفحات کی، تو جب دو چار مہینے انہوں نے لکھا تو شاگردوں نے ہاتھ جوڑے کہ تیس ہزار صفحات نہیں لکھے جاتے چنانچہ (Negotiate) کریں انہوں نے کہا کہ اچھا میں اس کو بہت مختصر کرتا ہوں، چنانچہ انہوں نے سات ہزار صفحات کی تفسیر لکھوائی اور اس کو لکھنے میں ان کو سات سال لگ گئے۔

(البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۶۵- المنتظم ۲/۱۷۱- تاریخ بغداد ۲/۱۶۳-
طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳/۱۲۲)

ابن جوزیؒ کے حالات

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، اور اپنی انگلیاں دکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان انگلیوں سے میں نے دین کے اوپر دو ہزار کتابیں لکھی ہیں، ان کی دو باتیں بڑی عجیب ہیں، ایک تو یہ کہ لکھتے رہتے تھے اور جیسے ہی قلم خراب ہوتی تھی اور اسکو بنانے کا وقت آتا تھا، تو اس وقت میں ذکر شروع کر دیتے تھے کہ میرا قلم بنانے کا وقت بھی غفلت میں نہ گزرے، اب سوچیئے کہ یا تو لکھنے میں مصروف ہے اور جیسے ہی قلم بنانے لگتے تو ذکر میں مشغول ہو جاتے کہ میرے اس وقت میں بھی میرے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے، اور جو قلموں کا چورا تھا اس کو جمع کرتے رہتے تھے کئی من چورا بن گیا تھا تو وصیت فرمائی کہ جب مجھے موت آئے تو میرے غسل کا پانی اس سے گرم کیا جائے۔

(سیر اعلام النبلاء ۲۱/۳۷۰ –مطالعہ کی اہمیت ۴۰۳)

ایک وقت میں دو کام

حاکم شہید صاحب حنفی (المتوفی ۳۳۴ھ) کے پاس لوگ ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ اپنی لکھائی جاری رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ بھئی آپ بات کرتے رہو میں آپ کی بات بھی سنتا رہوں گا، ایک وقت میں دو کام کیا کرتے تھے۔

الانساب للسمعانی ۳/۴۷۷

علامہ ابن عقیلؒ کا علمی ولولہ

علامہ ابن عقیلؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ اسی سال کی عمر میں ان کو علم حاصل کرنے کا اتنا شوق تھا کہ بیس سال کے نوجوان ان کے پاس بیٹھ کر شرمندہ ہوا کرتے تھے، وہ کتاب

کا مطالعہ کرتے تھے اور روٹی جو آتی تھی اسکو پانی میں بھگو کر رکھ دیتے تھے، تو شاگرد نے پوچھا کہ حضرت! یہ روٹی بھگو کر کیوں کھاتے ہیں، فرمانے لگے کہ چبانے میں وقت کم لگتا ہے جلدی کھا لیتا ہوں اور کھانے کا وقت بچا کر اسکو بھی مطالعے میں لگا لیتا ہوں، انہوں نے ایک کتاب لکھی الفنون جسکی آٹھ سو جلدیں بنیں، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو قریب طلبہ تھے تو فرمانے لگے کہ میں نے پوری زندگی وعظ و نصیحت میں گزار دی، اب مجھے میرے اللہ کے ساتھ تخلیہ دے دو چنانچہ ان کو بھیج دیا اور وہ ذکر کرتے کرتے اپنے پروردگار کے پاس پہنچ گئے۔

(طبقات الحنابلہ ۱/ ۵۸- مطالعہ کی اہمیت ۲۶۷)

فضیل بن عیاض کا محاسبہ

فضیل بن عیاضؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر ہفتے میں جتنی گفتگو کرتے تھے وہ لکھتے تھے اور پھر جمعہ کے دن اس کا حساب لگاتے تھے اس ہفتے میں میرا نامۂ اعمال کیسا اللہ رب العزت کے حضور میں پہنچا ہوگا، ہم تو ایک دن کی گفتگو نہیں لکھ سکتے اتنا بولتے ہیں، وہ کتنا کم بولتے ہوں گے کہ ہفتے بھر کی گفتگو لکھتے تھے، یہی نہیں وہ پھر اسی مطالعے میں ہی وقت گزار دیتے تھے۔

علامہ ضیاء المقدسیؒ کا قیام لیل

ضیاء المقدسیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ درس حدیث بھی دیتے تھے اور جب رات آتی تھی تو تین سو رکعت نفل تہجد کی بھی پڑھا کرتے تھے، تین سو رکعت آج ہمارے لئے چار رکعت پڑھنی مشکل ہوتی ہے، رمضان المبارک میں اگر دس بیس رکعت کبھی کوئی پڑھ لے تو پھر اسے اپنے گھٹنوں کا احساس ہوتا ہے کہ اس میں کتنی جان ہے، میں اپنے

دوستوں سے کہتا ہوں کہ بیس رکعت نفل پڑھ لوتو پھر آخری رکعت میں سمع اللہ کے بجائے اوی اللہ نکل رہا ہوتا ہے، اتنا مطالعہ اور اس کے ساتھ تین سو رکعت نفل رات کو پڑھا کرتے تھے۔

(اکابر کا مقام عبادت ۳۱۱)

سبق کی اہمیت

امام ابو یوسفؒ کا چھوٹا بیٹا فوت ہوگیا تھا اللہ کی شان کہ عین یہی وقت تھا کہ جب وہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا فقہ کے اوپر درس سنا کرتے تھے اور لکھا کرتے تھے، اب ان کو فکر لاحق ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنے بھائیوں سے منت سماجت کر کے کہا کہ بھئی جنازہ یہاں پڑھ لو اور تدفین آپ لوگ جا کے کر دینا میں نہیں چاہتا کہ میرے استاذ کے سبق کا میرا ناغہ ہو جائے۔

(آداب المتعلمین ۶۴-طلبہ کے لئے تربیتی واقعات ۱۲۴)

علامہ منذریؒ کی حدیث سے محبت

ابن شاہین، حافظ منذریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے بیٹے کی وفات ہوگئی، حدیث کا درس دیتے تھے، فرمایا کہ بھئی جنازہ یہاں پڑھ لیتے ہیں اور اسکے بعد میں حدیث کا درس دوں گا، چنانچہ مدرسے کے دروازے تک جنازے کے ساتھ گئے سنت کی نیت سے، رخصت کیا اور رخصت کرتے وقت آنکھوں میں سے آنسو آگئے، کہنے لگے حدیث کا درس مجھے روک رہا ہے کہ میرے معمول میں کہیں فرق نہ آجائے، آج تو پڑھانے والے حضرات اگر تین اسباق پڑھائیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مار لیا۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۸/۲۶۰)

امام آلوسیؒ ایک مثالی مدرس

علامہ آلوسیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ روزانہ تیرہ اسباق پڑھاتے تھے، اوران کی زندگی کے دن بعض ایسے بھی گزرے کہ انہوں نے چوبیس اسباق روزانہ پڑھائے۔

(مطالعہ کی اہمیت ۳۸۲ - قیمۃ الزمن ۸۱)

مجدالدین ابن تیمیہ کا زمانۂ طالب علمی

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے زمانۂ طالب علمی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر تکرار کرتے تھے علم پڑھتے تھے تو اگرانہیں بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آتی تو اپنے دوستوں سے (Request) کرتے کہ آپ ذرا اونچے آواز سے تکرار کریں کہ میں بیت الخلاء جا کر اپنی زبان سے کچھ بول تو نہیں سکتا مگر کم از کم میں آپ کی آواز سنتا ہی رہوں گا مجھے بھی تکرار میں حصہ مل جائیگا، بیت الخلاء کے وقت میں بھی مجھے مطالعے کے لئے وقت مل جائے۔ اللہ اکبر

(ذیل طبقات الحنابلہ ۱/ ۲۸۵ - الترجمۃ الذہبیۃ لاعلام آل تیمیۃ ۱۵)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ
آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

راہِ علم میں ادب کے فوائد

اساتذہ کے ادب کی عجیب مثالیں

(۱) "شرح الطریقة المحمدیة" میں لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوائیؒ بخارا سے دوسری جگہ تشریف لے گئے تو امام زرنوجیؒ کے علاوہ اس علاقہ کے تمام شاگرد سفر کر کے ان کی زیارت کو گئے، مدت کے بعد امام زرنوجیؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے غیر حاضری پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے معذرت پیش کی کہ ماں کی خدمت کی وجہ سے نہیں آسکا، اس وقت امام حلوائیؒ نے فرمایا کہ آپ کو عمر لمبی نصیب ہوگی، مگر درس نصیب نہیں ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(تعلیم المتعلم ۲۴ مطبوعہ دیوبند)

(۲) شاہ عبدالرحمٰن محدث پانی پتیؒ اپنے زمانۂ طالب علمی میں پانی پت سے سہارنپور پہنچے، رخصت ہوتے وقت سب اساتذہ سے اچھی طرح ملے، مگر ایک استاذ جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے نہ مل سکے، جب سہارنپور پہنچ کر کتابیں شروع کیں تو سبق یاد کرنے میں مشکل پیش آئی، کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے، ایک دن خیال آیا تو انہوں نے فوراً اپنے استاذ کو معذرت نامہ لکھ بھیجا، استاذ نے جواب میں لکھا کہ جب آپ دوسرے سب اساتذہ سے مل کر گئے اور مجھے نہ ملے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید آپ مجھے چھوٹا سمجھتے ہوئے نظر انداز کر گئے ہوں، اب آپ کے معذرت نامہ سے مجھے شرح صدر حاصل ہوا، میں آپ کے لئے دعا گو ہوں، جیسے ہی یہ خط آپ کو ملا آپ کو ذہنی

سکون نصیب ہوا، اس کے بعد آپ کو سبق یاد کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

آداب المتعلمین ۳۱

(۳) حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحبؒ سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی، مجھے عنایت فرمائی، میں نے رات گرم پانی میں وہ ٹوپی بھگو دی، صبح تک وہ پانی جو املتاس کے شربت سے زیادہ سیاہ ہو گیا تھا، میں اس کو پی گیا، اس پانی کی برکت سے میرا دل ایسا روشن ہو گیا کہ کوئی کتاب مشکل نہ رہی۔

آداب المتعلمین ۳۶

(۴) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ایک مرتبہ درسِ حدیث دے رہے تھے کہ ایک مقام کو حل کرنے میں مشکل پیش آئی، کافی دیر غور وخوض کرنے کے بعد کوئی نکتہ یاد نہ آیا، طلبہ انتظار میں تھے، حضرت نے فرمایا کہ عزیز طلبہ مجھے اس مقام کو حل کرنے میں دقت پیش آرہی ہے، آپ تھوڑی دیر انتظار کریں، میں فلاں استاذ (جو حضرت کے شاگرد رہ چکے تھے) سے پوچھ کر آتا ہوں، طلبہ حیران تھے کہ اتنے جلیل القدر استاذ کی بے نفسی کا یہ عالم ......! حالانکہ چاہتے تو اس بات کو اگلے دن پر بھی مؤخر کر سکتے تھے، مگر خلوص وللّٰہیت بھی عجیب نعمت ہے، جب حضرت کمرہ سے نکل کر دوسرے استاذ کے دروازہ پر پہنچے تو وہ دیکھتے ہی باہر آگئے اور پوچھا کہ حضرت آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا مولانا مجھے ایک مقام پر بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی، میں نے سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں، وہ بھی آپ کے صحبت یافتہ تھے، انہوں نے کتاب ہاتھ میں لے کر بات یوں شروع کی، حضرت! جب میں نے یہ کتاب آپ سے پڑھی تھی تو اس وقت آپ نے اس سوال کا جواب یوں دیا تھا، یہ الفاظ کہہ کر مشکل مقام کا حل تفصیل سے بیان کر دیا۔

خدمت استاذ کی برکتیں

حضرت حماد بن سلمہؒ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے اور ہمارا دودھ، ترکاری خرید کر لاتے تھے اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے، حضرت حمادؒ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ تھے، اس وقت کیا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ حماد بن سلمہؒ کے گھر کا یہ خدمت گار شاگرد تمام عالم کا مخدوم بنے گا۔

(آداب المتعلمین ۳۹)

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے بیٹے کو حضرت اصمعیؒ کی خدمت میں تربیت کے لئے بھیجا، ایک دن جب ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ شہزادہ پانی ڈال رہا ہے اور حضرت اصمعیؒ وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھورہے ہیں، ہارون رشید نے اصمعیؒ سے کہا کہ میں نے تو بیٹے کو تربیت کے لئے بھیجا تھا، اگر آپ اس کو ادب سکھاتے تو کتنا اچھا ہوتا، حضرت اصمعیؒ نے کہا کہ یہ پانی تو ڈال رہا ہے، ہارون رشید نے کہا کہ حضرت آپ اسے حکم فرماتے کہ یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے پاؤں دھوتا۔

(تعلیم المتعلم ۲۴-آداب المتعلمین ۳۹)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں مہمان زیادہ آگئے، بیت الخلاء ایک ہی تھا، مہمانوں کا کئی دن قیام رہا، حضرت مدنیؒ روزانہ رات میں آکر بیت الخلاء صاف کر جاتے اور صبح کے وقت مہمانوں کو بیت الخلاء بالکل صاف ملتا۔

(آداب المتعلمین ۴۰)

ان ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت مدنیؒ اپنے شیخ محمود الحسنؒ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں تھے کہ سردیوں کا موسم شروع ہوگیا، حضرت شیخ الہندؒ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا، حضرت مدنیؒ نے یہ طریقہ سوچا کہ رات کو سوتے وقت برتن میں

پانی بھر لیتے اور سجدہ کی حالت میں سو جاتے، جب کہ برتن کو اپنے پیٹ اور بازوں کے درمیان رکھ لیتے، پانی چونکہ ہر طرف سے ڈھانپ لیتے، لہٰذا جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ پانی نیم گرم حالت میں ہوتا، یہ پانی وضو کیلئے اپنے استاذ کو پیش کرتے، کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا، ایک دن تھکاوٹ ایسی تھی کہ حضرت مدنیؒ پر نیند غالب آگئی، جب تہجد کے لئے اٹھے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کروانا پڑا، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ کیا پانی وہیں سے لائے ہو، جہاں سے پہلے لاتے تھے، حضرت مدنیؒ نے عرض کیا کہ آج مجھ سے غفلت ہوئی، رات کو بھر کر نہیں رکھ سکا، تب شیخ الہندؒ کو یہ راز معلوم ہوا کہ شاگرد اپنے استاذ کو گرم پانی مہیا کرنے کی خاطر ساری رات سجدہ کی حالت میں گزار دیا کرتا تھا۔

قاضی امام فخر الدین ارسابندیؒ شہر ''مرو'' کے امام الائمہ تھے، بادشاہ ان کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا، قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے استاذ قاضی امام ابو یزید دبوسیؒ کی بہت خدمت کرتا تھا، میں نے تیس برس ان کا کھانا پکایا اور اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا، استاذ کی اس خدمت کی وجہ سے مجھے یہ رتبہ ملا کہ بادشاہ میرے ساتھ ادب و تعظیم سے پیش آتا ہے۔

(آداب المتعلمین ۳۹۔ تعلیم المتعلم ۲۳)

کتابوں کا ادب

ایک عالم نے دو طالب علم کو دو حال میں پایا، ایک تکیہ کا سہارا لیکر مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دو زانوں مستعد بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور کچھ کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا، استاذ نے یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت فرمایا: **انه لا یبلغ درجة الفضل** (یہ فضیلت کے درجہ کو نہیں پہنچے گا) اور دوسرے کے متعلق فرمایا: **سیحصل الفضل و یکون له شأن فی العلم** (یہ عنقریب فضل حاصل کریگا اور اسکے علم میں بڑی شان ہوگی) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(آداب المتعلمین ۴۳)

امام حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس علم کو تعظیم کے ذریعہ حاصل کیا، حتی کہ سادہ کاغذ بھی بغیر وضو کے ہاتھ میں نہیں لیا کرتے تھے۔

(آداب المتعلمین ۴۳۔ تعلیم المتعلم ۲۴)

ساتھیوں کا ادب

حضرت ابوالحسن نوریؒ اور ان کے دو ساتھیوں کو حکومت وقت نے قید کرلیا اور ان کے قتل کا فیصلہ کردیا، جب تینوں حضرات کو جلاد کے سامنے پیش کیا گیا، تو ابوالحسن نوریؒ آگے بڑھے اور جلاد کے قریب ہو گئے، حاکم نے پوچھا کہ آپ نے جلد بازی کیوں کی؟ فرمایا: میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ جلاد جتنی دیر میں مجھے قتل کرے گا اتنے لمحے میرے ساتھیوں کو زندہ رہنے کا موقع مل جائیگا، حاکم یہ سن کے حیران ہوا اور اس نے تینوں کو رہا کردیا۔

(ایقاظ الہمم شرح متن الحکم ۱/۲۳۲۔ ترتیب المدارک وتقریب المسالک ۱/۳۰۸)

طلبہ کی برکت

حضرت مولانا عبدالرحمٰن پانی پتیؒ کے متعلق ان کے استاذ مولانا شاہ محمد مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کے الفاظ تو میں ان کو پڑھاتا ہوں مگر حدیث کی روح مجھے خود ان سے حاصل ہوتی ہے۔

آداب المتعلمین ۶۵

ہدیہ لینے میں احتیاط کرنا چاہیے

☜ (۱) خطیبؒ نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظ حدیث حماد بن سلمہ کا ایک شاگرد کافی امیر تھا، اس نے ایک مرتبہ آپ کو کافی چیزیں بطور ہدیہ پیش کیں، حضرت حمادؒ نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک کو قبول کرلو، چاہو تو آپ کے یہ تحائف قبول کرلوں، مگر

آج کے بعد تمہیں حدیث نہیں پڑھاؤنگا، اور اگر چاہتے ہو کہ تمہیں حدیث پڑھاؤں، تو پھر یہ ہدیہ قبول نہ کرونگا۔

(الکفایہ ۱۵۴)

(۲) ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کی خدمت میں عمر بن حریثؒ نے کچھ اونٹ بطور ہدیہ پیش کئے، انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دئے کہ ہم نے تمہارے لڑکے کو قرآن پڑھایا ہے، کتاب اللہ پر اجرت لینا مناسب نہیں۔

(آداب المتعلمین ۳۹۔ تعلیم المتعلم ۲۳)

(۳) حدیث کے مشہور راوی زکریا عدیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے لگیں، ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا، پوچھا کیا تم مجھ سے حدیث پڑھتے ہو، اس نے کہا جی ہاں! فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں حدیث پڑھانے پر اجرت لوں؟

(سیر اعلام النبلاء (مشکول) ۱۹/ ۴۳۸)

(۴) ایک مرتبہ حضرت مولانا مرتضٰی حسنؒ نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا کہ حضرت تنخواہ لینے میں میری طبیعت کو الجھن ہوتی ہے، یہ تو صاف دین فروشی ہے، حکیم الامتؒ نے جواب دیا کہ تنخواہ لینی چاہئے، کیونکہ اس سے طبیعت پر بوجھ رہے گا کہ کام اچھی طرح کرنا چاہئے، مولانا نے عرض کیا، یہ تو ہوئی مصلحت، مگر اس ضرر کا کیا علاج ہے کہ اسمیں دین فروشی ہے، حکیم الامتؒ نے جواب دیا کہ تنخواہ میں دین فروشی ہے یا نہیں، اس کی بہترین پہچان یہ ہے کہ اگر کسی جگہ گزارہ کی تنخواہ ملتی ہے مگر کسی جگہ زیادہ کی صورت نظر آئی، مگر دینی خدمت کا موقع زیادہ نہیں، تو اگر پہلی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائیگا تو دین فروشی ہوگی۔

(۵) حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ ریاست بہاولپور میں بہت زیادہ مشاہرہ پر کام کر رہے تھے، حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ۔ نے خط لکھا کہ

حضرت آپ امیروں کی بریانی تو کھاتے رہتے ہیں، ہم فقیروں کی دال قبول فرمائیے، حضرت کاندھلویؒ نے بغیر کسی تفصیل معلوم کئے وہاں استعفیٰ پیش کیا اور بقیہ زندگی جامعہ اشرفیہ میں دینی خدمت کرتے کرتے گزاردی۔

(۶) ریاست بہاولپور میں جب جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو نواب صاحب نے علماء کرام سے پوچھا کہ اس مدرسے کی آبادی کی کیا صورت ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کو ایک عالم باعمل کا نام بتادیں گے، آپ انہیں کام کے لئے یہاں لے آنا تو مدرسہ خود بخود آباد ہو جائے گا، نواب صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، ہیرا آپ چنیں قیمت میں لگادوں گا، جب عمارت مکمل ہوگئی تو نواب صاحب نے پوچھا کہ کس عالم کو یہاں کا انتظام وانصرام سپرد کرنا ہے، علمائے کرام نے حضرت مولانا نانوتوی کا نام پیش کیا، نواب صاحب نے پوچھا کہ دیوبند میں کیا مشاہرہ لے رہے ہوں گے؟ جواب ملا دو یا تین روپے ماہانہ، نواب صاحب نے کہا کہ آپ وفد کی صورت میں جا کر انہیں دعوت دیں اور بتائیں کہ انہیں یہاں تعلم وتدریس کی ہر آسانی ہوگی، مزید برآں انہیں سو روپے ماہانہ مشاہرہ بھی پیش کیا جائے گا، علمائے کرام نواب صاحب کی اس فراخدلی پر بہت خوش ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد ایک وفد کی صورت میں دیوبند حاضر ہوئے، حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی خصوصیات نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیں، نواب صاحب کی دیندارانہ اور فیاضانہ طبیعت کا نقشہ بھی خوب کھینچا اور یہ بھی بتایا کہ وہاں جانے کی صورت میں آپ کو سو روپے ماہانہ مشاہرہ عطا کیا جائے گا، حضرت نانوتویؒ نے یہ سن کر جواب دیا کہ یہاں میرا مشاہرہ تین روپے ماہانہ ہے، دو روپے میرے گھر کا خرچہ ہے اور تیسرا روپیہ میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتا ہوں، اگر میں بہاولپور چلا گیا اور مجھے سو روپے ماہانہ ملے تو دو روپے تو میرے گھر کے خرچہ کے ہوں گے اور بقیہ اٹھانوے روپے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے سارا دن اسی کام میں مشغول رہنا پڑے گا، پھر میں تعلیم وتدریس کا کام کیسے کروں گا؟ لہٰذا میں وہاں جانے سے معذور ہوں،

علمائے کرام جواب سن کر لاجواب ہو گئے۔

مجالس حکیم الامت ص:۳۵۲-معارف الاکابر ص:۳۵۸

(۷) حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں ایک شخص نے ہدیہ پیش کیا آپ نے معذرت کردی، اس نے بہت اصرار کیا لیکن حضرت نانوتویؒ بھی انکار کرتے رہے، جب اس نے دیکھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تو واپس گھر جانے لگا، جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضرت نانوتویؒ کے جوتوں پر پڑی اس نے وہ تمام رقم حضرت کے جوتوں میں چھپادی، دل میں یہ خیال تھا کہ جب حضرت گھر جانے کے لئے جوتے پہنیں گے تو رقم خواہمخواہ قبول کرنا پڑے گا، جب حضرتؒ مسجد سے باہر نکلے اور رقم جوتے میں پڑی دیکھی تو حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ جو آدمی دنیا کو دور دھکیلتا ہے دنیا اس کے جوتوں میں ذلیل وخوار ہو کر آتی ہے، پہلے یہ بات کتابوں میں پڑھتے تھے آج الحمدللہ آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔

ارواح ثلثہ ۲۸۳

اساتذہ کی شفقت کے واقعات

امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں، ایک عالم دین کے بیٹے نے ان کے کسی شاگرد کے ساتھ بدتمیزی کی تو انہوں نے غصے میں آ کر فرمایا ''دیکھو! یہ میرے سینے کی اولاد ہے، جبکہ تم میرے پیشاب کی اولاد ہو''۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلباء سے بہت محبت والفت سے پیش آتے، ایک دفعہ مسجد کے صحن میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ اچانک زوردار بارش شروع ہو گئی، طلباء اپنی کتابوں کو پانی میں بھیگنے سے بچانے کیلئے جوتے وہیں چھوڑ کر گھروں کی طرف بھاگ گئے، حضرت گنگوہیؒ نے اپنا رومال بچھایا اور تمام جوتوں کو اس میں رکھ کر گٹھڑی باندھی اور سر پر اٹھا کر اندر لے آئے، طلباء نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں کہ حضرت ہم خود ہی

جوتے اٹھالیتے آپ نے کیوں ایسا کیا؟ حضرت نے جواب دیا کہ جولوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے۔

ارواح ثلاثہ ۳۲۱

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علیؒ کا یہ حال تھا کہ جب طالب علم بیمار ہوتا تو اس کی قیام گاہ پر جا کر اس کی عیادت کرتے، مختلف طریقوں سے اس کی دلجوئی کرتے، اس زمانے میں دارالاقامہ نہیں بنا تھا اور طلباء مختلف مساجد اور مکانوں میں رہتے تھے۔

طلبہ کا مالی تعاون

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کو ان کی والدہ نے کسب معاش کے لئے بھیجا، یہ حصول رزق کے لئے مختلف کام کرتے رہے، والدہ کا مشورہ یہ تھا کہ اگر کپڑے دھونے کا فن سیکھ لیں، تو کچھ گزر اوقات کے لئے بند وبست ہو جائیگا، ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے درس میں شریک ہوئے تو انہیں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، والدہ صاحبہ کی طرف سے اصرار تھا کہ محنت مزدوری کر کے پیسہ کمائیں اور ان کا جی چاہتا تھا کہ علم حاصل کر کے عالم بنوں، انہوں نے سارا حال امام ابوحنیفہؒ کے گوش گزار کر دیا، امام صاحبؒ نے شاگرد رشید میں سعادت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ آپ اس میں باقاعدگی سے آتے رہیں، ہم آپ کو کچھ ماہانہ وظیفہ دے دیا کریں گے وہ آپ اپنی والدہ کو دے دیا کریں، چنانچہ امام ابو یوسفؒ سارا مہینہ امام صاحبؒ کی مجلس درس میں شریک رہتے اور امام صاحبؒ اپنی گرہ سے کچھ وظیفہ کے طور پر پیسے دے دیتے جو امام ابو یوسفؒ اپنی والدہ کے سپرد کر دیتے، کافی عرصہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، ایک دن امام ابو یوسفؒ کی والدہ کو پتہ چلا کہ بیٹا محنت مزدوری کی بجائے تحصیل علم میں مشغول ہے، تو وہ برافروختہ ہوئیں، بیٹے کو سمجھایا کہ تمہارے والد فوت ہو گئے ہیں، گھر

میں کوئی دوسرا مرد نہیں جو کما سکے، لہٰذا تم اگر کوئی کام کاج کرتے تو اچھا ہوتا، بہتر تھا کہ کوئی فن سیکھ لیتے، امام ابو یوسفؒ نے یہ سب ماجرا امام صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیا، امام صاحبؒ نے کہا کہ اپنی والدہ سے کہنا کہ کسی وقت آ کر میری بات سنیں، چنانچہ امام صاحبؒ اپنی والدہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، والدہ نے امام صاحبؒ کی خدمت میں وہی صورتحال پیش کی جو آپ پہلے سن چکے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کے بیٹے کو ایک فن سکھا رہا ہوں کہ جس سے یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ کھایا کرے گا، امام ابو یوسفؒ کی والدہ سمجھیں کہ شاید امام صاحبؒ خوش طبعی فرما رہے ہیں، تاہم خاموش ہوگئیں کیونکہ گھر کا خرچ تو وظیفہ کی وجہ سے چل ہی رہا تھا۔

(تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۴-وفیات الاعیان ۶/۳۸۰)

(۲) جب امام ابو یوسفؒ نے تکمیل علم سے فراغت حاصل کر لی اور ابو یوسف امام بن گئے تو ان کے علم کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا، حکومت وقت نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا، تو انہوں نے علمی مشغولیات کی وجہ سے معذرت کر دی، البتہ امام ابو یوسفؒ کو فرمایا کہ وہ یہ عہدہ قبول کر لیں، امام ابو یوسفؒ وقت کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) بن گئے، پورے ملک میں ان کی قبولیت عام ہوگئی، حکومت وقت نے یہ ذمہ لیا کہ کام کے دوران کھانیکا بندوبست حکومت کی طرف سے ہوگا، ایک دفعہ خلیفۂ وقت ان کو ملنے کے لئے آیا اور اپنے ہمراہ پیالے میں فالودہ لایا، جب امام ابو یوسفؒ کو پیش کیا تو کہا: حضرت! یہ قبول فرمائیں، یہ وہ نعمت ہے جو ہمیں کبھی کبھی ملتی ہے، مگر آپ کو روزانہ ملا کرے گی، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ ہے، امام ابو یوسفؒ حیران ہوئے کہ استاذ مکرم کی زبان سے نکلی ہوئی بات من وعن پوری ہوگئی۔

(تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۵-وفیات الاعیان ۶/۳۸۱)

(۳) محمد بن عیسیٰؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن مبارکؒ نے طرطوس سے شام کا سفر کیا تو راستے میں رقہ کی سرائے میں قیام فرمایا، وہاں آپ کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی، جس کی نیکی اور پرہیزگاری آپ کو پسند آئی، چنانچہ آپ نے معمول بنالیا کہ جب کبھی اس سرائے میں قیام پذیر ہوتے تو اس نوجوان سے ملاقات کرتے، ایک مرتبہ آپ رقہ میں قیام پذیر ہوئے تو نوجوان کو غیر حاضر پایا، جب لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ وہ کسی وجہ سے دس ہزار درہم کا مقروض ہوگیا تھا اور قرض خواہوں نے مل کر اسے جیل بھجوا دیا، آپ کو بہت افسوس ہوا، آپ نے قرض خواہوں کو بلایا اور دس ہزار روپے اپنی گرہ سے ادا کر دیئے اور یہ وعدہ لیا کہ وہ نوجوان کو یہ نہیں بتائیں گے کہ قرض کی رقم کس نے ادا کی ہے، جب نوجوان کو رہا کیا گیا اور بتایا گیا کہ کسی مسافر نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا، جیل سے باہر نکلنے پر اسے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ شام کی طرف جا رہے ہیں اور ابھی چند ہی دن پہلے اپنی اگلی منزل پر روانہ ہوئے ہیں، اس نوجوان کے دل میں ملاقات کا شوق موجزن ہوا، اس نے بھی کوشش کی اور اگلی منزل پر جا پہنچا، عبد اللہ بن مبارکؒ سے ملاقات ہوئی، آپ نے خوشی خوشی اس سے پوچھا کہ رہائی کیسے ہوئی؟ اس نے بتایا کہ کسی نامعلوم آدمی نے اس کا قرض اتار دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس نے تمہیں مصیبت سے نجات عطا فرمائی، عبد اللہ بن مبارکؒ کی زندگی میں یہ واقعہ مخفی رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو قرض خواہ نے پورا قصہ سنایا تب لوگ حیران ہوئے کہ عالم باعمل نے کس طرح اپنے شاگرد پر احسان کیا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا۔

(تاریخ بغداد ۱۰/ ۱۵۹)

(۴) امام محمدؒ کے حالات زندگی میں ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ امام شافعیؒ کی مالی امداد کی اور فرمایا کہ اس میں عار محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، عراق کے زمانہ

قیام میں ایک بار امام شافعیؒ قرض کے سلسلے میں نظر بند کر دئے گئے، امام محمدؒ نے قرض خواہوں کا قرض ادا کر کے انہیں رہا کروایا۔

تاریخ الاسلام للذہبی ۱۴/۳۱۳-مناقب کردری مترجم ۵۲۴-الجواہر المضیئۃ

استاذ ناغہ نہ کریں

(۱) ربیع بن سلمانؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام شافعیؒ نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تمہیں علم گھول کر پلا سکتا تو پلا دیتا۔

تاریخ الاسلام للذہبی ۲۰/۹۷

(۲) سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ طلباء میرے پاس آ کر علم حاصل نہ کرتے تو میں ان کے پاس جا کر انہیں علم پڑھاتا۔

(۳) حضرت قاری عبدالحلیم پانی پتیؒ کے ذمے بہت سے اسباق تھے، ایک مرتبہ چند طلباء نے سبع پڑھنے کی درخواست کی، فرمایا وقت نہیں، مگر تمہارے لئے کوئی صورت نکال لوں گا، آپ نماز ظہر کے بعد ہدایہ پڑھایا کرتے تھے، آپ کے شاگرد مختلف مساجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر آتے اور ہدایہ کا درس سنتے تھے، آپ نے سبعہ کے لئے ظہر کے بعد اور ہدایہ سے پہلے کا وقت متعین فرما دیا، جب سبعہ کا درس شروع ہوا تو آہستہ آہستہ اور طلباء بھی شامل ہوتے گئے، حتیٰ کہ مستقل جماعت بن گئی، کچھ دنوں کے بعد آپ نے فرمایا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے سبق پورا نہیں ہوتا، لہٰذا عشاء کے بعد بھی آ جایا کرو، طلبہ نے سبعہ پڑھنے کے لئے عشاء کے بعد بھی آنا شروع کر دیا، چار ماہ کے بعد آپ کو خیال ہوا کہ اگر کچھ مزید وقت دے دیا جائے تو رمضان المبارک سے پہلے پوری کتاب مکمل ہو سکتی ہے، چنانچہ آپ نے طلبہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ رات کو میرے مکان پر سو جایا کریں، صبح تہجد کے وقت سے فجر تک کے درمیان سبعہ

پڑھائیں گے، چنانچہ طلبہ نے عشاء کے بعد آپ کے گھر میں قیام کرنا شروع کر دیا اور رمضان المبارک سے پہلے کتاب مکمل ہوگئی، طلبہ کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے اوقات کی قربانی دینے کی یہ عمدہ مثال ہے۔

کم کھانے کا فائدہ

امام بخاریؒ کو حکیم صاحب نے چیک کرنے کے بعد کہا کہ لگتا ہے کہ اس بندے نے کبھی مرچ کھائی ہی نہیں ہے امام صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت حکیم صاحب تو کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی مرچ کھائی ہی نہیں، فرمانے لگے ہاں پچھلے سولہ سال گزر گئے، میں نے سولہ سال میں کبھی مرچ نہیں کھائی، انہوں نے پوچھا حضرت پھر کھاتے کیا ہیں؟ فرمانے لگے تین بادام یا سات بادام کھا لیتا ہوں، میرا روزانہ کا گزارہ اتنے پر ہی ہو جاتا ہے۔

چوبیس گھنٹے میں سات بادام یہ ان کی غذا تھی پھر اللہ کے یہاں قبولیت کیا ہوئی کہ آج بخاری شریف کو پڑھے بغیر کوئی بندہ عالم نہیں بن سکتا، کیا کام کر کے دنیا سے چلے گئے۔

کشادہ دل علماء کے واقعات

☜ (۱)...... حضرت امام شافعیؒ نے ایک بار نماز فجر امام ابو حنیفہؒ کے مقبرہ کے پاس ادا کی اور دعائے قنوت نہ پڑھی، جبکہ ان کے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، جب اس سلسلہ میں آپ سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ اس کی بارگاہ میں ہوں کیسے اس کی مخالفت کر سکتا ہوں۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص: ۳۳۵ - الانصاف للدہلوی ۱۱۰ - الخلاصۃ فی احکام الاجتہاد ۴/ ۱۳۷)

(۲)......حضرت امام مالکؒ نے حدیث وافتاء کی بیش بہا خدمت کی اور موطا امام مالک جیسی گراں قدر کتاب لکھی، ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے اس کتاب کے چند نسخے بنوا کے دوسرے شہروں میں بھیجنے کا اردہ کیا تا کہ لوگ ایک ہی فقہ پر عمل کریں اور اختلافات ختم ہو جائیں، امام مالکؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا ایسا نہ کریں، لوگوں تک بہت سی احادیث اور روایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ اپنا چکے ہیں، جو انہوں نے اختیار کرلیا، اس پر انہیں چھوڑ دیں، آپ کے اس اقدام سے مزید اختلافات بڑھیں گے، خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا: ابوعبداللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ اور توفیق دے۔

(الانتقاء ۱/۴۱-ترجمۃ الائمۃ الاربعہ ۱/۵۸-سیر اعلام النبلاء ۸/۷۸-الفکر الاسلامی ۱/۳۳۶)

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے فقہی مسائل میں کافی اختلاف تھا، اسکے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علمی صلاحیتوں کے معترف رہتے تھے، قاضی عیاض المدارک میں فرماتے ہیں۔

"امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روز میں نے مدینہ طیبہ میں امام مالکؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ امام مالکؒ اپنی پیشانی سے پسینہ پوچھ رہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں ابوحنیفہؒ سے گفتگو کر کے پسینہ پسینہ ہو گیا، اے مصری! وہ واقعی فقیہ ہیں، اس کے بعد میں نے ابوحنیفہؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ امام مالکؒ نے آپ کے متعلق کتنی اچھی بات کی ہے، آپ نے فرمایا کہ صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں اس سے تیز خاطر آدمی میں نے نہیں دیکھا"۔

(ترتیب المدارک وتقریب السالک ۱/۳۶)

امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ

(۱)......امام احمد بن حنبلؒ کے بیٹے عبداللہؒ نے ایک دن پوچھا: والد محترم! شافعی کون ہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: بیٹا! شافعیؒ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، وہ اس دنیا کے لئے آفتاب اور انسانوں کے لئے خیر وبرکت تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی عوض ہو سکتا ہے؟

(الانتقاء ۷۴، ۷۵)

(۲)......محدث یحییٰ بن معینؒ نے اپنی ایک ملاقات میں صالح بن امام احمدؒ کو کہا "آپ کے والد شرماتے نہیں" میں نے انہیں دیکھا ہے کہ امام شافعیؒ سواری پر ہیں اور یہ ان کی رکاب پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ سے بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا: یحییٰ بن معینؒ سے ملاقات ہو تو کہنا کہ میرے والد کہہ رہے تھے اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف کی رکاب تم تھام لو۔

(الانتقاء ۷۵)

(۳)......امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا اور کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ شافعی یہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ قریش کے امام وعالم تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۰/۸۲ - ترجمۃ الائمۃ الاربعۃ ۱/۱۷۶ - آداب الشافعی ص: ۸۶)

(۴)......داؤد بن علی اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہؒ کو یہ کہتے سنا کہ مکہ مکرمہ میں میری ملاقات امام احمد بن حنبلؒ سے ہوئی، انہوں نے کہا: آیئے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے ویسا آدمی نہ دیکھا ہوگا، اس کے بعد انہوں نے امام شافعیؒ کو دکھایا۔

(دولۃ السلاجقۃ ۱/۴۵۸ - مختصر تاریخ دمشق ۶/۴۳۲ - الانتقاء ۱/۷۴ - صفۃ الصفوۃ ۲/۲۵۰)

(۵)......امام شافعیؒ کو امام احمد بن حنبلؒ کی فضیلت اور علمی شہرت کا اعتراف تھا، ایک مرتبہ انہوں نے امام احمدؒ کو مخاطب کر کے کہا: تم لوگ حدیث ورجال کے مجھ سے بڑے عالم ہو، جب کوئی صحیح حدیث ملے تو مجھے بتاؤ خواہ وہ کوفی ہو، بصری ہو، یا شامی ہو، جو بھی صحیح حدیث ہوگی میں اسے اختیار کرلونگا۔

(ترجمۃ الائمۃ الاربعۃ ۱/۱۳۵-سیر اعلام النبلاء ۱۰/۳۳و۱۱/۲۱۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیدؓ میں علمی اختلاف

ان دونوں حضرت میں شدید علمی اختلاف تھا اس کے باوجود دونوں حضرات میں ادب واحترام کے عجیب مناظر دیکھے گئے، ایک بار حضرت زیدؓ کہیں سے تشریف لا رہے تھے تو ابن عباسؓ نے ان کی سواری کی رکاب تھام لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے، حضرت زیدؓ نے کہا: اے فرزند عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ رکاب چھوڑ دیں اور ایسا نہ کریں، حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ہمیں یہی سکھایا گیا کہ علماء اور بڑوں کی تعظیم کریں، اس پر زیدؓ نے کہا: آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں، حضرت ابن عباسؓ نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت زیدؓ نے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمیں اہلِ بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم ہے۔

(کنز العمال ۷/۳۷-عیون الاخبار ۱/۱۱۴-مختصر تاریخ دمشق ۳/۲۲۷-البدایہ والنہایہ ۸/۳۳۱)

جب حضرت زیدؓ کا انتقال ہوا تو ابن عباسؓ نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا "علم اس طرح رخصت ہوتا ہے" دوسری روایت میں ہے کہ علم کا جانا اس طرح ہوتا ہے، آج علم کا بہت زیادہ حصہ دفن ہوگیا۔

(تہذیب التہذیب ۳/۳۴۵-الطبقات الکبریٰ ۳/۳۶۱-المعرفۃ والتاریخ ۱/۲۵۹)

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا اختلاف

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان قصاص عثمانؓ پر سخت اختلاف ہوا،

حتی کہ بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہوئی۔

ایک آدمی نے حضرت علیؓ سے جنگ جمل کے مخالفین کے متعلق سوال کیا کہ وہ مشرک ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا: نہیں، وہ شرک سے دور ہیں۔

اس نے پوچھا: کیا وہ منافق ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ نہیں، منافق اللہ کو کم یاد کرتے ہیں، سائل نے پوچھا، پھر وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں، جنہوں نے ہم سے اختلاف کیا۔

(سنن بیہقی ۸/۱۷۳، ۱۸۲-مصنف ابن شیبہ ۱۵/ ۱۵۵-البدایہ والنہایہ ۷/ ۳۲۱)

☆ ابو صالح نے کہا کہ ایک روز ضرار بن ضمرہ کنانی حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے، تو آپؓ نے فرمایا: ہم سے علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو، انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین مجھے معاف رکھیں، آپ نے اصرار کیا، تو انہوں نے کہا:

''باخدا! وہ ایک بلند نظر دور اندیش اور طاقتور انسان تھے، ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا، ان کے اطراف وجوانب سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے تھے، دنیا کی رنگینیوں سے دور رہ کر رات کی تاریکیوں سے مانوس رہتے تھے، واللہ وہ بہت گریہ وزاری کرنے والے تھے، ہر وقت سوچ میں غرق رہتے تھے، اپنی ہتھیلیاں الٹتے پلٹتے اور اپنے آپ سے باتیں کرتے تھے، معمولی لباس اور معمولی کھانا پسند کرتے تھے۔

باخدا! وہ ہمیں اپنے جیسے آدمی نظر آتے، جب ہم ان کے پاس جاتے تو وہ ہمیں قریب رکھتے اور ہماری باتوں کا جواب دیتے، لیکن اتنا قریب ہونے کے باوجود انکا رعب اتنا ہوتا تھا کہ ہم ان سے بات نہ کر سکتے تھے، وہ مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت نظر آتے، وہ دین داروں کی تعظیم کرتے، فقراء ومساکین سے محبت کرتے تھے، کوئی طاقتور آدمی ان سے غلط کام کروانے کی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور کوئی کمزور آدمی ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا تھا، میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ شب کی تاریکیوں میں انہیں میں نے دیکھا کہ محراب کے

اندر اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس بے چینی سے تڑپ رہے ہیں، جیسے انہیں کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور کسی غمزدہ اور ستم رسیدہ شخص کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں، مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ ان کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے، اے میرے پروردگار! اے میرے پالنہار! اللہ تعالیٰ کے حضور وہ گریہ کرتے تھے اور دنیا سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے، تم میرے پاس آ رہی ہو، تم مجھ پر نظریں جما رہی ہو، افسوس! افسوس! جاؤ کسی اور کو دھوکا دو، میں نے تمہیں تین طلاقیں دے دی ہیں، اے دنیا تمہاری عمر مختصر، تمہاری محفل ذلیل و حقیر اور تمہارا فائدہ بہت کم ہے، آہ آہ آہ!! توشۂ راہ کتنا قلیل، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشتناک ہے۔

یہ سن کر حضرت امیر معاویہؓ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے، ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، جسے وہ آستین سے پونچھتے رہے، حاضرین مجلس کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی، حضرت امیر معاویہؓ نے کہا: ابوالحسنؓ ایسے ہی تھے، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

(مختصر تاریخ دمشق ۴/۳۴۔ مروج الذہب ۱/۴۴۳۔ الفتنۃ فی عہد الصحابۃ)

علوم عصریہ

مادی علم کی طاقت

جاپانیوں نے ایک ہنر متعارف کروایا جس کا نام،،کراٹے،،ہے، یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ اگر ایک دبلا پتلا لڑکا بھی کراٹے جانتا ہوتو وہ اچھے خاصے پہلوان کو زمین پر لٹا دیتا ہے،اس فن کا موجد جب بوڑھا ہوگیا اور بال سفید ہوگئے تو اس وقت اس نے بھینسے کے ساتھ فائیٹنگ کا مقابلہ کیا....وہ کہتا تھا بندوں کے ساتھ کیا مقابلہ کرنا، یہ تو نازک ہوتے ہیں لہذا میں بھینسے کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں ....اس نے بھینسے کے ساتھ مقابلہ کیسے کیا؟ وہ بوڑھا اپنے سر پر سرخ پٹی باندھ کر کھڑا ہوگیا، کیوں کہ جولڑنے والے بھینسے ہوتے ہیں وہ سرخ رنگ کو دیکھتے ہیں تو وہ اس بندے کے پیچھے بھاگتے ہیں اور اس کو زمین سے اچھال کر اس کی ہڈیاں توڑ دیتے ہیں، جب وہ آدمی کھڑا ہوا تو وہ بھینسا بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا تو وہ تھوڑا سا ایک طرف ہٹ گیا اور جیسے ہی بھینسا آگے گذرنے لگا تو اس نے اپنے ہاتھ کو اس کے سینگ کے اوپر مارا تو بھینسے کا سینگ نکل کر گر گیا، اب بھینسا زخمی ہوگیا، زخمی بھینسے کو اور زیادہ غصہ آتا ہے،لہذا وہ چکر کاٹ کر دوبارہ زیادہ غصے کے ساتھ آیا، جب وہ بوڑھے کے قریب آیا تو وہ دوسری طرف کو مڑ گیا اور اب اس کے دوسرے سینگ پر اپنا ہاتھ مارا جس سے دوسرا سینگ بھی نیچے گر گیا، جب بھینسے کے دونوں سینگ ٹوٹ گئے اور خون بہنے لگا تو اب اس کے غصے کی کوئی انتہاء نہ رہی، چنانچہ جب وہ تیسری دفعہ آیا تو گویا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے،اب کی بار جب بھینسا دوڑتا ہوا اس

کے قریب آیا تو پھر اس کے سامنے سے بوڑھا ذرا ایک طرف کو ہٹا اور اس نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر پورے زور سے اپنا ہاتھ مارا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ وہیں بیٹھ گیا اور اس کی جان نکل گئی، تین وار کر کے بوڑھے نے ایک بھینسے کو مار دیا....یہ ایک مادی علم کی طاقت تھی جس کے بل بوتے پر اس نے اس فن کا مظاہرہ کیا......اگر اس دنیاوی فن کا یہ اثر ہوسکتا ہے، تو اگر ہم علم الٰہی کو حاصل کریں اور اس میں پختگی حاصل کریں تو بیشمار نعمت حاصل کر سکتے ہیں۔

محمد علی کا مقابلہ

داؤ پیچ جاننے والا اگر وہ پتلا سا بھی ہو تو وہ موٹے بندے کو گرا کر مارتا ہے....مشہور ہے کہ محمد علی کلے جو بڑا باکسر تھا، اس کا ایک مکا معلوم نہیں کہ وہ کتنے ٹن کے وزن سے لگتا تھا، اس کے سامنے کوئی بندہ رنگ میں کھڑا نہیں ہوسکتا تھا، وہ مکا مار کر بندے کے بتیس دانت باہر نکال دیتا تھا، گویا اسکا لوہے جیسا مکا تھا وہ دنیا کا چمپئن کہلاتا تھا، ایک مرتبہ اس کا مقابلہ جاپان کے ایک کھلاڑی سے ہوا، اس کا نام انوکی تھا، انوکی دبلا پتلا تھا اور یہ موٹا تازہ تھا، انوکی نے بارہ راؤنڈ محمد علی کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا، ادھر پوری دنیا کا چمپئن کھڑا ہے اور دوسری طرف دبلا پتلا آدمی ہے، مگر انوکی داؤ ایسے جانتا تھا کہ اگر محمد علی اسکے قریب جاتا تو وہ اسکی ہڈی کو توڑ دیتا اس نے اپنے فن کی وجہ سے دنیا کے چمپئن کو بارہ راؤنڈ اپنے قریب بھی نہ آنے دیا......ہمیں چاہیے کہ اپنے باطن کو اس قدر قوی اور مضبوط بنائیں کہ نفس وشیطان ہمارے قریب بھی نہ آسکے۔

مقناطیسی دھاگے کے ذریعہ آپریشن

سعودی عرب میں ہمارے ایک واقف کار رہتے تھے، ان کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، اسے پرندوں کے شکار کا شوق ہوا، انہوں نے اسے ایئر گن لے کر دیدی اب وہ نوجوان عصر کے بعد

باہر نکلتا اور پرندوں کا شکار کرتا، وہ پرندوں کا شکار کرنے کے لئے نکلا اور اسنے چھرّے منہ میں ڈال لئے، وہ ایک ایک چھرّہ نکالتا اور ایئر گن کے اندر رکھ کر نشانہ باندھتا، اللہ کی شان کی ایک مرتبہ اس نے چھرّہ نکالنے کے لئے منہ کھولا تو ایک چھرّہ اسکی ہوا کی نال میں چلا گیا، اسے یہ تھوڑا عجیب تو لگا اور تکلیف بھی ہوئی، لیکن جب وہ اندر اتر گیا تو مطمئن ہوگیا کہ اب یہ پیٹ میں چلا گیا ہے، یہ نکل جائے گا، لیکن وہ پیٹ میں نہیں بلکہ پھیپھڑے میں گیا تھا، اور پھیپھڑا ہر وقت کھلتا اور بند ہوتا رہتا ہے، جب لوہے کی بنی ہوئی چیز پہنچی تو وہاں زخم ہونا شروع ہوگیا، اسے دس پندرہ دنوں کے بعد بخار ہونا شروع ہوگیا، ڈاکٹروں نے دوائیاں دیں مگر بخار نہ اترا، ڈاکٹر حیران تھے کہ دوائی اثر کیوں نہیں کر رہی، بالآخر انہوں نے کہا کہ اسکا جنرل چیک اپ کروائیں، چنانچہ جب اس کا الٹرا ساؤنڈ کیا گیا تو پتہ چلا کہ اسکے پھیپھڑے کے اندر لوہے کی بنی ہوئی کوئی چیز ہے، اب ڈاکٹروں نے آپریشن کروانے کو کہا، آپریشن بھی ڈبل ہوگا، پہلے پیٹ کھولیں گے پھر پھیپھڑے کو کاٹ کر اندر سے چھرّہ نکالیں گے، ڈاکٹروں نے یہ بھی بتایا کہ اسکی کامیابی کے چانس بہت تھوڑے ہیں، چونکہ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، اس لئے اس نے رونا شروع کر دیا کہ میرے بیٹے کی جان کو خطرہ ہے، چنانچہ اس نے کچھ اور ڈاکٹروں سے مشورہ کیا، ایک ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ جدہ میں کنگ عبدالعزیز ہسپتال ہے، انہوں نے اینڈوگرافی ڈیپارٹمنٹ میں نئی نئی مشینیں منگوائی ہے، آپ وہاں لے جائیں، چنانچہ یہ وہاں پہنچ گیا، انہوں نے مریض کو آپریشن تھیٹر میں لٹایا اور انہوں نے تار کی موٹائی کے برابر کوئی چیز ناک کے ذریعے سانس کی نالی میں داخل کی، اس تار کا سرہ مکھی کے سر کے برابر موٹا تھا، اس مکھی کے سر کے برابر جگہ میں لائٹ بھی تھی اور ویڈیو کیمرا بھی تھا، وہ اسے اندر ڈالتے رہے اور اسکرین پر اسکی تصویر دیکھتے رہے، جب انہوں نے اسکو اس دھاتی چیز (چھرّہ) کے ساتھ ٹرچ کر دیا تو پیچھے سے انہوں نے بٹن آن کر کے اسے مقناطیس بنا دیا، اب اسے مقناطیسی دھاگے نے پکڑ لیا، انہوں نے تین منٹ میں پھیپھڑے کے اندر

پڑے ہوئے اس چھرے کو نکال کر باہر میز پر رکھ دیا، یہ کیا چیز ہے؟... یہ مادی علم ہے...... مادی علم پر محنت کرنے والے اگر دھاگے کے ذریعہ اندر کے نقصان دہ مادہ کو نکال سکتے ہیں تو کیا اہل اللہ باطنی امراض میں مبتلا لوگوں کے رزائل کو نگاہ توجہ سے زائل نہیں کر سکتے؟

آنکھوں دیکھا حال

مجھے۱۹۸۴ء میں امریکہ جانے کا موقع ملا وہاں پر ایک کانفرنس ہوئی جس میں وہاں کی کمپنیوں کو اپنے اپنے سامان کی نمائش کرنا تھی، وہاں ہمارے ایک دوست تھے، انہوں نے کہا، حضرت! اگر آپ بھی وہ نمائش دیکھنا چاہیں تو میں آپ کا بھی کارڈ بنوالیتا ہوں، میں نے کہا، بہت اچھا، چنانچہ انہوں نے انجینئر کی حیثیت سے میرا بھی کارڈ بنوادیا، اسطرح میرے لئے بھی وہاں پہنچنا آسان ہوگیا، اس زمانے میں وضع قطع میں ہم وہاں جاتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے کہ شاید یہ کسی ملک کے بادشاہ ہیں، چنانچہ لوگوں نے ہمیں متعدد جگہ پر روک کر پوچھا کہ یہ کس ملک کے بادشاہ ہیں، ہمارے دوست شوق میں انکو کہہ دیتے تھے کہ روحانیت کی دنیا کے بادشاہ ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ،، روحانیت،، کسی ملک کا نام ہے، جب ہم اندر گئے تو وہاں تو ایک نئی دنیا تھی، ہم نے وہاں ایک بندے کو دیکھا، وہ سکرین کے پاس بیٹھا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ سڑک پر جتنی گاڑیاں چل رہی ہیں ہم ان چلتی گاڑیوں کی ڈگی میں پڑے ہوئے سامان کی تصویر آپ کو دکھا سکتے ہیں... یہ ۱۹۸۴ء کی بات ہے، سنی سنائی بات نہیں کہہ رہا بلکہ آپ بیتی بات کر رہا ہوں.... میں نے کہا، جی آپ مجھے دکھائیں، اس نے کہا کہ دیکھئے یہ ہمارا ہائی وے ہے اور اس میں یہ ٹریفک چل رہی ہے، آپ جس چلتی گاڑی پر انگلی رکھیں گے اسکی تصویر آپ کے سامنے آ جائیگی، میں نے ایک سرخ رنگ کی گاڑی کے اوپر انگلی رکھی تو جیسے ایئر پورٹ پر سامان کی تصویر نکالتے ہیں اسی طرح اس گاڑی کے اندر پڑے ہوئے پورے سامان کی

تصویر سکرین پر نظر آنے لگی ..... یہ کیا چیز ہے؟ ..... یہ علم الابدان ہے .... مادیت پر محنت کرنے والے دور کی چیزوں کو تاک جھانک سکتے ہیں اور کسی خطرناک مادہ کا پتہ چلا سکتے ہیں، ہم کس قدر غفلت میں کہ اپنے اندر جھانک کر خطرناک مادہ کا پتہ نہیں چلاتے کہ کون کون سے باطنی امراض اندر چھپے ہیں؟

ایک مصنوعی چاند

بعض فنی مہارتیں رکھنے والے لوگ اپنے فن کا راز بھی دوسرے سے پوشیدہ رکھتے ہیں، دوسروں کو بتانے میں بخل کرتے ہیں۔

عباسی دور میں حکیم بن ہاشم نامی آدمی نے ایک مصنوعی چاند بنایا، اسے ماہ نخشب کہتے تھے کیونکہ وہ چاند نخشب نامی کنوئیں سے طلوع ہوتا تھا، وہ چاند تقریبا دوسو مربع میل کا علاقہ منور کرتا تھا، اس چاند کی خوبی یہ تھی کہ وہ سورج کے غروب ہوتے ہی نکل آتا اور اس کے طلوع ہوتے ہی غروب ہوجاتا تھا، حکیم نے اس چاند کی حقیقت کسی کو نہ بتائی اور وہ اس کا راز سینے میں لئے تیزاب کے مٹکے میں گرا اور وہیں مرگیا...... جب خودساختہ چاند بن سکتا ہے اور روشنی پھیلا سکتا ہے تو کیا ہم اپنے باطن کو منور اور روشن نہیں کرسکتے؟

ہاتھیوں کا فٹ بال میچ

ہم نے ایک جگہ ہاتھیوں کا فٹ بال میچ دیکھا، ہاتھیوں کی ایک ٹیم ادھر ہے اور ایک ٹیم ادھر ہے، گیند بھی کوئی چھوٹا سا نہیں تھا، یوں سمجھیں کہ تقریبا آٹھ فٹ ڈایا میٹر کا ہوگا، وہ ہاتھی سونڈ سے اس کو کیک لگا رہے تھے، اور ایک ہاتھی ادھر گول پہ کھڑا ہے اور ایک ہاتھی ادھر گول پہ کھڑا ہے، باقاعدہ گیم ہوئی اور ہم نے ہاتھی کو گول کرتے ہوئے دیکھا، ہم حیران تھے کہ یا اللہ! اس انسان کو آپ نے عقل والی کیا نعمت دی کہ جس کے ذریعہ اس نے جانوروں کو بھی یہ کچھ سکھا ڈالا!

ہاتھی کی پینٹنگ

ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ انہوں نے ہاتھی کو پینٹنگ سکھائی ہوئی تھی، انہوں نے نو دس کلرر کھے ہوئے تھے، میٹر بائی میٹر کی شیٹس بھی رکھی ہوئی تھیں، دس ڈالر کی ایک شیٹ ملتی تھی، وہ اس شیٹ پر ہاتھی سے پینٹنگ کروا کے دیتے تھے، جب کوئی آدمی آ کر کہتا کہ مجھے اس کلر کی پینٹنگ چاہیئے، تو اس کو کنٹرول کرنے والا آدمی برش کو رنگ میں ڈبو کر سونڈ میں پکڑا دیتا، ہاتھی سونڈ میں برش پکڑ کر اتنی صفائی سے اس کا شیڈ دیتا کہ لگتا تھا اس نے فائن آرٹس میں ماسٹر ڈگری لی ہوئی ہے، چند مرتبہ شیڈ دینے سے اتنی خوبصورت پینٹنگ تیار ہوتی تھی کہ لوگ خرید کر لے جاتے تھے اور ہاتھی کی پینٹنگ اپنے گھروں میں سجاتے تھے۔

ایک عجیب وغریب کیٹل فارم

ہمیں ایک مرتبہ لائیوسٹاک دیکھنے کا موقع ملا، وہاں تین سو گائیں تھیں، ان تین سو گائے کی کیئر ٹیکنگ (حفاظت) کے لئے صرف تین بندے تھے،... آج ہمارے ہاں اگر تین سو گائیں ہوں تو ان کی حفاظت کے لئے کم از کم تین درجن بندوں کی ضرورت پڑ یگی ...وہاں صرف تین بندے تھے وہاں چند باتیں ہم نے بڑی عجیب دیکھیں۔

☆ .....ہر گائے کے گلے میں ایک رول نمبر ٹیگ لگا دیا گیا ہے، ہر گائے کی جگہ مخصوص ہے، اسکے گلے میں رسی نہیں ہے وہ اپنی ہی جگہ پر کھڑی ہوتی ہے بیٹھتی ہے اور آرام کرتی ہے۔

☆ ....جب اس گائے کو نہانے کا جی چاہتا ہے تو وہ ایک جگہ، جہاں شاور لگا ہوا ہے، وہاں آ کر وہ اپنا ٹیگ کیمرے کو پڑھاتی ہے، کیمرہ پڑھنے کے بعد کمپیوٹر کو بتاتا ہے یہ گائے شاور لینا چاہتی ہے، پھر کمپیوٹر دیکھتا ہے کہ کیا یہ آج شاور لے چکی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں

لیا تو اوپر سے پانی کھل جاتا ہے اور گائے خود اس کے نیچے نہاتی ہے اور اپنی جگہ پر واپس چلی جاتی ہے۔

☆.... اس کا چارہ ایک پائپ کے ذریعہ اسکی اپنی جگہ پر ڈال دیا جاتا ہے۔

☆.... ایک چیز نے ہمیں وہاں بہت حیران کیا، وہ یہ کہ ان کا ملکنگ ٹائم (دودھ دوہنے کا وقت) آ گیا تھا، ہم نے پندرہ گایوں کو بالکل ایک لائن میں کھڑے دیکھا، ان کو بتانے والا کوئی بندہ نہیں، کوئی رسی نہیں، بس ہم نے آگے ایک بندے کو دیکھا اس کے پاس ایک ملکنگ مشین تھی، جب گائے اپنی پوزیشن پر آتی تو وہ اس کے تھنوں کے ساتھ اس کی اٹیچ منٹ لگا دیتا تھا، یوں گائے کھڑی رہتی اور اس کا دودھ نکلتا رہتا، اتنے میں دوسری لائن میں کھڑی گائے کے تھنوں کے ساتھ دوسری ملکنگ مشین لگا دیتا تھا، جب پہلی گائے کا دودھ مکمل ہو جاتا تو وہ اپنے پاؤں سے اس اٹیچ منٹ خود نیچے گرا دیتی اور آگے چلی جاتی، جیسے ہی پوزیشن کھالی ہوتی پیچھے انتظار کرنے والی گائے اس جگہ پر آ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

ہم حیران ہوئے کہ آج کئی جگہوں پر انسانوں کو لائن بنانا سکھانا مشکل کام ہوتا ہے اور جہاں کوئی محنت کرتا ہے تو دیکھئے کہ جانور بھی لائن بنا کر آتے ہیں اور ملکنگ کے بعد اپنے راستے پر خود واپس چلے جاتے ہیں۔

ڈالفن مچھلی کا حیرت کن کرتب

ہمیں ایک مرتبہ بالٹی مور جانے کا موقع ملا، وہاں پر ایک بہت بڑا Aquarium (مچھلی گھر) ہے، اس میں انہوں نے بہت ہی عجیب وغریب قسم کی مچھلیاں پالی ہوئی ہیں، وہ چونکہ ایک ایجوکیشنل ٹرپ تھا اس لئے ہم نے سب کچھ بڑے شوق سے دیکھا اور ہمیں مچھلیوں کے بارے میں بہت معلومات ملیں، پھر آخر میں وہ کہنے لگے کہ جانے سے پہلے ہم آپ کو ڈالفن شو دکھائیں گے، چنانچہ سب لوگ بیٹھ گئے۔

ہم نے دیکھا کہ سوئمنگ پل کی طرح ایک بڑی ساری جگہ بنی ہوئی ہے اور اس میں ڈالفن تیر رہی ہے، انہوں نے اس کے کئی کرتب دکھائے، اس میں سے ایک کرتب واقعی عجیب تھا۔

پانی کی سطح سے تقریبا پچیس سے تیس (۲۵ سے ۳۰) فٹ اونچا ایک بال تھا، جو انہوں نے اوپر سے نیچے لٹکایا اور ڈالفن کو اشارہ کیا کہ تم اس بال کو کک لگاؤ، ڈالفن اس وقت سوئمنگ پل کے کونے میں تھی، جیسے ہی اس نے کمانڈ دی، ڈالفن نے پانی کے اندر تیرنا شروع کیا اور عین وسط میں آکر اتنی اونچی چھلانگ لگائی کہ اس نے اپنے منہ سے بال کو کک لگادی.... یا اللہ! ایک حیوان کو بھی اتنا کچھ سکھایا جاسکتا ہے۔

اس وقت ڈالفن بہت خوش تھی، پھر اس نے اس خوشی کا اظہار اس طرح کیا کہ وہ کنارے کے قریب تیرنے لگی اور اس نے اپنی اتنی بڑی دم کے اندر پانی لے کر سب وزیٹرز پر اس طرح پھینکا کہ سب کے کپڑے تر ہو گئے، تو دیکھئے کہ انسان کو اللہ تعالی نے عقل کے نور سے نوازا اور انسان نے اس عقل کے ذریعہ جانوروں کو بھی سدھالیا۔

ریچھ کی عقلمندی

ایک بندے نے ریچھ پالا ہوا تھا، تو اس کے دل میں خیال آیا کہ جبکہ میں جب دوپہر کو سوتا ہوں گرمی ہوتی ہے تو ریچھ کو کیوں نہ پنکھا کرنا سکھاؤں، اس نے ریچھ کو پنکھا کرنا سکھایا، اب مالک سوجاتا اور ریچھ پنکھا کرتا، لوگوں نے منع بھی کیا بھئی یہ جانور ہے اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرو مگر نہیں اسے سکھا دیا، چنانچہ کچھ دن تو ایسا چلتا رہا، ایک دن مالک سویا ہوا تھا اور ریچھ پنکھا کر رہا تھا، ایک مکھی آئی وہ اس سوئے ہوئے بندے کے کبھی ماتھے پر بیٹھے کبھی ناک پر بیٹھے، اب اس ریچھ نے اس مکھی کو اڑانے کی پوری کوشش کی، وہ بھی مکھی تھی

کہاں اڑتی ہے

مگس ہرگز نہ خواہد رفت از دکان حلوائی

ایک حلوائی کی دکان پر مکھی نہیں ہٹتی، اور ایک کبھی کبھی کسی چہرے پر بیٹھ جائے تو بھی نہیں ہٹتی، ہٹاؤ تو نہیں ہٹتی، تو جب اس نے کئی بار اس کو ہٹایا اور مکھی نہ ہٹی تو ریچھ کو غصہ آیا اس نے کہا اچھا میں اس مکھی کی خبر لیتا ہوں، چنانچہ ایک پتھر بھاری سا پڑا تھا اس نے اٹھایا اور اس مکھی کو دے مارا اور اپنے مالک کے دماغ کا کچومر نکال دیا۔

تو اپنی طرف سے تو اس نے مکھی کو مارا لیکن عقل اتنی نہیں تھی کہ آگے اس کے سر کا کیا بنے گا۔

(حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات ۴۹)

ہاتھی کا تماشا

انسان جانوروں کو سدھا بھی لیتا ہے، حالانکہ جانور طاقت اور سائز میں انسان سے زیادہ بڑے ہوتے ہیں، ہاتھی کو قابو کر لینا کوئی معمولی بات نہیں، اس کا وزن ٹنوں میں ہوتا ہے اور اس کی طاقت بھی بہت ہوتی ہے، ایک مرتبہ ہمیں امریکہ میں سفر کرنے کے دوران، ڈرائیور نے کہا: حضرت! ہم اس وقت ایک ایسے ایگزٹ پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم دو منٹ کے اندر اندر ایک چڑیا گھر کے دروازے پر پہنچ جائیں گے اور اس وقت چڑیا گھر بند ہونے والا ہے، آخر میں وہ اپنا ایک فائنل پروگرام پیش کرتے ہیں جو بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے۔ آپ اگر اجازت دیں تو وہ دیکھتے چلیں، کیونکہ ہمارے پاس ٹائم بھی ہے۔

میں نے جواب میں کہا:

مرغ دل را گلشن بہتر ز کوئے یار نیست
طالب دیدار را ذوق گل و گلزار نیست

''دل کے مرغ کو باغ دوست کی گلی سے زیادہ اچھا نہیں، دیدار کے طالب کو گل وگلزار کا ذوق نہیں ہوتا''

مگر دونوں بچے ساتھ تھے، ابو جی! جانور کا شو ہے، اگر ہم دیکھیں گے تو ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور اچھا بھی لگے گا، خیر، بچوں کا شوق دیکھ کر میں نے کہا: چلو چلتے ہیں، چنانچہ دومنٹ کے اندر ہم دروازے پر پہنچ گئے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے گراؤنڈ کے اندر ایک ہاتھی کھڑا تھا، انہوں نے اسکے گلے میں ایک بیلٹ باندھ رکھا تھا اور اس بیلٹ کے ساتھ کم از کم تین انچ موٹا اور کئی فرلانگوں کے حساب سے لمبا رسہ باندھا ہوا تھا، ہم لوگ کار کے اندر ہی بیٹھ کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

آئیٹم یہ تھا کہ جتنے لوگوں نے آج کے دن اس چڑیا گھر کو دیکھا وہ آخری وقت میں اس ہاتھی کے ساتھ رسہ کشی کریں، چنانچہ ہم نے دیکھا کہ یہ وہاں ہزاروں کی تعداد میں مردوں اور عورتوں نے رسہ پکڑا ہوا ہے اور رسہ کشی کے لئے بالکل تیار کھڑے ہیں۔

جو آدمی ان کو یہ گیم کروا رہا تھا، اس نے اعلان کیا: جی آج تک ہسٹری میں جتنے بھی لوگ یہاں پر آئے وہ ہاتھی سے جیت نہیں سکے، آج اگر آپ لوگ ہمت کر کے جیت جائیں گے تو you will be going to make a record

(آپ ایک ریکارڈ قائم کرلیں گے)

اس کے بعد اس نے اشارہ کیا اور سب لوگوں نے مل کر اس کو کھینچنا شروع کر دیا، ہماری جہاں تک نظر جاتی تھی وہاں تک ہمیں ایک لمبے گراؤنڈ کے اندر چیونٹیوں کی طرح لوگ نظر آرہے تھے، جب سب نے زور لگایا تو ہم نے دیکھا کہ وہ ہاتھی ایک قدم پیچھے ہٹا .....پھر دوسرا قدم .....پھر تیسرا قدم .....جب وہ ہاتھی بارہ قدم پیچھے ہٹا تو اس شخص نے پھر اعلان کیا کہ ایک قدم باقی رہ گیا ہے، اگر آپ لوگ اب ہاتھی کو پیچھے کھینچ لیں تو آپ جیت

جائیں گے اور ایک ریکارڈ قائم کرلیں گے، اس کے اس اعلان کے بعد لوگوں نے زور لگانے کی انتہاء کردی، ہمارا خیال تھا کہ ہاتھی بڑے آرام کے ساتھ ایک قدم پیچھے آجائیگا، لیکن جب انہوں نے زور لگانے کی انتہاء کردی تو اس وقت ہاتھی نے چلنا شروع کردیا اور سب بندوں کو چیونٹیوں کی طرح گھسیٹتے ہوئے آگے چلا گیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے ہاتھی کو سکھایا ہوا تھا کہ تو نے بارہ قدم پیچھے آنا ہے اور آخر قدم پر جب یہ خوب زور لگائیں تو تم نے سب کو کھینچ کر آگے کردینا ہے، یہ دیکھ کر ہم بہت حیران ہوئے کہ پانچ سات ہزار بندوں کی طاقت ایک طرف اور ایک ہاتھی کی طاقت ایک طرف، ہاتھی پھر بھی طاقتور ثابت ہوا، لیکن انسان کی عقل کو دیکھئے کہ وہ اس عقل کے بل بوتے پر اس ہاتھی کو بھی قابو میں لے کر سدھا لیتا ہے۔
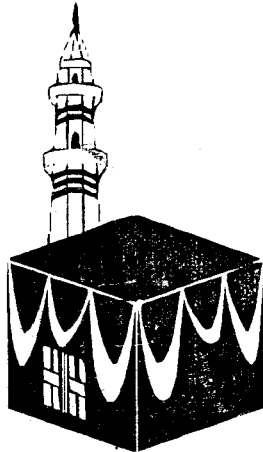
ذھانت و فطانت

قوتِ حافظہ کی انوکھی مثال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی قوت حافظہ ایسی تھی کہ لاکھوں حدیثیں ان کو یاد تھیں، چنانچہ امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد تشریف لے گئے تو اہل بصرہ نے ان کا استقبال کیا اور پورے شہر کے لوگ نکل کر باہر آ گئے، استقبال کرنے کے بعد انہوں نے آپ کو ایک محفل میں بٹھایا، ذرا توجہ سے سننا!

انہوں نے پہلے پلاننگ بنائی کہ یہ حافظ الحدیث ہیں، ہم ان کو پرکھیں گے کہ یہ کیسے حافظ ہیں، انہوں نے دس بندوں کو تیار کیا اور ہر بندے نے دس احادیث یاد کر لیں، مگر کہیں متن میں اور کہیں سند میں ہر حدیث میں فرق ڈال دیا، اچھا! جب کسی کا تعارف کرایا جائے کہ یہ حافظ الحدیث ہیں، اور اس سے کہا جائے کہ حدیث سناؤ، تو اس کا دل تو چاہتا ہے کہ جو مجھے کہا جائے سب آتا ہو، پہلے تو ان لوگوں نے اتنے بڑے مجمع میں امام بخاریؒ کا تعارف کرایا کہ جی، بڑے امام ہیں، حافظ ہیں، لاکھوں حدیثیں یاد ہیں، انہوں نے خوب تعریفیں کیں، اس کے بعد ایک بندہ کھڑا ہوا کہ جی! مجھے کچھ حدیثیں پہنچی ہیں، ذرا سنیں! آپ کو پہنچی ہیں کہ نہیں؟ چنانچہ اس نے پہلی حدیث پڑھی مگر اس حدیث کی سند میں یا متن میں کہیں فرق تھا، اس نے پڑھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ حدیث پہنچی ہے ؟امام بخاریؒ نے فرمایا: لاَ، اب ایک کو تو بندہ کہہ سکتا ہے لا، اس نے دوسری پڑھی، فرمایا: لاَ، اس نے تیسری پڑھی، فرمایا: لا، چوتھی پڑھی، فرمایا: لا، اب عام بندہ تو سمجھے گا کہ واہ بھئی واہ! یہ کیسے حافظِ حدیث ہیں! کہ جو پوچھتے ہیں، آگے سے لا، اسے تو کچھ نہیں آتا، پھر دوسرے نے پوچھا...... تیسرے نے پوچھا...... دس بندوں نے سو حدیثیں

پوچھیں، انہوں نے سب کے جواب میں ''لا'' کہا، پتہ ہے ان پر کتنا نفسیاتی بوجھ پڑا ہو گا!!!! اللہ اکبر، بہت بڑا امتحان تھا، مگر وہ ''لا'' کہتے رہے۔

جب سب بندوں کے جواب میں لا کہا تو اس کے بعد امام بخاریؒ نے فرمایا: بھئی دیکھو! آپ حضرات نے جو حدیثیں پوچھی ہیں نا! اب ذرا سنو! تو امام بخاری نے پہلی حدیث پڑھی جو اس بندے نے غلط متن یا سند کے ساتھ پڑھی تھی اور پھر فرمایا کہ اس بندے نے اس حدیث میں یہ غلطی کی ہے، پھر فرمایا کہ مجھے یہ حدیث یوں پہنچی ہے، کتابوں میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے ان کے غلط متن یا سند کی جو روایات تھیں، سو کی سو اسی ترتیب کے ساتھ پہلے سنائیں اور ساتھ ساتھ ہر حدیث صحیح متن وسند کے ساتھ سناتے گئے، علماء فرماتے ہیں کہ سو حدیثوں کو یاد کر لینا یا سنا دینا امام صاحب کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی، حیران کن بات تو یہ تھی کہ پوچھنے والوں نے جو خلط ملط کر کے پوچھا تھا، ان سے ایک ہی دفعہ سن کر ان کی بھی سو باتیں یاد رہ گئیں اور ترتیب بھی وہی رکھی۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۰۹ - مختصر تاریخ دمشق ۶/ ۴۴۹ - طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/ ۲۱۸)

قوت حافظہ اور محدث کا مقام

امام ترمذیؒ رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ظاہری بینائی چلی گئی تھی، ایک دفعہ حرمین شریفین کے سفر پر جا رہے تھے، اونٹ پر سوار تھے، اب اونٹ ویسے بھی اونچا ہوتا ہے، اور جو بندہ اونٹ کے اوپر بیٹھا ہوتا ہے، ماشاء اللہ وہ کافی اونچا پہنچا ہوا ہوتا ہے، اگر سڑک کے اِدھر اُدھر درخت لگے ہوئے ہوں تو ڈر رہتا ہے کہ سر کو نہ لگیں، امام ترمذیؒ رحمۃ اللہ علیہ اونٹ پر سوار جا رہے تھے کہ ایک جگہ امام صاحب نے سر بالکل نیچے جھکا لیا، لوگ بڑے حیران ہوئے، آگے جا کر پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، تو پوچھنے والے نے پوچھا؟ حضرت! آپ نے سر ایسے کیوں جھکا لیا؟ فرمانے لگے: وہ جو درخت تھا اس کی شاخوں سے بچنے کے لیے میں نے سر نیچے جھکایا، حضرت! یہاں تو درخت کوئی نہیں، پوچھنے

لگے کوئی نہیں......؟؟؟ حضرت! یہاں تو درخت ہے ہی نہیں، فرمانے لگے: رک جاؤ، سب رک گئے، فرمایا کہ علاقے کے لوگوں سے پتہ کرو کہ یہاں پر پہلے درخت تھا جسے کاٹ دیا گیا یا درخت تھا ہی نہیں، خادم نے کہا کہ حضرت! میں پتہ تو کر کے آتا ہوں مگر یہ اتنا بڑا مسئلہ تو کوئی نہیں ہے، فرمانے لگے کہ نہیں، مسئلہ ہے، اس لیے کہ میری یادداشت مجھے بتاتی ہے کہ یہاں درخت تھا، اگر مجھے بھول ہوگئی ہے تو پھر آج کے بعد میں حدیث نقل کرنا بند کر دوں گا، کیونکہ میری یادداشت ٹھیک نہیں رہی، اس لیے اس کی ابھی پرکھ ہونا ضروری ہے، چنانچہ اہل علاقہ سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ درخت تھا، مسافروں کے لیے مشکل ہوتی تھی، ٹہنیاں نیچے آجاتی تھیں، ہم نے وہ درخت جڑ سے ہی نکال دیا، امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ الحمد للہ! میں حدیث کی روایت کو آئندہ جاری رکھوں گا، ایسی قوت حافظہ......! اللہ اکبر!...... یہ کیسے ملتی ہے؟ تقویٰ اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔

(درس ترمذی ۱/۱۳۳۔ علمی مضامین ۳۷)

حضرت علیؓ کا عجیب فیصلہ

حضرت علیؓ کے پاس دو بندے آئے، کہنے لگے، جی ہمارا جھگڑا ہے، پوچھا، کس بات پر؟ کہنے لگے جھگڑا یہ ہے کہ ہم دونوں سفر میں تھے اور کھانے کیلئے ایک آدمی کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں، جب کھانے کے لئے بیٹھنے لگے تو ایک تیسرا آدمی بھی آگیا اور وہ بھی کھانے میں شریک ہوگیا، تینوں نے مل کر برابر کھانا کھایا جب وہ جانے لگا تو اس بندے نے ہمیں آٹھ دینار دیئے، اب دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ جو پانچ روٹیوں والا بندہ تھا وہ کہتا تھا کہ مجھے پانچ دینار ملے اور دوسرے کو تین دینار ملے، جب کہ تین روٹی والا بندہ بضد تھا کہ یہ دینار آدھے آدھے تقسیم ہونے چاہئے، یعنی چار دینار اسے ملے اور چار دینار دوسرے کو ملے، جب معاملہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے تین روٹی والے سے کہا کہ بہتر ہے کہ تم اسی تقسیم پر راضی ہو جاؤ، اس نے کہا جی نہیں،

آپ انصاف فرمائیں، آپ نے فرمایا، اچھا پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ پانچ روٹیوں والے کو ملیں گے سات دینار اور تین روٹیوں والے کو ملے گا ایک دینار، اب وہ بندہ حیران پریشان کہ یہ کیا ہوا، آپ بھی حیران ہوئے ہونگے.... کیونکہ ہر بندے کے سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ تین روٹیوں والے کو تین ملنے چاہئے اور پانچ والے کو پانچ لیکن آپؓ نے اس کو ایک اور اسکو سات دینار دینے کو فرمایا، ہے نا عجیب بات؟ چنانچہ اس نے آپ سے اس انصاف کی حقیقت پوچھی تو آپ نے سمجھایا، فرمایا دیکھو آپ تینوں نے برابر برابر کھانا کھایا، روٹیوں کی کل تعداد آٹھ تھی ہر روٹی کو اگر تین برابر حصوں میں تقسیم کریں تو روٹی کے کل چوبیس ٹکڑے بنتے ہیں، یعنی ہر بندے نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے، جس بندے کی تین روٹیاں تھیں اس کی روٹیوں کے کل ٹکڑے نو بنے، گویا اس نے نو میں سے آٹھ ٹکڑے تو خود کھالئے جب کہ ایک ٹکڑا مہمان کے حصہ میں آیا، جب کہ جس کی پانچ روٹیاں تھیں اسکے کل ٹکڑے بنے پندرہ، جس میں آٹھ تو اس نے خود کھالئے اور باقی سات مہمان کے حصہ میں آگئے، لہٰذا انصاف کا تقاضہ یہ ہیکہ اس کو ایک دنیار اور اس کو سات دینار دیئے جائیں۔

تاریخ الخلفاء للسیوطی ۱۵۷- علمی مضامین ۳۰۲

غفلت میں نبی کا نام لینے پر سجدۂ سہو

ایک مجلس میں یہ مسئلہ چلا کہ ایک آدمی نمازِ فرض پڑھ رہا تھا، اب اسکو دو رکعت کے بعد التحیات میں بیٹھنا ہے، اور عبدہ ورسولہ پڑھ کر اسکو کھڑا ہو جانا ہے، مگر وہ بھول گیا، اور عبدہ ورسولہ کے بعد آگے بھی درود شریف پڑھنے لگا، تو کیا ہوگا؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے اللّٰھم پڑھ لیا، اور کھڑا ہو گیا، تو سجدہ سہو نہیں، صل پڑھ لیا، کھڑا ہو گیا، سجدہ سہو نہیں، علی بھی پڑھ لیا کھڑا ہو گیا تب بھی سجدہ سہو نہیں، لیکن اگر محمد کا لفظ پڑھ لیا تو اب سجدہ سہو واجب ہو گیا، جب انہوں نے یہ فتویٰ دیا تو رات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نعمان! تم میرے نام لینے والے کیلئے سجدہ سہو کا حکم دیتے

ہو، تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو آدمی قعدہ میں غفلت سے آپ کا نام لے، میں اس کو سجدہ سہو کا حکم دیتا ہوں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرانے لگے، فرمایا تم نے ٹھیک کیا، سبحان اللہ، اللہ رب العزت نے انکو ایسی ذہانت عطا فرمائی تھی۔

(حاشیہ ردالمحتار علی الدر ۲/۸۱- البحر الرائق ۲/۱۰۵)

ایک طالب علم کی ذہانت

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ بہت ہی ذہین تھا، وہ ابھی بہت چھوٹا تھا، ایک مرتبہ میں نے اس کو بلوا کر پوچھا کہ آپ کو عربی اچھی لگتی ہے یا انگریزی؟ وہ کہنے لگا: عربی زبان، میں نے پوچھا: آپ کو عربی اچھی کیوں لگتی ہے؟ وہ کہنے لگا: اس لئے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے پھر اس سے پوچھا کہ عربی پڑھ کر کھائیگا کہاں سے؟ اس نے یہ سوال سن کر بڑے وثوق سے جواب دیا کہ جب بندہ عربی پڑھتا ہے تو وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور جب خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ اسے دو، وہ دیتے ہیں اور یہ کھاتے ہیں، میں نے کہا: یہ بھی ٹھیک ہے لیکن لوگ ایسے شخص کو ذلیل سمجھتے ہیں، وہ کہنے لگا: ذلت تو تب ہوتی ہے جب وہ کسی سے مانگتا ہو، وہ مانگتا ہی کب ہے، لوگ تو ہاتھ جوڑ کر دیتے ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کی ذہانت دیکھ کر حیرت سے اس کا منہ تکتا رہا کہ یہ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی سمجھ رکھتا ہے۔۔۔۔ اللہ اکبر

انسان اپنے کلام میں پوشیدہ ہوتا ہے

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ایک بیٹی کا نام زیب النساء تھا، وہ بھی فارسی میں اشعار کہتی تھی، اس نے اپنا تخلص، مخفی، رکھا ہوا تھا، اس کا، دیوان مخفی، چھپا ہوا ہے وہ بڑے اچھے اشعار کہتی تھی۔

اس زمانے میں ایک ایرانی شہزادہ تھا، اس نے ایک مصرعہ کہا

در ابلق کسے کم دیدہ موجود

(در ابلق کس نے دیکھا ہے، بہت کم موجود ہوتا ہے)

ایک موتی کو در ابلق کہتے ہیں، وہ سفید اور چمکدار ہوتا ہے، مگر اس میں ایک باریک سی کالی لائن ہوتی ہے، اس کو ابلق کہتے ہیں، تو اس نے کہا کہ در ابلق کس نے دیکھا ہے؟ بہت کم موجود ہوتا ہے.... پہلا مصرعہ تو اس نے بنا لیا لیکن دوسرا مصرعہ اس سے نہیں بن رہا تھا، چنانچہ اس نے کہا: جو بندہ دوسرا مصرعہ بنائیگا میں اس کو بڑا انعام دوں گا۔

یہ بات چلتے چلتے ایران سے ہندوستان تک پہنچی، یہاں کے شعراء نے بھی کافی طبع آزمائی کی لیکن کچھ نہ بنا، مخفی نے بھی اس مصرعہ کی شہرت سن لی تھی، ایک دن اتفاقی طور پر اس شعر کا دوسرا مصرعہ کہہ دیا۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ نہانے کے بعد اس نے اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالا.... سرمہ ڈالنے سے کئی مرتبہ آنکھوں میں پانی آ جاتا ہے.... سرمہ ڈالنے کے بعد جو اس نے آئینہ دیکھا تو وہ آنکھ سے نکلا ہوا پانی آنسو کی شکل میں پلکوں کے اوپر تھا اور اس میں سرمے کی وجہ سے ہلکی سی لائن تھی، اس نے دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو در ابلق کی طرح ہے، چنانچہ اس نے وہیں دوسرا مصرعہ کہہ کر شعر مکمل کر دیا کہ

در ابلق کسے کم دیدہ نہ موجود

مگر اشک بتاں سرمہ آلود

یہ ایسا مزے کا شعر بنا کہ جو سنتا تھا حیران ہوتا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے چت کبرا موتی کبھی نہ دیکھا ہو، مگر کسی معشوقہ کی آنکھ کا سر قطرہ در ابلق ہے۔

یہ بات اس شہزادے تک پہنچی، اس شہزادے نے کہا: شاعر کو میرے پاس بھیجو، میں اس کو بڑا انعام دینا چاہتا ہوں،، جب یہ بات اورنگ زیب عالمگیر تک پہنچی تو بیٹی

سے کہا: بیٹی! میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ تو شعر نہ کہا کر، کسی مصیبت میں ڈالے گی، اب دیکھو شہزادہ کہتا ہے کہ جس شاعر نے یہ کہا ہے، وہ میرے پاس آئے، میں اسے انعام دینا چاہتا ہوں، مخفی کہنے لگی: ابا جان! آپ پریشان نہ ہوں، میرے دو شعر لکھ کر اس کے پاس بھیج دیں، وہ بات کو سمجھ جائیگا، چنانچہ اس نے شعر کہے:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

''میں اپنے کلام میں اسطرح چھپی ہوئی ہوں جس طرح پھول کے اندر خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے''

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

''میں اپنے کلام میں ایسے ہی پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی پتیوں میں پھول کی خوشبو'' جو مجھ کو ملنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ میرے کلام کو پڑھ لے، کلام کے ذریعہ مجھ سے ملاقات ہو جائیگی۔

یہ اشعار بھیجنے سے سمجھ گیا کہ یہ کوئی خاتون ہے۔

(بیس بڑی خواتین ۱۳)

ابن عربی کا شیطان سے مکالمہ

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ میری ایک مرتبہ شیطان سے ملاقات ہوئی تو مجھے کہنے لگا: ابن عربی! بڑے عالم ہو، میں نے کہا ہاں، کہنے لگا: میرے ساتھ آج مناظرہ کرلو، میں نے کہا: میں ہرگز نہیں کروں گا، کہنے لگا: کیوں؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالی نے مجھے تیرے لئے ایک ڈنڈا دیا ہے جس کا نام ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، میں یہ ڈنڈا استعمال کر کے تجھے یہاں سے دور بھگا دوں گا، مجھے تجھ سے بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں، اور واقعی اگر وہ بحث میں پڑ جاتے تو شیطان ان کے دلائل کو توڑ کر شاید ان کو کسی برے پوائنٹ پر لے آتا۔

ایک بڑے میاں کے دلچسپ اشکالات

کسی گاؤں میں ایک پیر صاحب گئے، انہیں مسجد میں بیان فرمانا تھا، دیہاتی لوگ اکٹھے ہوگئے، بیان شروع ہونے سے پہلے ایک سادہ لوح بڑے میاں کھڑے ہوگئے، اس نے پیش بندی کے طور پر پیر صاحب سے پوچھا: پیر صاحب! ہم ان پڑھ بندے ہیں، اگر ہمیں کوئی بات سمجھ نہ آئے تو کیا ہم سوال پوچھ سکتے ہیں؟ پیر صاحب نے کہا: ہاں ہاں، آپ سوال پوچھ سکتے ہیں، اس کے بعد پیر صاحب نے بیان شروع کردیا، بیان کرتے کرتے پیر صاحب نے ایک بات بتائی کہ قیامت کے دن بندے کو پل صراط سے گزرنا ہوگا، احادیث میں اس کا تذکرہ آیا ہے، انہوں نے سمجھانے کے لئے اس کو یوں بیان کیا....وہ پل بہت ہی نازک ہے، بال سے باریک تلوار سے زیادہ تیز ہے....جب انہوں نے یہ کہا تو وہ بوڑھا کھڑا ہوگیا، وہ کہنے لگا: پیر صاحب! لگدا اے ایہہ کوڑا اے (پیر صاحب! مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے)

اب پیر صاحب نے اس کو بات سمجھائی کہ جی پل صراط ہے، اس کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے اور اس پل سے ہر آدمی کو گزرنا پڑیگا، لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، بالآخر جب پیر صاحب نے اس کو تسلی دلائی کہ واقعی کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو کہنے لگے:

"اچھا، اس پل توں ٹپنا پم سی جیہڑی وال توں ڈھیر بریک تے تلوار توں ڈھیر تیز اے"

(اچھا ایسی پل سے گزرنا پڑیگا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے)

پیر صاحب نے کہا: ہاں ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا: "پیر صاحب! انجے چا آکھوناں، اللہ سائیں دی پار ٹپاون دی نیت کائی نہیں"

(پیر صاحب! پھر آپ یونہی کہہ دیں کہ اللہ تعالی کی اس پل سے آگے گزرنے کی نیت ہی نہیں ہے)

اس کے بعد پیر صاحب نے پھر بیان شروع کر دیا، بیان کرتے کرتے ایک جگہ پرانہوں نے فرمایا کہ نمازیں پڑھو، اگر نمازیں نہیں پڑھو گے تو اللہ تعالی حساب لے گا اور جہنم میں ڈالے گا اور جہنم میں عذاب دینے کے بعد پھر جنت میں بھیجے گا۔

وہ بڑے میاں پھر کھڑے ہو کر کہنے لگے:

''پیر صاحب! مینوں لگدا اے ایہہ وی کوڑا اے''

(پیر صاحب! مجھے لگتا ہے کہ یہ بھی جھوٹ ہے)

پیر صاحب نے کہا: نہیں جی، کتابوں میں لکھا ہے کہ جو آدمی گناہ کرنے کے بعد توبہ نہیں کریگا اور اسی طرح غفلت میں زندگی گزارے گا تو یہ بندہ پہلے جہنم میں جائیگا، وہاں جب اسے سزا مل جائیگی تب وہ جنت میں جائیگا۔

وہ بڑے میاں اپنی بات پر مصر رہے کہ یہ جھوٹ ہے، جب انہوں نے ان کو سمجھایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے تو پھر وہ بڑے میاں کہنے لگے:

''پیر صاحب! ہک گل دسو، میرے گھر جوں کوئی پراہنا آوے، تے مین اوہنوں پنج ست لتر ماراں، مڑ آکھاں بھج آ ککڑ کھالے، اوہ کھالیسی''

(پیر صاحب! آپ مجھے ایک بات بتائیں کہ میرے گھر میں کوئی مہمان آئے اور میں اس مہمان کو پانچ سات جوتے لگا دوں اور پھر اسے کہوں کہ جناب! آیئے مرغا کھا لیجئے، کیا وہ کھالیگا؟)

پھر وہ بڑے میاں کہنے لگے: پیر صاحب! قیامت کے دن اللہ تعالی نے جس کو بخشنا ہوگا اس کو ویسے ہی بخش دیں گے...... سالک کو محنت کرنا ہی ہے، راہِ سلوک بغیر مجاہدہ طے نہیں ہوتا، مگر ہاں رحمت الٰہی کی امید ہر دم لگائے رکھئے۔

تالاب میں پانی کتنے پیالے

شاہ عبدالعزیزؒ اپنے مدرسے میں تھے، ایک انگریز مدرسے میں آیا، وہ آ کر حضرت سے کہنے لگا، آپ مدرسے میں بچوں کو کیا پڑھاتے ہیں؟ اور آپ کے بچے کیا بن کے نکلتے ہیں؟ آپ ان کو انگریزی پڑھائیں، سائنس پڑھائیں تاکہ ان کی عقل کھلے، ذہن کھلے، دیکھو! ہم اپنے بچوں کو انگریزی پڑھاتے ہیں اسی لئے تو میرے بچے کی عقل بہت تیز ہے، جب اس نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا کہ میرے بیٹے کی عقل بہت تیز ہے، حضرت نے اس انگریز کے بیٹے کو بلایا، قریب وضو کرنے کا تالاب تھا، حضرت نے اس بچے سے پوچھا، اچھا بھئی بتاؤ کہ اس تالاب کے اندر کتنے پیالے پانی ہے، اب وہ انگریز کا بچہ حضرت کا منہ دیکھنے لگا، وہ کیا بتائے کہ تالاب میں کتنے پیالے پانی ہے؟ پھر حضرت نے اپنے ایک طالب علم کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ اس تالاب میں کتنے پیالے پانی ہے؟ اس نے کہا حضرت! اگر پیالہ اتنا ہو جتنا یہ تالاب ہے تو ایک پیالہ پانی ہوگا اور اس سے آدھا ہو تو دو پیالے پانی۔

غیر محرم کے ہاتھ میں دھاگہ

پہلے دور کے اطباء نبض دیکھ کر ہی مرض کی تشخیص کر دیتے تھے، لیکن آج یہ حالت ہے کہ ڈاکٹر دس ٹیسٹ کروانے کے بعد بھی کہتا ہے کہ میں ابھی تک نہیں بتا سکتا کہ کیا بیماری ہے۔

ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ایک طبیب تھا، وہ اتنا متقی تھا کہ عورتوں کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا، لہٰذا وہ عورتوں کی کلائی پر دھاگہ بندھوا کر ان کے مرض کی تشخیص کرتا تھا، ایک مرتبہ طبیب کے مخالفین میں سے کسی نے کہا کہ ہم اس کو آزماتے ہیں اسے دھاگے سے کیسے پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ ایک عورت اس کے مطب پر لے گئے اور اسے پردے کے پیچھے بٹھا دیا، طبیب کو عورت کا نام بتا دیا گیا اور اس نے دھاگے کو پکڑ کر نسخہ لکھا کہ اس مریضہ کو کچے گوشت کی ضرورت ہے، جب دوائی دینے والے کمپاؤنڈر نے نسخہ پڑھا تو وہ حیران ہو کر طبیب کے

پاس آیا اور کہنے لگا: حکیم صاحب! یہ کیا لکھا؟ اس عورت کو کچے گوشت کی ضرورت ہے؟ حکیم صاحب نے کہا: ہاں، دھاگے سے مجھے اس کے مرض کا یہی پتہ چلا ہے، جب مریضہ کو بلا کر پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے بلی کی کلائی پر دھاگا باندھا تھا، اصل میں وہ عورت ایک بلی لے کر گئی تھی تاکہ حکیم صاحب کو آزما سکے۔

(عورتوں کی کلائی میں دھاگہ باندھ کر نبض کی حرکت معلوم کرنے کے واقعات ''اطباء کے حیرت انگیز کارنامے میں ص: ۱۸۵ و ۲۲۱ مؤلفہ حکیم عبدالناصر فاروقی)

تو کانا کیوں پیدا ہوا

ایک انگریز دہریہ تھا اور ایک آنکھ سے کانا تھا ایک مرتبہ کسی عالم سے ملا اور اللہ تعالی کے وجود پر بحث کرنے لگ گیا، کہنے لگا اللہ تعالی موجود نہیں، وہ عالم کہتے رہے کہ اللہ تعالی موجود ہے اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا تو کہنے لگا نہیں نہیں مجھے تو میرے والدین نے پیدا کیا، تو جب انگریز نے کہا کہ مجھے تو میرے والدین نے پیدا کیا، تو وہ عالم ہنس پڑے، یہ پوچھتا ہے کہ آپ ہنستے کیوں ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ اب مجھے بات سمجھ میں آئی کہ میرے اللہ نے تجھے کانا کیوں پیدا کیا؟ اس نے کہا کیوں؟ کہنے لگے اسلئے کہ اللہ تعالی نے سوچا کہ ایک آنکھ میں نے بنائی دوسری آنکھ اپنے ماں باپ سے بنوالے، یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا تو اہل علم بات چیت میں بھی سوال کا ایسا جواب دیتے ہیں کہ دوسرے کو لاجواب کر دیتے ہیں۔

یہ قیاس آیا کہاں سے؟

ایک آدمی میرے پاس آیا، کہنے لگا یہ قیاس کیا چیز ہوتی ہے؟ میں نے اس کو سمجھایا کہ قیاس اس کو کہتے ہیں کہ دین کے ایک اصول اور کسی کلی کو استعمال کر کے جزئی مسئلہ کا جواب نکال لینا، یا جن چیزوں میں علت حکم ایک جیسی ہو تو جو حکم اسکا ہو وہی اس پر بھی اپلائی کر دینا اس کو قیاس کہتے ہیں، وہ کہنے لگا، میں اسے نہیں مانتا، کچھ ہوتے ہیں نا.... جو کسی کو نہیں مانتے

....کہنے لگا میں کسی کو نہیں مانتا، ہم نے کہا اچھا بھئی اب چاہتے کیا ہو؟ کہنے لگا مجھے بتایئے قیاس کہاں سے آیا؟ وہ ایک دیہاتی آدمی تھا، میں نے کہا مجھے بتاؤ کیسے وقت گزر رہا ہے، کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا جی میرے پاس ماشاء اللہ چھ، سات بھینسیں ہیں اچھا گزارا ہورہا ہے، میں نے کہا دیکھو بھئی، پورے قرآن پاک میں اور سارے احادیث کے ذخیرے میں کہیں بھی بھینس کا لفظ موجود نہیں ہے بھینس کو عربی میں جاموس کہتے ہیں، اور جاموس کا لفظ قرآن اور حدیث کے اندر کہیں نظر نہیں آتا تو جب اس کا ذکر ہی نہیں تو تمہیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام، لہٰذا اپنی سات بھینسیں تو ہمیں بھجواؤ ان کا دودھ ہم پیئینگے جو اس کو جائز کہتے ہیں اور تمہارے پاس تو کوئی دلیل ہی نہیں اس کے جائز ہونے کی تم پی ہی نہیں سکتے یا تو تم مجھے اسکے جواز کا حکم بتلاؤ، کہنے لگا جی اگر گائے کا دودھ حلال ہے تو بھینس بھی گائے کی طرح ہے اس کا بھی حلال ہے، میں نے کہا اسی کو تو قیاس کہتے ہیں، تم نے قیاس کیا نا کہ گائے کا لفظ قرآن مجید میں موجود ہے تو گائے کا دودھ حلال ہے چونکہ بھینس اور گائے مشابہت رکھتی ہے، لہٰذا اس علت حکم کی وجہ سے جیسے گائے کا دودھ انسان کے لئے حلال ہے ویسے ہی بھینس کا دودھ بھی حلال ہو گیا، تو بات سمجھ میں آ گئی۔

منہ توڑ جواب

ایک صاحب میرے پاس آئے.... یہ ان میں سے تھے جو کسی کی نہیں مانتے.... مجھے کہنے لگے کہ آپ لکھے پڑھے بندے ہیں، آپ کیوں حنفی بنے پھرتے ہیں؟ میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہیکہ امام اعظمؒ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، میں نے کہا: اچھا! پہلے تو میں تھا مضبوط حنفی اور اب یہ سن کر بن گیا ہوں اضبط حنفی،، وہ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا: اب آپ جھٹلا نہیں سکتے، امام اعظمؒ نے اپنی زندگی میں چھ لاکھ مسائل کے جوابات اپنے شاگردوں سے لکھوائے، میں اس شخص کو اپنا امام کیوں نہ مانوں جس نے سترہ حدیثوں سے چھ لاکھ مسائل کے جواب نکالے؟ پھر وہ بات کا رخ بدلنے

لگے، کہنے لگے کہ میں آپ سے ایک بات کرتا ہوں، میں نے کہا: کریں کہنے لگے: پھر آپ کوفہ نہ پہونچ جانا.... کیونکہ میں اکثر اپنے ائمہ کی باتیں بتاتا ہوں، میں نے الزامی جواب دیتے ہوئے کہا: جی آپ بات کریں، مگر آپ بھی بخاریٰ نہ پہونچ جانا اگر ہم کوفہ پہونچتے ہیں تو تم بھی تو بخاریٰ پہونچ جاتے ہو۔

آج مسلمان اور کل ہاتھ میں بخاری

ایک مرتبہ نیویارک میں اس عاجز نے بیان کیا، وہاں ایک مقامی بندہ تھا، اس بندے نے آکر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوا، کہنے لگا کہ میرا کوئی نام رکھ دیں، ہم نے کچھ انبیاء کرام کے نام، صحابہ کرام کے نام سنائے، مگر اسکا دل کہیں مطمئن نہیں ہوا، اچانک مجھ سے پوچھتا ہے کہ جی آپ کا کوئی بیٹا ہے، میں نے کہا ہاں بیٹا ہے، اسکا نام کیا ہے؟ میں نے کہا حبیب اللہ، سیف اللہ، کہنے لگا، حبیب اللہ کا معنیٰ کیا ہے؟ میں نے کہا Friend Of Allah تو جیسے میں نے کہا Friend of Allah کہنے لگا ہاں یہ نام میں پسند کرتا ہوں، میں نے اسکا نام حبیب اللہ رکھا، میں نے اسکو ارکانِ اسلام کے بارے میں بتایا کہ یہ بنیاد اور پیلر ہیں، پھر اس کو کہا کہ اب وقت زیادہ ہو چکا آپ کل میرے پاس عشاء کے وقت آنا، میں آپ کو بنیادی چیزیں سمجھاؤنگا، ضروریاتِ دین کے بارے میں، نیز طہارت، وضو، نماز وغیرہ جو ہمارے دین کی بنیادی باتیں ہیں بتاؤنگا، وہ اگلے دن آیا، سامنے بیٹھ گیا، اس نے بغل میں کوئی چیز دبائی ہوئی تھی، اور بیٹھا بات بھی سن رہا تھا، میں نے پوچھا حبیب اللہ یہ کیا ہے، کہنے لگا بخاری، شروع میں تو میں نہیں سمجھا، جب میں نے پوچھا تو اس نے مجھے دکھایا تو وہ بخاری شریف تھی، انگریزی میں اسکا ترجمہ: میں نے پوچھا حبیب اللہ یہ تمہارے ہاتھ میں کس نے دے دی، کہنے لگا کہ جی کل جب مجلس برخواست ہوئی، تو ہمارے ایک عرب بھائی جو اسی مسجد میں تھے، وہ میرے پاس آئے، اور مجھے کہنے

لگے کہ مبارک ہو آپ مسلمان ہو گئے، اب میں آپ کو ایک بات کہتا ہوں کہ کسی کے پیچھے چلنے کی ضرورت نہیں، یہ کتاب ہے یہ تمہیں دیتا ہوں، پڑھ کر اس پر عمل کرتے رہنا، تم دین کے اوپر چلنے والے بن جاؤ گے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ جو بندہ آج کلمہ پڑھ رہا ہے، اسکو دین کا کچھ پتہ نہیں، کیا وہ اس قابل ہے کہ وہ بخاری شریف کو پڑھ کر عمل کر سکے، بخاری شریف جس کو پڑھانے کیلئے سات سال لگ جاتے ہیں، پھر آٹھویں سال بخاری شریف پڑھاتے ہیں، اسکو ہاتھ میں پکڑا دی کہ اس پر چلنا، عمل کرنا، اب بندہ حیران و پریشان نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ یہ بہت ہی بڑا اجاب ہے، اسی لئے ایسے لوگوں کو امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بڑی چڑھ ہوتی ہے، عجیب بات ہے امام شافعیؒ سے نہیں، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ سے نہیں، وہ بھی تو ائمہ ہیں، فقط امام اعظم ابو حنیفہؒ سے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہؒ کو ایسا مقام دیا تھا (سبحان اللہ) کے سارے ائمہ بالواسطہ یا بلا واسطہ انکے شاگرد بنتے ہیں، جو فہم، اللہ نے انہیں عطا کی تھی، وہ فہم تو ممکن ہی نہیں کہ آج کسی کے اندر ہو، اللہ نے انکو علم حدیث اور فقہ و فتاویٰ کا زبردست علم دیا تھا۔

ترکی بہ ترکی جواب

☜ (۱) ایک انگریز آیا اور آ کر مدرسے کے استاذ سے کہنے لگا یہ عربی پڑھنے والے سارے طلباء سر کیوں منڈواتے ہیں؟ وہ بھی سمجھدار تھے، کہنے لگے اچھا یہ بتائیں، یہ انگریزی پڑھنے والے سارے کے سارے داڑھی کیوں منڈواتے ہیں؟ اب اسکے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

☜ (۲) ایک مسلمان عالم تھے مگر نابینا تھے، انگریز ان سے سوالات پوچھنے آیا، اب وہ ہر سوال میں یہ کہتے کہ بھئی اس میں بھی حکمت ہے ....اس میں بھی حکمت ہے ....اس میں بھی حکمت ہے، تو انگریز کو بڑا غصہ آیا، اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ! تم جو اندھے ہو تو

تمہارے اندھا پیدا ہونے میں کیا حکمت ہے، تو وہ کہنے لگے کہ میرے اندھے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ تیرے جیسے بندے کی شکل نہ دیکھ سکوں۔

(۳) ایک مشہور واقعہ ہے کہ پہلے زمانے میں جب یہاں انگریزوں کی حکومت ہوا کرتی تھی تو ہمارا ایک دیسی بندہ کسی انگریز کا نوکر تھا، ایک دفعہ کسی بات پر صاحب کو غصہ آ گیا اور غصے میں ہو کر کہنے لگا کہ جاؤ جہنم میں، وہ بے چارہ نوکر تھا وہ باہر چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر واپس آ گیا، آنا ہی تھا، انگریز نے پھر ناراضگی سے پوچھا،، تجھے میں نے کیا کہا تھا،، اس نے کہا جی آپ نے کہا تھا کہ،، جاؤ جہنم میں،، تو پھر گئے کیوں نہیں ؟ کہنے لگا، جی میں باہر تو نکلا تھا جانے کے لئے لیکن وہاں سب انگریزوں نے قبضہ کیا ہوا ہے، مجھے تو کوئی جانے ہی نہیں دیتا۔

(۴) سلطان عبدالحمید ترکی کے بادشاہ گزرے ہیں، بہت نیک آدمی تھے، اللہ کی شان کہ ترکی چاروں طرف سے یورپ میں گھرا ہوا ہے، ایک مرتبہ جرمنی کا بادشاہ اس سے ناراض ہوا تو ناراضگی میں اس نے خط لکھا، اس نے کہا کہ تم ہمارے درمیان اس طرح گھرے ہوئے ہو جس طرح دانتوں کی مضبوط دیوار کے اندر زبان گھری ہوتی ہے، یعنی اسکو دھمکی دی، تو سلطان حمید نے جواب بھجوایا کہ جناب دانت ہمیشہ گر جایا کرتے ہیں زبان کو کچھ نہیں ہوا کرتا، بندہ غور کرے تو ہوتا تو ایسا ہی ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ زبان کو کچھ نہیں ہوا کرتا اور دانت تو پھر ٹوٹ ہی جاتے ہیں۔

(۵) ایک عالم تھے ان کو ایک انگریز کہنے لگا، آؤ ہم تم متفقہ باتوں پر غور کرلیں، اس نے کہا، کیا ؟ کہنے لگا کہ میں بھی عیسیٰؑ کو مانتا ہوں تم بھی عیسیٰؑ کو مان لو، عیسائی بن جاؤ بس ہم تم متفق ہو جائینگے، اب یہ بات اس نے کتنی عجیب کی لیکن وہ طالب علم ذرا سمجھدار تھا، کہنے لگا کہ متفق اسکو نہیں کہتے کہ تم عیسائی ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ ہو جاؤں تو ہم دو متفق ہوئے، تو دو کی جگہ تین متفق کیوں نہ ہوں ؟ اسنے کہا تین کیسے ؟ اس نے کہا

دیکھو!! میں بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں تمہارے نبیؑ نے بھی ان کو مانا،، من بعد اسمہ احمد،، اب تم بھی اگر مسلمان ہو جاؤ، تو ہم تینوں ایک بات پر متفق ہو جائینگے تو دو کے بجائے تین متفق ہو جائینگے۔

(۶) ایک انگریزی داں نے کسی عربی طالب علم سے پوچھا کہ بتاؤ عرش پر ستارے کتنے ہیں؟ تو طالب علم نے کہا مجھے تو نہیں پتہ، کہنے لگا کیا خاک پڑھتے ہو، تمہیں عرش کے ستاروں کا نہیں پتہ؟ اس نے کہا کہ جی اچھا آپ بتائیں کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں؟ کہتا ہے مجھے بھی نہیں پتہ، اس نے کہا کہ تمہیں فرش کا پتہ نہیں تم عرش کی باتیں کرتے ہو، وہ حیران و پشیمان رہ گیا۔

عقل بڑی یا بھینس

ایک مرتبہ میرا چھوٹا بیٹا سیف اللہ میرے ساتھ تھا، ایک جگہ ہم نے ایک بھینس گزرتے دیکھی، میں نے بچے سے پوچھا: بیٹا! عقل بڑی کہ بھینس؟ کہنے لگا: ابو جی! بھینس، میں نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہنے لگا: عقل اتنی چھوٹی سی ہے اور بھینس اتنی بڑی ہے، اس لئے بھینس بڑی ہوتی ہے، میں نے پوچھا: بھینس کے گلے میں پٹہ کون ڈالتا ہے؟ اس نے کہا: انسان، پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: اس لئے کہ اللہ تعالی نے اسے عقل دی ہے، پھر میں نے اسے سمجھایا کہ بھینس انسان کے گلے میں پٹہ نہیں ڈال سکتی، انسان بھینس کے گلے میں پٹہ ڈال کر اسے قابو کر لیتا ہے، اس لئے عقل بھینس سے بڑی ہوتی ہے۔

شوگر فری تربوز

ایک مرتبہ لاہور میں ایک کسان سیزن کے شروع میں اپنے تربوز توڑ کر لایا کہ ریٹ اچھا ملے گا، اللہ کی شان کہ جب اس نے تربوز کھولے تو وہ اندر سے تھے تو سرخ، مگر پھیکے تھے، ایک بندے نے خریدا تو اس نے کہا کہ یہ تو میٹھا ہی نہیں،

دوسرے نے خریدا تو اس نے بھی کہا کہ یہ تو میٹھا ہی نہیں، وہ بھی بڑا پریشان ہوا مگر وہ بندہ ہمت والا تھا اس نے سوچا کہ اب جو کچھ ہے وہ تو ہے ہی، مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، مجھے اس کا حل نکالنا چاہئے۔

چنانچہ اس نے سوچنا شروع کر دیا، بالآخر وہ ایک پینٹر کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا: مجھے ایک بڑا سا سائن بنا کر دو، اس نے پوچھا اس پر کیا لکھوانا ہے؟ کہنے لگا: اس کے اوپر لکھو "لاہور میں پہلی مرتبہ شوگر فری تربوز"

اب جب اس نے شوگر فری کا لفظ لکھ دیا تو کسی نے کہا: میں امی کے لئے لے کر جاتا ہوں، میں ابو کے لئے لے کر جاتا ہوں، اس طرح اس کے پھیکے تربوز ڈبل ریٹ پر سارے کے سارے بک گئے۔

تو معلوم ہوا کہ انسان کو کوئی چیز دیکھ کر فوراً فرسٹ امپریشن میں نہیں آنا چاہئے، بلکہ اس کا وے آؤٹ نکالنا چاہئے۔

چاند کی رؤیت کے سلسلے میں حضرت کا واقعہ

ایک دفعہ ایک صاحب ہمارے پاس آگئے اور کہنے لگے: جی! آپ تو سائنس پڑھے ہوئے ہیں، انجینئر ہیں، آپ بھی انپڑھ والی باتیں کرتے ہیں، میں نے پوچھا: کیا مطلب؟ کہنے لگے: آپ تو سائنس جانتے ہیں اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم چاند دیکھ کر روزہ رکھیں گے اور چاند دیکھ کر روزہ کھولیں گے، یعنی عید منائیں گے، کئی دفعہ آسمان پر بادل بھی ہوتے ہیں، کبھی نظر نہیں بھی آتا، اس لئے سائنس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

خیر! ہم نے اس بندے کو جو جواب دینا تھا وہ اسے دیا، لیکن پھر ہم نے اس کے بعد اس کی تحقیق شروع کر دی کہ سائنس اس کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

امریکہ میں سپیس (خلا) کے بارے میں ایک میوزیم ہے، وہاں پر ہر وقت بتایا جاتا ہے کہ خلا میں کیا ہو رہا ہے، ایک ریڈیو سٹیشن ہی ایسا ہے کہ آپ وہاں فون کریں تو

آپ کو ہر وقت وہاں پر یہ خبریں سنائی دے رہی ہوگی کہ اب

....مشتری میں یہ ہو رہا ہے۔

....عطارد میں یہ ہو رہا ہے۔

....سورج میں یہ ہو رہا ہے۔

....چاند میں یہ ہو رہا ہے۔

جو کچھ اوپر کی دنیا میں ہو رہا ہوتا ہے اس کے بارے میں معلومات بتائی جاتی ہیں، آج چاند کس کس جگہ پر نظر آئیگا اور کس کس جگہ پر نظر نہیں آئیگا، وہ بتاتے ہیں، ہم نے ان سے پوچھا: آج چاند کہاں کہاں نظر آئیگا؟ انہوں نے کہا: فلاں فلاں جگہ پر نظر آئیگا، ہم نے پوچھا: آپ کی یہ بات پکی ہے یا اندازے پر مبنی ہے؟ جب ہم نے بات کو ذرا کھولنا چاہا تو وہ کہنے لگے کہ ہم سو فیصد یقین سے نہیں کہہ سکتے، ہم نے پھر پوچھا: جناب! سو فیصد یقین کے ساتھ کون کہہ سکتا ہے، انہوں نے کہا: جی! آپ نیوی والوں سے رابطہ کریں، ان کا مستقل ایک ڈیپارٹمنٹ ہے اور ایک بڑا کمپیوٹر ان کے پاس ہے، وہ چاند کے مدار کے ایک ایک انچ کی پیمائش رکھتے ہیں، ان کو پکا پتہ ہوتا ہے کہ اس وقت چاند کہاں پہ ہے۔

ان سے نمبر لے کر میں نے خود فون کیا، وہاں اس کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ ایک خاتون تھی، اس سے میری بات ہوئی، میں نے کہا: میں فلاں علاقے میں ہوں اور معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں چاند نظر آئیگا یا نہیں نظر آئیگا، اس نے کمپیوٹر سے پتہ کر کے بتایا کہ صرف اتنے پرسنٹ چانس ہے، میں نے کہا: واہ! انسان تو چاند پر قدم ٹکا چکا ہے اور سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ صرف اتنے پرسنٹ چانس ہے نظر آنے کو، کوئی پکی بات کرو....جو سوال دوسرے لوگ ہم سے کہتے تھے ہم نے ہو بہو وہی سوال ان سے کر دیا کہ کوئی پکی بات بتاؤ، انسان تو چاند پر پہنچ چکا ہے اور ابھی بھی آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ چانسز ہیں،....جب اس عاجز نے کہا کہ کوئی پکی بات بتاؤ کہ چاند یقینی طور پر نظر آئیگا یا نہیں آئیگا،

تو اس نے کہا کہ ہم یقین سے کبھی بھی نہیں کہہ سکتے، میں نے کہا: چاند پر چڑھ گئے اور یقین سے کہہ نہیں سکتے!؟ کہنے لگیں: دراصل بات یہ ہے کہ اس کے درمیان کچھ مشکلات ہیں، وہ مشکلات یہ ہیں کہ ہم جو چاند کی پوزیشن بتاتے ہیں، وہ دیکھ کر نہیں بتاتے، حساب کی کچھ EQUATIONS مساواتیں ہیں، ہم ان سے جمع تفریق کر کے بتاتے ہیں کہ اب چاند یہاں ہوگا، وہ جمع تفریق کا حساب اتنا پکا ہے کہ صحیح پوزیشن کا پتہ چلتا ہے، اس کو METHEMATICAL SIMULATOR کہتے ہیں، میں نے کہا: جب آپ کے پاس ایسی مساواتیں ہیں جو پکا حساب بتا دیتی ہیں تو آپ بھی پکی بات کریں، کہنے لگی جی! بات یہ ہے کہ ان مساواتوں میں چھ ہزار پیرامیٹرز ایسے ہیں جو VARIABLES (متغیرات) ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بدلنے سے رزلٹ بدل سکتا ہے۔

میں نے پوچھا: آپ کا یہ بتانے کا مقصد کیا ہے؟ کہنے لگی: دنیا کا کوئی انسان کبھی بھی گارنٹی کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا چاہے کتنا بڑا سائنسداں ہو، کہ آج چاند کہاں اور کس جگہ پر ہوگا، اس میں شبہ کی ہی گنجائش ہوگی، معلوم نہیں کہ ان چھ ہزار میں سے کوئی ایک پیرامیٹر بدل جائے اور چاند کی پوزیشن میں فرق آجائے۔

میں نے اس کی بات سن کر کہا: الحمدللہ! صدق رسول اللہ ﷺ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: صوموا الرؤیتہ وافطروا لرؤیته.

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھو تو افطار کرلو''

دنیا نے ٹھوکریں کھائیں، ریسرچ کی، سائنس کے پیچھے لگے رہے، بیسیوں سال کی محنت کے بعد بالآخر اس نتیجہ پر پہونچے کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔

بھئی! یہ تو اب یہ بات کر رہے ہیں اور ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے تو چودہ سو سال پہلے ہی یہ بتا دیا تھا۔

منفرد مثال کے ذریعہ اہم پیغام

یہ نویں جماعت کی بات ہے، اس زمانے میں یہ عاجز اس زمانے میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا اسکول میں، ایک میرا کلاس فیلو تھا ہم اکٹھے بینچ پر بیٹھتے تھے، وہ دیہات سے پڑھنے کے لئے آتا، ذہین تھا، نمازی تھا اچھا آدمی تھا، میرا اس کے ساتھ اچھا دوستانہ تعلق تھا ہم مل کے پڑھتے بھی تھے اور ایک دوسرے کے اچھے دوست تھے، وہ مجھے کبھی کبھی دیہات کی باتیں سناتا تھا کہ دیہات میں گاجریں ایسی لگتی ہیں، مولی ایسی لگتی ہے، شلغم ایسے لگتے ہیں، سبزیاں ایسی لگتی ہیں، ہمیں پتہ ہی نہیں تھا، زندگی میں ہم نے کبھی دیہات دیکھا ہی نہیں تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب مجھے یہ نہیں پتہ ہوتا تھا کہ گندم کسی پودے پے لگتی ہے یا کسی درخت کے اوپر، کچھ پتہ نہیں تھا، جب وہ بات سناتا دیہات کی تو میں اس کو شوق سے سنتا تھا، ایک دن وہ کہنے لگا کہ بھئی! آپ ایسا کریں کہ گرمی کی چھٹیاں ہونے والی ہیں، ہمارے پاس دیہات میں آئیں ایک دودن کے لئے، میں آپ کو دیہات کی سیر کراؤں گا اور یہ ساری چیزوں کی فصلیں میں آپ کو خود دکھاؤں گا، ہم نے کہا بہت اچھا، گھر میں، میں نے اپنی والدہ سے بات کی، والدہ صاحبہ نے کہا کہ تم اپنے بڑے بھائی کے ساتھ چلے جاؤ اور ایک دودن وہاں ٹھہر کے بڑے بھائی کے ساتھ واپس آجاؤ۔

چنانچہ میرے بڑے بھائی مجھے لے کر گئے، ہم وہاں گئے، رات سوئے، صبح اس نے اٹھایا، ہم نے نماز پڑھی سیر کو نکلے، سیر کرتے ہوئے مجھے تعارف کروا رہا تھا، ایک جگہ میں نے کیا دیکھا کہ ایک جگہ گوبر کا ڈھیر لگا ہوا ہے، انبار گوبر کا، یہ گائے بھینس کی جو نجاست ہوتی ہے، اس کا ڈھیر لگا ہوا تھا، اس کو دیکھ کر مجھے عجیب سا لگا، میں نے کہا کہ یار! یہ اکٹھا کر کے رکھا ہوا ہے یہ تو ناپاک ہوتا ہے، یہ تو بدبودار ہوتا ہے، یہ تو نجاست ہے، اس کو تو پھینک دینا چاہئے کہیں، اس نے کہا کہ یہ جو بندہ ہل چلا رہا ہے اس سے پوچھو کہ اس نے کیوں جمع کر رکھا ہے؟ میں نے اس ہل چلانے والے سے پوچھا کہ آپ

نے یہ گائے بھینس کا گوبر بدبودار، نجس کیوں یہاں رکھا ہوا ہے؟ (میں چھوٹا تھا اس وقت) وہ کہنے لگا بچے! تم ابھی بچے ہو، کچے ہو، تمہیں پتہ نہیں ہے، تمہاری نظر میں یہ نجاست ہے، تمہاری نظر میں یہ گوبر ہے، ناپاک ہے، میری نظر میں یہ کارآمد ہے، میں اس کو کھیت کے اندر ملاتا ہوں مٹی میں، پھر جب سبزی اگاتا ہوں تو سبزی بڑی اچھی ہوتی ہے، سائز بھی اچھا ہوتا ہے، تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے، مجھے اس کا بڑا فائدہ ہوتا ہے، اس نے سمجھانے کی کوشش کی مگر چھوٹی عمر کی وجہ سے مجھے اس کی بات سمجھ میں نہ آئی، مجھے یہی بات سمجھ آرہی تھی کہ ناپاک ہے، نجس ہے، گندگی بدبودار کیوں ڈالتا ہے، یہاں تو کھانے کی چیز پیدا ہوتی ہے نہیں ڈالنی چاہئے، گھر میں واپس آگیا۔

آج جب کبھی اپنی زندگی کے اس واقعہ کو میں یاد کرتا ہوں تو اب بات سمجھ میں آتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اے انسان! جسکو ہم گوبر کہتے ہیں، نجاست کہتے ہیں، گندگی کہتے ہیں، ناپاک کہتے ہیں، بدبودار کہتے ہیں، حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس گوبر کو اگر کسی کھیت میں ملادیا جائے تو وہ گوبر بھی ساتھ والی فصل کو اور سبزی کو فائدہ پہنچادیتا ہے، تو انسان ہوکر اگر ساتھ والے انسان کو فائدہ نہیں پہنچاتا تو اللہ کی نظر میں تو گوبر اور گندگی سے بھی گیا اور گزرا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

فہم و فراست

حضرت ابوبکرؓ کی فراست

سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بلایا، فرمایا کہ میری یہ جائیداد اپنے دو بھائیوں میں اور دو بہنوں میں تقسیم کر دینا، انہوں نے عرض کیا: وہ کیسے؟ میری تو ایک بہن ہے، فرمایا نہیں، تمہاری والدہ امید سے ہے اور میرے وجدان نے مجھے بتایا کہ اب اللہ تعالیٰ مجھے بیٹی عطا فرمائیں گے، اس لئے اس کو بھی شمار کیا، پھر ایسا ہی ہوا کہ ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی اہلیہ کو بیٹی عطا فرمائی اور ان کی بات سو فیصد سچ نکلی، یہ فراست ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/۲۴۰-طلبۃ الطلبۃ للنسفی ۳/۸۷-الکامل فی التاریخ ۱/۳۹۷)

حضرت عمرؓ کی فراست

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور انہوں نے پیچھے پڑھی، پھر نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی طرف رخ انور کر کے بیٹھ گئے، اس دوران میں ایک عورت آئی اور اس نے کھجوروں کا ایک بھرا ہوا تھال پیش کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے دو کھجور لے کر حضرت علیؓ کو کھانے کے لئے دیا، جب انہوں نے وہ کھجوریں کھائیں تو انہیں بڑا مزہ آیا، اس دوران ان کی آنکھ کھل گئی .... انہیں خواب دیکھنے کا بھی بڑا مزہ آیا، ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا، دوسرا ان کے پیچھے نماز پڑھی اور تیسرا ان کے ہاتھوں سے کھجوریں کھائیں۔

حضرت علیؓ فجر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے، یہ خلافت فاروقی کا زمانہ تھا، سیدنا عمر فاروقؓ تشریف لائے اور انہوں نے نماز پڑھائی، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ

انہوں نے نماز میں وہی دو سورتیں پڑھیں جو خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں پڑھی تھیں، حضرت علیؓ بڑے حیران ہوئے، پھر حضرت عمر فاروقؓ نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے، حسن اتفاق دیکھئے کہ ایک عورت نے امیر المومنین کی طرف کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھال پہونچایا، حضرت عمرؓ نے اس میں سے دو کھجوریں اٹھائیں اور حضرت علیؓ کو کھانے کے لئے دیں، جب انہوں نے کھجوریں کھائیں تو ان کا دل بڑا خوش ہوا، دو کھجوریں کھانے کے بعد انہوں نے کہا امیر المومنین! مجھے اور بھی دیجئے، اس بات پر حضرت عمرؓ مسکرائے اور فرمانے لگے: اگر آپ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی دی ہوتیں تو میں اور بھی عطا کر دیتا، یہ نور فراست ہوتا ہے جو تقوی کی بنا پر انسان کو حاصل ہوتا ہے، یہ نعمت ہر بندے کو نصیب نہیں ہوتی۔

نزہۃ المجالس ۳۴۶

حضرت عمرؓ کی فہم وفراست

حضرت عمرؓ مسجد میں تشریف فرما ہیں، ایک گورا چٹا بندہ آ گیا اس زمانہ میں نجران سائڈ کے جو عیسائی تھے وہ گورے چٹے ہوتے تھے، پوچھا کون ہے؟ کہنے لگا میں بنو کلب کا سردار ہوں اور میں عیسائی ہوں اور میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ میرے اوپر اسلام پیش کریں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کے سامنے اسلام کی کچھ تعلیمات کو کھولا، قرآن پڑھا، قرآن پاک نے اس کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ اس نے کلمہ پڑھا اور وہ مسلمان ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھتے ہی فراست سے پہچان لیا کہ یہ مخلص ہے اور اللہ اس سے دین کا کام لے لیں، انہوں نے اس کو خط لکھ کر دیا، آپ فلاں جگہ جایئے میں آپ کو اس علاقہ کا گورنر بناتا ہوں، ایک صحابی بول اٹھے کہ ہم نے زندگی میں پہلا شخص دیکھا جس نے کلمہ پڑھ کر ایک رکعت نماز نہیں پڑھی اور عمر بن خطابؓ کے ہاتھوں سے گورنر بن گیا ہو، وہ بڑے خوش ہوئے اس بات سے، چنانچہ وہ اس رقعہ کو لے کر چل پڑے، کہتے ہیں کہ بس دوسرے

لوگ بھی اٹھے تو حضرت علیؓ بھی اٹھے اور حسن اور حسین بھی دونوں ساتھ تھے، تو یہ تینوں حضرات پھر راستے میں جا کر ان کو ملے، سلام کیا، انہوں نے پوچھا جی کیسے آنا ہوا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ میرے دو بیٹے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اتنے خلوص سے آپ نے کلمہ پڑھا کہ امیر المؤمنین نے اسی وقت آپ کو ایک علاقہ کی ولایت سپرد کر دی، تو میں چاہتا ہوں کہ میرے بچوں کو آپ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق مل جائے، اس نے تھوڑی دیر سوچا، کہنے لگا میری بیٹیاں ہیں تین علی آپ کے ساتھ بڑی بیٹی کا نکاح کرتا ہوں اور حسن کے ساتھ دوسری بیٹی کا نکاح اور حسین کے ساتھ تیسری بیٹی کا نکاح کہ آپ تینوں نبی علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار ہیں، مجھے محبوب کا قرب اب سب سے زیادہ عزیز ہے، چنانچہ ان کی بڑی بیٹی محیا تھا، دوسری کا سلمیٰ اور تیسری کا رباب اور یہ جو سکینہ بنت حسین تھی یہ انہیں رباب کی بیٹی تھیں، اللہ اکبر، تو حضرت عمرؓ کی فراست دیکھئے کہ ایک بندہ آ رہا ہے، کلمہ پڑھ رہا ہے، اسکے کلمہ پڑھتے ہی پہچان لیا، اللہ نے اس سے دین کا کام لینا ہے اور اسکو ایک علاقہ کا والی بنا کر بھیج دیا، یہ فراست ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی فراست

حضرت جنید بغدادیؒ مسجد میں بیٹھے تھے، ایک شخص ان کے پاس آیا، اس نے جبہ پہنا ہوا تھا اور عمامہ بھی باندھا ہوا تھا، اس کا چہرہ بظاہر منور نظر آ رہا تھا، گورا، چٹا، خوبصورت تھا، وہ آ کر کہنے لگا، حضرت! مجھے آپ ایک حدیث کا مطلب سمجھا دیجئے پوچھا کون سی حدیث؟ اس نے کہا، حدیث یہ ہے **اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله** (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) حضرت نے اس کا چہرہ دیکھا اور فرمایا او نصرانی کے بیٹے! اس کا مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ پڑھ اور مسلمان ہو جا! یہ سن کر اس کے پسینے چھوٹ گئے وہ کہنے لگا واقعی میں نصرانی ہوں، میں اس لئے آیا تھا کہ میں پہلے آپ سے اس کا معنی پوچھوں گا اور پھر میں آپ کو لوگوں میں رسوا کروں گا کہ آپ

اتنے بڑے شیخ بنے پھرتے ہیں لیکن اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ میں مومن ہوں یا نہیں، اس سے پتہ چلا کہ واقعی یہ ایک نعمت ہے جو مومن بندے کے دل میں عطا ہوتی ہے، لہذا اب میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں، اللہ اکبر!!!۔

(الرسالۃ القشیریۃ ۱۰۹)

یہ حرام گوشت کب سے

حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقیؒ بہت محتاط بزرگ تھے، ان کی زندگی میں بڑا تقوی تھا، اگر کوئی آدمی ان کو کوئی مشتبہ مال کی چیز کھانے کے لئے دیتا تو آپ قبول ہی نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک آدمی نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرتؒ کے لئے مشتبہ مال سے بہت کھانا بنوایا، تقریبا پچیس تیس ڈشز بنوائیں، اس کے علاوہ دال بالکل حلال مال سے بنوائی، جب حضرت دستر خوان پر تشریف لائے تو فقط دال کے ساتھ روٹی کھا کر اٹھ گئے، باقی کسی اور چیز کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھایا۔

حضرت مرشد عالمؒ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا عبد الرحمٰن قاسمیؒ نے خود مجھے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت مرشد عالمؒ تبلیغی سفر پر تھے، اس دوران حضرت خواجہ عبد المالک صدیقیؒ اس علاقہ میں کسی پروگرام کے لئے تشریف لائے اور واپسی پر اچانک چوکوال تشریف لائے، جب حضرتؒ اچانک تشریف لائے تو میں خوش بھی ہوا اور حیران بھی ہوا، میں نے گھر میں والدہ صاحبہ کو آ کر بتایا کہ حضرتؒ تشریف لائے ہیں، ان کے لئے کھانا بنایئے، میں نے حضرتؒ کو بٹھایا، پانی پلایا اور جب دستر خوان لگایا تو حضرتؒ نے دستر خوان کی طرف ایک مرتبہ دیکھا پھر مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: تمہارے گھر میں سور کیسے داخل ہو گیا؟ فرماتے ہیں کہ میں فوراً واپس والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور ان سے کہا: امی جان حضرت تو کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھا رہے،

اور مجھے غصہ سے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ تمہارے گھر میں یہ سور کیسے داخل ہو گیا، امی جان سر پکڑ کر کہنے لگی ،،اوہو! غلطی میری ہے میرے ہم سایے والی عورت مدتوں سے مجھے کہہ رہی تھی کہ جب تمہارے پیر صاحب آئینگے تو اس دفعہ کھانا میں بنا کے دوں گی، اور مجھے خیال ہی نہ رہا کہ حضرت محتاط غذا کھاتے ہیں، میں نے پڑوسن کا حق سمجھ کر اسے ہاں کردی تھی، لہذا یہ ہمارے گھر کا کھانا نہیں پڑوس کے گھر کا کھانا ہے،، تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ اس کے خاوند کا مال تو حلال تھا مگر اس نے اپنی رقم کو سود والے اکاؤنٹ میں رکھا تھا، لہٰذا وہ بھی حرام بن گیا۔

انگور سے مردوں کی بدبو

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پاس ایک مرتبہ کوئی مرید آیا اور اس نے انگور پیش کئے، حضرتؒ اس میں سے کچھ انگور توڑ کر منہ میں ڈالنے لگے تو واپس رکھ دیے، فرمایا : مجھے ان میں سے مردوں کی بو آرہی ہے، اس نے کہا: حضرت بازار سے لایا ہوں، لیکن حضرتؒ نے واپس کردیے، حضرتؒ کے اس عمل کی وجہ سے اس کے اندر تجسس پیدا ہوا اور اس کی تحقیق کے لئے کمر بستہ ہو گیا، چنانچہ وہ دوکاندار کے پاس گیا اور پوچھا: جی آپ نے یہ انگور کہاں سے لئے؟ اس نے کہا: ایک دیہاتی بندے کا انگور کا باغ ہے، وہ لاتا ہے اور میں اس سے خریدتا ہوں، اس نے کہا: مجھے اس کا ایڈریس بتاؤ! اس نے اس کا پتہ دے دیا، جب اس آدمی نے جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ اس شخص نے ایک پرانے قبرستان کی زمین ہموار کر کے وہاں انگوروں کی بیلیں لگائی ہوئی تھیں۔

علمی مضامین ۱۸۷

یا تو بڑھئی یا درزی

(۱) حضرت امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا اور لوگوں سے کہا کہ یہ شخص یا تو بڑھئی ہے یا درزی ہے، لوگوں نے کہا حضرت آپ نے بالکل درست فرمایا پہلے یہ لکڑی کا کام کرتا تھا لیکن اب اس نے چھوڑ کر کپڑے سینے کا کام شروع کر دیا ہے۔

(دروس للشیخ المنجد ۱۷۵/۳۰)

(۲) حضرت ابراہیم خواصؒ نے رسالۂ قشیریہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں بغداد کی جامع مسجد میں تھا اور میرے پاس فقراء کی ایک جماعت موجود تھی، ایک نوجوان بڑا ہنس مکھ، باوقار اور خوبصورت نہایت اچھا لباس پہنے ہوئے اور خوشبو لگائے ہوئے وہاں پہنچا، میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ شخص یہودی ہے، سب نے میری بات کا یقین نہ کیا، میں جب مجلس سے اٹھ گیا تو اس نوجوان نے لوگوں سے پوچھا کہ شیخ نے میرے متعلق کیا کہا تھا؟ اس کی ظاہری وجاہت سے مرعوب ہو کر لوگوں نے اس کو اصل بات نہ بتائی، لیکن جب اس نے بہت زور دے کر پوچھا کہ مجھے حقیقت بتاؤ، تو پھر انہوں نے بتایا کہ شیخ نے کہا تھا کہ یہ شخص یہودی ہے، یہ سنتے ہی وہ نوجوان میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر اپنا سر رکھ دیا اور مسلمان ہو گیا۔

(الرسالۃ القشیریۃ ۱۰۸)

(۳) ایک شخص درویشوں والا جبہ اور دلق پہنے ہوئے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ کی مجلس میں آکر ایک طرف بیٹھ گیا جب حضرت لوگوں کو وعظ ونصیحت کر کے فارغ ہوئے تو اس شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت **اتقوا فراسۃ المؤمن** کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ فراست کیا چیز ہوتی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ فراست یہ ہے کہ تم اپنا زنار توڑ ڈالو، یہ سن کر اس نے شور مچا دیا اور کہا کہ معاذ اللہ مجھے زنار سے کیا مطلب؟ اسی اثناء میں

ایک مرید نے شیخ کا اشارہ پا کر اس کے دلق کو اس کے بدن سے الگ کر دیا تو نیچے سے زنار نکلا، یہ واقعہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا، اس کے بعد شیخ نے سب فقراء سے کہا کہ دوستو! جس طرح اس نے اپنے ظاہری زنار کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا آؤ ہم سب بھی اپنے باطنی زنار کو توڑ ڈالیں اور اللہ کے حضور اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کریں، اس پر لوگوں پر گریہ طاری ہوا اور سب نے اسی وقت بیعت کی تجدید کی۔

(۴) یہ عاجز ایک مرتبہ ایک عالم کو لے کر حضرت مرشد عالمؒ کی خدمت میں چکوال حاضر ہوا، دل میں خیال آیا کہ اتنے بڑے عالم میرے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ میں ان کے بارے میں حضرت کو کچھ بتا دوں، چنانچہ ہم جیسے ہی حضرت سے ملے، میں نے عرض کیا: حضرت! یہ ایک بڑے عالم ہیں، جو آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، حضرت فرمانے لگے ''چپ کر میں اسے پہلے ہی پڑھ چکا ہوں''، حضرت نے یہ الفاظ مسجد میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تربیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی پیاری باتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات مؤرخین نے بہت تھوڑے لکھے ہیں، سیرت کی کتابوں میں آپ کی جوانی کے واقعات دیکھیں تو وہ اگر ننانوے فیصد ہیں تو بچپن کے واقعات ایک فیصد بھی نہیں ملتے، وجہ یہ تھی کہ کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ بچہ جو آج گودوں میں پل رہا ہے، اس نے بڑے ہو کر پوری دنیا کا معلم بننا ہے اور اللہ رب العزت کا محبوب ہونا ہے، اس لئے بچپن کے واقعات کتابوں میں اتنے زیادہ نہیں قلمبند کئے گئے، چند ایک واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بتلائے۔

☆ عام طور پر بچے کی عادت ہوتی ہے کہ اس کے جب دانت نکل رہے ہوں تو کوئی چیز بھی اس کے منہ میں ڈالو تو وہ اس کو کاٹتا ہے، ہر بچے کی عمر میں ایک خاص حصہ ایسا آتا ہے کہ اسے چیز کو چبانے کی عادت ہو جاتی ہے، آپ انگلی دیں تو انگلی کو کاٹے گا، اپنی ہتھیلی دیں تو ہتھیلی کو کاٹے گا، یہ بچے کی فطرت ہے۔

غالباً ایسی ہی عمر ہو گی کہ جس میں انسان کے دانت نکلتے ہیں اور اس کو کاٹنے میں مزہ بھی آتا ہے، ایک مرتبہ آپ کی رضائی بہن ''شیما'' نے آپ کو اٹھایا اور آپ کو کندھے سے لگایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے پر دندان مبارک سے کاٹا، یہ اتنا زیادہ تھا کہ اس کے نشان پڑ گئے، اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ نشان ان کے رہا۔

ایک مرتبہ کسی غزوہ میں ان کے قبیلے کے لوگوں کو گرفتار کر کے لایا گیا، شیما اس وقت بوڑھی ہو چکی تھیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے آکر بتایا کہ میں آپ کی بہن ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اپنے باپ

کا ایک ہی بیٹا ہوں، آپ میری بہن کیسے؟ اس نے بتایا کہ میں حلیمہ کی بیٹی، آپ کی رضائی بہن ہوں، نشانی کے طور پر اس نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا تو آپ نے مجھے کاٹا تھا اور میرے جسم پر وہ نشان آج بھی موجود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشان کو دیکھا تو آپ کو بھی یاد آ گیا کہ ہاں بچپن میں ایسا معاملہ پیش آیا تھا، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھائی اور اپنی بہن کو اس چادر پر بٹھایا، دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل کے معلم انسانیت تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بچپن میں بچکانہ فطرت کا اظہار ہو رہا ہے۔

(الروض الانف ۴/ ۲۲۷-السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۳/ ۶۸۹-السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۵/ ۱۲۸)

بچوں کی سعادت بچپن سے ہی

بعض بچے بچپن میں ہی سعادت کے آثار لے کر آتے ہیں، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے ایک بیٹے تھے، حافظ احمد صاحب، اللہ کی شان کی انکی شادی ہوئی، ایک بچہ ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا، پھر کچھ عرصہ بچہ ہی نہیں ہوا، امید ہی نہیں لگی سب لوگ فکرمند تھے اور سب چاہتے تھے کہ خاندان قاسمی کا سلسلہ چلتا رہے، علمی گھرانا اور یہ علمی یادگاریں آگے بڑھتی رہیں، قیامت تک ان کا فیض چلے، سب لوگ دعائیں کرتے تھے، کوئی امید ہی نظر نہیں آتی تھی، ایک بزرگ تھے، فتح پور کے رہنے والے، ان کے پاس شیخ الہندؒ نے مولانا عبدالسمیع کو پیغام دے کر بھیجا کہ حضرت! حافظ احمد صاحب کے لئے اولاد کی دعا کریں، یہ گئے اور انہوں نے جا کر پیغام پہونچایا، وہ بزرگ اس خاندان کی علمی وجاہت اور علمی مقام کو جانتے تھے، انہوں نے جب سنا تو تھوڑی دیر تو خاموش رہے پھر کہنے لگے: ہاں ہاں بچہ ہوگا، حافظ ہوگا، قاری ہوگا، عالم ہوگا، اپنے وقت کا مقتدا ہوگا، حاجی بھی ہوگا، یہ الفاظ کہے، اس کے چند دن کے بعد ان کی اہلیہ کو امید لگ گئی اور اللہ نے

ان کو بیٹا دیا، جو بڑا ہو کر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ بنا، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے ہی اللہ بچہ کو ولایت کا نور عطا فرما دیتا ہے اور بہت سی خوبیاں اور اچھے کمالات بچپن سے ہی جھلکنے لگتے ہیں۔

(نوٹ) یہ واقعہ حضرت قاری صاحبؒ کو مولانا عبدالسمیع نے اس وقت سنایا تھا جب کہ حضرت قاری صاحبؒ پہلی دفعہ حج کے واسطے جا رہے تھے۔

(حکیم الاسلام کے پسندیدہ واقعات ۲۶۶)

بچے گھر کے ماحول کے مطابق کھیلتے ہیں

حضرت مولانا طلحہ خود ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں چھوٹا تھا، گلی میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک بچے کو بیعت کر رہا تھا، اس لئے کہ میں نے اپنے والد کو بیعت کرتے دیکھا تھا۔

اب میں چھوٹا سا! اور ایک بچے کو بیعت کے کلمات پڑھا رہا تھا، اسکے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، اللہ کی شان کہ ادھر سے حضرت مدنیؒ تشریف لے آئے، انہوں نے مجھے آ کر دیکھا تو چونکہ شفقت بہت تھی، شیخ الحدیثؒ کے ساتھ بہت زیادہ گہرا تعلق تھا، مجھے دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ صاحبزادے صاحب! ہمیں بھی بیعت کر لو، کہنے لگے میں نے کہا: آئیں بیٹھ جائیں! مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟ تو میں نے حضرت مدنیؒ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے اور میں نے کچھ کلمات پڑھ کر کہا کہ اچھا! میں نے آپ کو بھی بیعت کر لیا۔

تو دیکھو! بچہ ہے، لیکن وہ حضرت مدنیؒ کو بیعت کر رہا ہے، بچے اسی طرح کے کام کرتے ہیں۔

(بڑوں کا بچپن ۲۱۵)

یہ بچہ ہے یا بوڑھا

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے ایک مرتبہ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ سے فرمایا: غلام علی کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا، حضرت شاہ صاحب اپنے گھر گئے اور بچے کو حضرت کی خدمت میں لانے کے لئے تیار کیا، کافی دیر اسے سمجھاتے رہے کہ حضرتؒ کی خدمت میں ایسے بیٹھنا اور ایسے کرنا، ایسے نہ کرنا، بچہ جب اچھی طرح معاملہ سمجھ گیا تو اگلے دن حضرت شاہ صاحب اسے حضرتؒ کی خدمت میں لائے، بچے نے سلام کیا اور باادب ایک طرف بیٹھ گیا، کچھ دیر گزری تو حضرتؒ نے فرمایا: غلام علی ہم نے تو کہا تھا کہ کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا، یہ کوئی بچہ ہے یہ تو بوڑھا معلوم ہوتا ہے، یعنی بچہ تو اس وقت اچھا لگتا ہے جب بچوں والی باتیں کرے، اچھل کود کرے، آپ نے بچے کو بوڑھا بنا کر بٹھا دیا، وہ لگتا ہی نہیں کہ بچہ ہے۔

(حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات ۱۸۶- علمی مضامین ۳۴۳)

چھوٹے بچوں کی سوچ اور ان کی دنیا

حضرت عبدالماجد دریابادیؒ کہتے ہیں: اس بچپن کی عمر میں بس سارا دن مجھے ایک ہی فکر ہوتی تھی کہ شام کو ایک خوانچے والا آتا ہے وہ کبھی گنڈیریاں بیچتا تھا اور کبھی سموسے بیچتا تھا اور اسی طرح کی چٹ پٹی چیزیں بیچتا تھا، سارا دن بس مجھے اس کی فکر ہوتی کہ کب عصر کا وقت آئے؟ اور وہ خوانچے والا صدا لگائے اور میں امی سے پیسہ لوں اور اس سے جا کر چٹ پٹی چیز لا کر کھاؤں۔

(بڑوں کا بچپن ۲۵۶)

گویا اس وقت بچے کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی بنا ہوا تھا۔

کہنے لگے کہ میں چھوٹا تھا تو ایک دن امی ابو آپس میں بیٹھے بات کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ قیامت کا دن ہوگا، بہت گرمی ہوگی اور سورج سوا نیزے پہ ہوگا اور پسینہ ہوگا اور بہت مشکل ہوگی، تو ساری باتیں سن کر میں ہنس پڑا، تو امی نے کہا کہ بیٹے! ہنس کیوں رہے ہو؟ تو میں نے کہا: امی! جب اتنی زیادہ گرمی ہوگی تو میں گرمی سے بچنے کے لئے کمرے میں چلا جاؤں گا، تو کہنے لگے: سارے گھر والے ہنسنے لگے، کہ حشر کی گرمی کا تذکرہ اور بچے کا حال دیکھو کہ کہہ رہا ہے: امی! اس گرمی سے بچنے کے لئے میں اس دن کمرے میں چلا جاؤں گا۔

آپ بیتی دریابادی ۷۶

تو بچے کی اتنی ہی سوچ ہوتی ہے اور اتنا ہی اس کا معاملہ ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے گھر میں ایک خادمہ کام کرتی تھی، اور اس خادمہ کا نام رحمتی تھا، وہ گھر کے کام سمیٹتی تھی، قریب ہی رہتی تھی اس نے ایک بکری بھی پالی تھی، چنانچہ اس بکری نے ایک بچہ دیا، چھوٹا سا میمنہ، مولانا یوسف صاحبؒ (جو حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے صاحبزادے تھے اور جانشین تھے) بچپن کی عمر میں تھے اور وہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے یہاں آیا جایا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں جب وہاں جاتا تھا تو مجھے وہ بکری کا چھوٹا سا بچہ بہت اچھا لگتا تھا، تو میں اکثر اس بکری کے ساتھ، اس بکری کے بچے کے ساتھ کھیلتا تھا۔

ایک دفعہ کیا ہوا؟ کہ لوگ آپس میں حج کی باتیں کر رہے تھے کہ ہم نے حج پے جانا ہے میں ان کی باتیں سنتا رہا، سنتا رہا، تو اخیر میں پھر میں نے کہا کہ ہاں میں بھی حج پہ جاؤں گا، تو کسی نے پوچھ لیا کہ کیسے حج پہ جاؤ گے؟ میں نے کہا: کہ رحمتی کی بکری کا جو چھوٹا بچہ ہے میں اس کی پیٹھ پے سوار ہو کر حج کے لئے جاؤں گا۔

اب دیکھو! چھوٹا سا بچہ بچپن کی عمر میں یہ جواب دے رہا ہے کہ میں بکری کے بچے

کی پیٹھ پر بیٹھ کر حج کروں گا، کہنے لگے: یہ بات ایسی مشہور ہوئی کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جب بھی کبھی مجھے ملتے تو بچپن میں مجھے دیکھ کر کہتے: ہاں سناؤ بچے! تم حج پے کیسے جاؤ گے اور میں آگے سے کہہ دیتا کہ بکری کے بچے کی پیٹھ پہ بیٹھ کر حج کروں گا تو حضرت مسکرایا کرتے تھے۔

سوانح حضرت مولانا یوسف صاحبؒ (محمد ثانی) ۱۶۸

☜ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش دیوبند میں ہوئی، والدین یہیں رہتے تھے اور یہیں پر میرے لڑکپن کی عمر گزری، پڑھنے کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی، فرماتے ہیں: کہ میں اپنے کزن عاقل کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ہم آپس میں سرکنڈے کھیل رہے تھے یعنی چند سرکنڈے کے چھوٹے سے ٹکڑے تھے ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے تھے: یوں پھینکو، تم جیت جاؤ گے، یہ ہار جائے گا، کہنے لگے: سرکنڈوں کا کھیل کھیل رہا تھا کہ اس نے سارے ہی سرکنڈے مجھ سے جیت لئے، فرماتے ہیں: میں اتنا ڈیپریش ہوا کہ اتنا میرا نقصان ہو گیا۔

اب سوچو کہ بچے کی دنیا کیا ہے کہ اگر اس سے کسی نے سرکنڈے جیت لئے تو گویا اس پر پہاڑ ٹوٹ پڑا، وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا اتنا بڑا خزانہ اس کے ہاتھ سے کسی نے لوٹ لیا۔

بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ اب میں سوچتا ہوں کہ پوری دنیا کی میرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ مگر بچپن میں میرا کیا حال تھا! کی سرکنڈوں کے چلے جانے پر میں اس قدر پریشان ہو گیا تھا، تو بچپن میں انسان کی ایسی ہی امنگیں ہوتی ہیں اور تمنائیں ہوتی ہیں۔

(بڑوں کا بچپن ۱۲۷۔اصلاحی واقعات ۳۰۲)

شیخ سعدیؒ کا بچپن

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے سونے کی انگوٹھی پہنادی، میں وہ انگوٹھی پہن کر باہر گلی میں نکلا تو ایک ٹھگ مل گیا، اس ٹھگ کے پاس گڑ کی ڈلی تھی، اس نے مجھے اٹھا کر پیار کیا اور مجھے کہنے لگا کہ تم اپنی انگوٹھی کو چکھو! میں نے انگوٹھی کو زبان سے لگایا تو بے ذائقہ تھی، پھر اسکے بعد اس نے گڑ کی ڈلی دی کہ اس کو چکھو! جب میں نے گڑ کو چکھا تو بڑا مزے دار تھا، کہنے لگا کہ مزیدار چیز لے لو اور بے مزہ چیز دے دو، کہنے لگے کہ مجھے گڑ کا اتنا مزہ آیا کہ میں نے اسے انگوٹھی اتار نے دی اور گڑ کی ڈلی لے کر گھر واپس آ گیا۔

اب بچے تھے، کچے تھے گڑ کی ڈلی کے بدلے سونے کی انگوٹھی دے کر آ گئے، تو اس عمر میں انسان غلطیاں بھی کرتا ہے اور سیکھتا بھی ہے۔

فرماتے ہیں: کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ میلہ دیکھنے گیا، والد نے کہا کہ بیٹا! مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑنا، بھیڑ زیادہ ہے، چھوڑنا نہیں، میں نے کہا: بہت اچھا! اب میں چل بھی رہا تھا، ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا، ادھر ادھر کی چیزیں دیکھنے میں ایسا محو ہوا کہ ہاتھ چھوٹ گیا، اس کے بعد بہت دیر والد مجھے ڈھونڈتے رہے، میں والد صاحب کو ڈھونڈتا رہا، کافی دیر کے بعد اور پریشانی اٹھانے کے بعد والد صاحب نے مجھے ڈھونڈ ھ لیا۔

جب انہوں نے مجھے ڈھونڈھا تو مجھے کہا کہ تمہیں میں نے کہا تھا کہ ہاتھ پکڑے رکھنا، تم نے کیوں چھوڑا؟ تو میں نے پھر ان کو کہا کہ میں کسی چیز کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا، توجہ نہ رہی، تو والد صاحب نے میرے کان کھینچے اور کان کھینچ کر کہا کہ دیکھو بچے! جس طرح تم نے اپنے بڑے کا ہاتھ مضبوطی سے نہ پکڑا تو دنیا کے میلے میں گم ہو گئے، اسی طرح تم بڑے ہو کر اگر اپنے بڑوں کا ہاتھ مضبوطی سے نہیں پکڑو گے تو پھر دنیا کے میلے میں گم ہو جاؤ گے، کہنے لگے کہ بچپن کی والد صاحب کی بتائی ہوئی یہ بات مجھے آج بھی یاد آتی ہے کہ واقعی جو اپنے

بڑوں کا ساتھ چھوڑ بیٹھتا ہے وہ پھر دنیا کی جھلملاہٹ کے اندر گم ہی ہو جایا کرتا ہے۔

(بڑوں کا بچپن ۱۱۔ضرورت مرشد ۲۲۷)

☜ فرماتے ہیں: میں چھوٹا سا تھا، اپنے والد کے ساتھ تہجد میں اٹھ جایا کرتا تھا، ایک رات میں نے تہجد پڑھی تو گھر کے کچھ لوگ سوئے ہوئے تھے، میں نے ابو سے کہا: ابو! دیکھو یہ لوگ سوئے پڑے ہیں، اٹھ کر تہجد نہیں پڑھتے، تو والد صاحب نے کہا: کہ بیٹا! تم اگر سوئے رہتے تو زیادہ بہتر تھا، اس لئے کہ اب جو تم نے یہ بات کی، یہ غیبت میں داخل ہے، ان کو سونے پر اتنا گناہ نہیں ہوگا، جتنا تمہیں غیبت کرنے پر گناہ ہوا۔

حکایات سعدی ۱۱۴

تو دیکھئے! کس طرح بچہ باتیں کر رہا ہے اور عقلمند باپ اس بچے کو ساتھ ساتھ تعلیم بھی دے رہا ہے، اس کی تربیت بھی کر رہا ہے۔

☜ شیخ سعدیؒ ایک بڑے استاذ کے شاگرد بنے (جن کا نام تھا "ابن جوزی" جنہوں نے تلبیس ابلیس لکھی) تو فرماتے ہیں کہ میں شافعی مذہب پہ تھا اور استاذ مجھے اسکے مطابق تعلیم دے رہے تھے، ایک دن استاذ نے مجھے پڑھایا کہ روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہئے، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک روزے میں مسواک کا کرنا جائز ہے، مگر امام شافعیؒ اس میں بہت احتیاط برتتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں جب اللہ کو روزے دار کی منہ کی مہک ہی اچھی لگتی ہے تو مسواک کیا کرنی؟ بہر حال ان کا اپنا نقطۂ نظر ہے، کہنے لگے کہ میں نے جب یہ پڑھا تو میں نے گھر آکر اپنے والد سے کہا: ابو! روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہئے۔

جب میں نے یہ بتایا تو میرے والد نے کہا بیٹے! تم روزے میں مسواک نہ کرنے کی اتنی احتیاط کر رہے ہو اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تم نے بات کی تھی، وہ غیبت تھی اور تم نے گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا لیا، تو کیا روزے میں یہ گوشت کھانا تمہارے لئے جائز تھا؟

کہنے لگے: تب مجھے سمجھ میں آئی کہ واقعی روزے کی حالت میں غیبت سے بہت بچنا چاہئے۔

مولانا آزادؒ کے لڑکپن کی باتیں

مولانا آزادؒ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا تو گھر میں والد صاحب کا عمامہ پڑا ہوا تھا، میں کیا کرتا! اپنی بہنوں کو اکٹھا کر لیتا اور اپنے سر پہ اپنے والد کا عمامہ رکھتا اور بڑی شان سے اکڑ کے چلتا اور بہنوں کو کہتا: ''ہٹو! راستہ دو، دہلی کے مولانا آرہے ہیں'' اس لئے کہ بچپن میں میں نے سنا ہوا تھا کہ دہلی میں کوئی بڑے مولانا رہتے ہیں، پھر میں اپنی بہنوں کو کہتا کہ تم لوگ میرا استقبال کرو اور استقبال میں تم نعرے لگاؤ! اب بہنیں کہتیں کہ ہم کیوں نعرے لگائیں؟ اس لئے کہ مولانا جو آرہے ہیں، تو وہ کہتیں کہ مولانا کے استقبال کے لئے تو ہزاروں لوگ ہوتے ہیں، ہم تو دو ہیں، تو وہ کہتے کہ نہیں تم یونہی سمجھ لو کہ تم ہزار ہو اور میرا استقبال کر رہے ہو، لہٰذا تم نعرے لگاؤ۔

(بڑوں کا بچپن ۲۳۳)

اب چھوٹا سا بچہ! دیکھو! اپنی بہنوں کے ساتھ کس طرح اس بات پر کھیل رہا ہے۔

ان کی ایک بڑی بہن تھی، ایک مرتبہ اس نے بچپن میں ان کو کوئی کام کہا، انہوں نے نہ کیا، ضد کر گئے، تو بڑی بہن خفا ہوئی اور اس نے اپنے والد کو کہا کہ ابو! یہ ہمارے بچے تو بالکل سڑے ہوئے انڈوں کی طرح ہیں، جب بہن نے کہا کہ یہ تو سڑے ہوئے انڈوں کی طرح ہیں تو انہوں نے اسی وقت اپنے منہ سے ''چوں چوں'' کی آواز نکالنی شروع کر دی اور کہا کہ اگر انڈے سڑے ہوئے ہوتے تو اس میں سے یہ مرغی کے بچے کیسے نکلتے؟

اب چھوٹا بچہ ہے، دیکھو! وہ اپنی بہن کی بات پر کیا ردعمل دکھا رہا ہے؟

(بڑوں کا بچپن ۲۳۳)

مولانا عبدالماجدؒ کی رسم بسم اللہ

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ اپنے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ جب میں تھوڑا سا بڑا ہوا تو میرے گھر میں قرآن مجید شروع کرنے کی تقریب ہوئی، اس زمانے میں اس کو ''رسم بسم اللہ'' کہا جاتا تھا اور یہ دو رسمیں بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھی، ایک ''رسم بسم اللہ'' قرآن مجید شروع کروانے سے پہلے اور ایک ''رسم آمین'' جب قرآن مجید ختم ہوا کرتا تھا، اس زمانے کی یہ تقریبات ہوا کرتی تھیں۔

کہنے لگے کہ امی نے مجھے نہلایا، بہن نے مجھے اچھے کپڑے پہنائے، خوشبو لگائی خوب سجا دیا گیا، گھر کے اندر رشتہ داروں کو بلایا گیا، سب نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، مٹھائی کا انتظام کیا ہوا ہے، حتی کہ ایک قاری صاحب کو بھی بلا لیا گیا، جنہوں نے آ کر مجھے بسم اللہ پڑھانی تھی۔

اب جب سارے لوگ خوشیوں کے ساتھ اکٹھے میری طرف متوجہ ہوئے، حتی کہ گھر کی عورتیں وہ بھی پردے کے پیچھے لگ گئیں اور خوش ہو رہی ہیں کہ بچہ آج اللہ کا قرآن شروع کرے گا، چنانچہ قاری صاحب نے مجھے کہا کہ بچے! پڑھو! بسم اللہ، کہنے لگے'' مجھے ایسی چپ لگ گئی کہ میں نے کچھ بھی نہ پڑھا، بار بار قاری صاحب کہہ رہے ہیں، حتی کہ مجھے والد صاحب نے کہا، دوسروں نے کہا، مگر ماحول کچھ ایسا تھا کہ مجھے چپ ہی لگ گئی اور میں بولنے پر آمادہ ہی نہ ہوا، بہت سمجھایا گیا حتی کہ دس پندرہ منٹ خوب منتیں کی گئیں لیکن میں نہ بولا، چپ لگی ہوئی تھی حتی کہ لوگ اٹھ گئے کہ چلو جی اگر نہیں پڑھتے تو کوئی بات نہیں، عورتوں کے دلوں کے اندر بھی اداسی آ گئی کہ بچے نے اس موقع پر نہیں پڑھا، والد کو غصہ آیا تو والد نے مجھے پھر ایک تھپڑ بھی لگا دیا، جب سب تجھے کہہ رہے ہیں کہ پڑھو تو پڑھ کیوں نہیں رہے ہو؟ کہنے لگے: میں نے تھپڑ بھی کھا لیا اور آنسو بھی بہا لئے، پڑھا پھر بھی نہیں۔

خیر کیا ہوا کہ میرے ایک قریبی رشتہ دار تھے جو بڑے ہی سمجھدار تھے، انہوں نے

مجھے اٹھالیا اور کہا کہ کیوں روتے ہو؟ کوئی بات نہیں، رو نہیں، وہ مجھے اٹھانے کے بعد تھوڑا ادھر ادھر لے گئے، مجھ سے باتیں کرتے رہے، باتیں کرنے کے بعد مجھے کہنے لگے: ارے میاں! تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں کہ تم دو لفظ پڑھ دو، کیا تمہیں لوگ بے وقوف کہیں تو یہ تمہیں اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: نہیں، میں تو بے وقوف نہیں ہوں، انہوں نے کہا کہ اگر تمہیں لوگ گندا بچہ کہیں تو اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: نہیں، میں گندا بچہ تو نہیں ہوں، انہوں نے کہا کہ گندے بچے نہیں ہو تو پھر ان کو پڑھ کر سنا دو! کہ تم بسم اللہ پڑھنا جانتے ہو، کہنے لگے: جب انہوں نے مجھے اس طرح Properly (صحیح انداز میں) ڈیل کیا، تو میں نے اتنے زور سے بسم اللہ پڑھی کہ قاری صاحب تو کیا، گھر میں بیٹھنے والی عورتوں نے بھی بسم اللہ کی آواز سنی۔

تو اب دیکھئے! کہ ہے تو بچہ، لیکن اگر اس کو تھپڑ مارا تو اسکو چپ لگی ہوئی تھی، اور پیار کے ساتھ اس کو ڈیل کیا تو اس نے اتنا اونچا پڑھا کہ دیوار کے پار بھی اس کی آوازیں جانے لگ گئیں۔

(بڑوں کا بچپن ۲۵۳، ۲۵۴- آپ بیتی دریابادی ۶۱، ۶۲)

اکبر الہ آبادی کو پھکنے کا تحفہ

اکبر الہ آبادی بڑے ظریف شاعر گزرے ہیں، مگر بہت تعلیم یافتہ تھے اور اپنے وقت کے جج تھے، چنانچہ ان کا بیٹا جب جوان ہوا تو انہوں نے ان کی شادی کی، اب ولیمہ کی تقریب تھی، اس ولیمے کی تقریب میں انہوں نے بڑے اچھے طبقے کے لوگوں کو بلایا ہوا تھا: امیر لوگ، پڑھے لکھے لوگ، معاشرے کے ذمہ دار لوگ، بڑے بڑے اس طرح کے جو لوگ تھے، وہ آئے ہوئے تھے، اور بیٹا بھی (ماشاء اللہ) جوان العمر تھا اور اس وقت اس کی خوشی کی تقریب تھی، تو اس خوشی کی تقریب میں انہوں نے اعلان کیا کہ آج میں اپنے بیٹے کو ایک تحفہ

دوں گا، اب انہوں نے تحفہ ایک کاغذ کے اندر لپٹا ہوا تھا یعنی گفٹ پیک کروایا ہوا تھا، کہنے لگے کی سارا مجمع متوجہ ہوگیا، بیٹے کی شادی ہے، ولیمہ کی تقریب ہے، باپ اتنا معزز آدمی ہے اور وہ اپنے بیٹے کو ولیمہ کے اوپر ایک تحفہ پیش کرر ہا ہے، تو لوگ سمجھتے تھے پتہ نہیں کہ سونے کا بنا ہوگا؟ کوئی ڈائمنڈ ہوگا؟ یا کوئی قیمتی گھڑی ہوگی، کیا چیز ہوگی؟ کہنے لگے کہ سب لوگوں نے دلچسپی لی کہ آخر اس گفٹ پیک کے اندر چھپا ہوا کیا ہے؟ کہنے لگے کہ جب والد صاحب نے مجھے کہا: بیٹے! اس گفٹ پیک کو کھولو! میں نے اسے کھولنا شروع کیا تو ایک تہہ تھی، پھر اس کے اندر دوسری تہہ، پھر اس کے اندر تیسری تہہ، اب میں کھولتا جار ہا ہوں اور لوگوں کا تجسس بڑھتا جار ہا ہے، خود میرا تجسس بھی بڑھ گیا کہ ابو مجھے اس موقع پر کیا چیز دے رہے ہیں؟ کہنے لگے: کہ جب میں نے آخر میں آخری تہہ اتاری تو اندر ایک بچوں کے کھیلنے کا چھوٹا سا کھلونا تھا، جب وہ کھلونا نکالا تو سارا مجمع ہنسنے لگا، میں تھوڑا سا شرمندہ بھی ہوا کہ میری ولیمہ کی تقریب تھی اور والد صاحب نے مجھے یہ کھلونا دینا تھا اور لوگوں کے سامنے میری جگ ہنسائی ہونی تھی، میں ذرا خاموش ہوگیا، خیر لوگ تو ہنسے، مسکرائے، انجوائے کیا اور چلے گئے۔

چند دن کے بعد ابو سے میری بات ہو رہی تھی، میں نے کہا: ابو! آپ نے میرے ساتھ ٹھیک نہیں کیا..... کیوں بیٹے؟ اس لئے کہ آپ نے مجھے اتنے بڑے مجمع کے سامنے مذاق بنا دیا، سارے مجھ پر ہنسنے لگے کہ آپ نے اس تقریب کی خوشی میں یہ چھوٹا سا کھلونا دیا، تو اس وقت والد نے بات سمجھائی کہ دیکھو بیٹا! میں تمہیں ایک میسج دینا چاہتا تھا، ایک پیغام سمجھانا چاہتا تھا، بچپن میں ایک مرتبہ میرے پاس پیسے نہیں تھے اور تم نے اسی کھلونے کا مجھ سے مطالبہ کیا تھا، جو میں خرید نہ سکا، تو آپ اتنا روئے، اتنا خفا ہوئے کہ ایک ہفتہ مجھ سے بولے بھی نہیں کہ مجھے کھلونا کیوں نہیں لے کر دیا؟ اس کھلونے کی آپ کو اتنی چاہت تھی کہ اپنے والد سے ایک ہفتہ کلام تک نہ کیا، میں نے یہ سوچا کہ آج اس شادی کی خوشی کی تقریب میں، میں یہ کھلونا آپ کو لے کر دوں اور آپ کو یہ سمجھاؤں کہ دیکھو بیٹے! بچپن میں اس

کھلونے کو لینا یہ آپ کی آرزو تھی، آپ کی تمنا تھی لیکن جب آپ جوانی میں پہونچے اور بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے آپ کی تمنا کو پیش کیا، تو آپ کو خود بھی شرمندگی ہوئی کہ کیا اس چیز کے پیچھے میں نے اپنے والد سے منہ موڑ لیا تھا! میں یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ بیٹے! بچپن کی تمنائیں اگر بندے کے سامنے جوانی میں کھولی جائیں، تو بھرے مجمع میں بندے کو شرمندگی ہوتی ہے، تم جوانی میں اپنی کوئی ایسی آرزو اور تمنا مت بنانا کہ کل قیامت کے مجمع میں اگر اسے کھول دیا جائے تو تمہیں وہاں جا کر شرمندگی ہو، تو دیکھئے! جو اچھے ماں باپ ہوتے ہیں وہ بچوں کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہی اچھی تعلیم دیتے ہیں اور بالآخران بچوں کو اچھا انسان بنا دیتے ہیں۔

بہن کی تربیت کا اثر بھائی پر

☜ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکران کے گھر ملنے کے لئے آئے، اس دوران وہ وضو کرنے لگے، ان کی ایڑی کا کچھ حصہ خشک رہ گیا، سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

"اے بھائی! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے کہ جس آدمی کے پاؤں کا کچھ حصہ بھی وضو میں خشک رہ جائیگا، قیامت کے دن اسکو جہنم کی آگ میں جلایا جائیگا"۔

(اسوۂ صحابیات ۵۱)

بہن کی یہ بات سن کر بھائی نے دوبارہ وضو کیا اور مسجد تشریف لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابیاتؓ اپنے بھائیوں کو بھی نیکی کی تعلیم دیا کرتیں تھیں۔

☜ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے طے کرلیا کہ میری بیوی فوت ہو چکی ہے، اب میں دوبارہ نکاح نہیں کروں گا بلکہ اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول

رکھوں گا، جب ان کی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ کو پتہ چلا تو فرمانے لگیں:

''اے بھائی! تم ابھی جوانی کی عمر میں ہو، تم نکاح کا ارادہ کیوں ترک کر چکے ہو؟ اگر تم نکاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صاحب اولاد بنائیگا، اگر اولاد ایمان والی ہوتی ہے تو وہ اپنی زندگی میں جتنے سانس لیتی ہے، ہر سانس کے بدلے ان کے ماں باپ کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے، تم اس صدقۂ جاریہ سے کیوں محروم ہوتے ہو؟''

انہوں نے اتنے اچھے انداز میں بات کی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور انہوں نے دوبارہ نکاح کر کے پھر ازدواجی زندگی گزاری۔ اس سے پتہ چلا کہ پہلے وقت کی بہنیں اپنے بھائیوں کو دین کی طرف متوجہ کیا کرتی تھیں۔

الافصاح عن احادیث النکاح ص:۱۶

جذبۂ جہاد پیدا کرنے کا انوکھا انداز

ایک صحابیہ خنساءؓ تھیں ان کے چار بیٹے تھے، جب وہ اپنے بیٹوں کو کھانے کے کئے بٹھاتیں تو کہتیں بیٹو! نہ میں نے تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ میں نے تمہارے باپ کے ساتھ خیانت کی، بچے اس بات کو سمجھ نہیں سکتے تھے، ایک دن انہوں نے ماں سے پوچھ لیا، امی! آپ کیا کہتیں ہیں؟ پھر انہوں نے بتایا، بیٹو! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ میں نے پاک دامنی کی زندگی گزاری ہے، جب میں کنواری تھی تو کوئی ایسا کام نہ کیا کہ تمہارے ماموں کی رسوائی ہوئی ہو اور جب میری شادی ہوئی تو میں نے تمہارے باپ کے بستر پر کسی کو نہیں آنے دیا، یعنی میں نے تمہارے باپ کے ساتھ بھی خیانت نہیں کی۔

بچوں نے کہا: اماں! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟

وہ فرمانے لگیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جب تم بڑے ہو کر جوان ہو جاؤ تو اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور تم سب کے سب شہید ہو جانا، جب قیامت کے دن اللہ تعالی فرمائینگے کہ شہداء کی مائیں کہاں ہیں تو اس وقت انبیاء کرام کی موجودگی میں مجھے اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا اعزاز نصیب ہو جائے گا، اور ساتھ یہ بھی کہتی کہ بیٹو! خوب بہادری سے لڑنا، اگر تم میری زندگی میں شہید ہوئے تو میں آ کر تمہاری لاشوں کو دیکھوں گی، اگر تمہارے سینوں پر زخم ہوئے تو میں تمہارے لئے دعا کروں گی اور اگر تمہاری پشت پر زخم ہوئے تو میں تمہیں کبھی اپنا حق معاف نہیں کروں گی۔۔۔۔۔

جب ماں اپنے بچوں کے ایسے جذبات بناتی تھی تو بچے بڑے ہو کر واقعی دین کے مجاہد بنتے تھے۔

(اسد الغابۃ ۳/۳۴۲-الوافی بالوفیات ۳/۲۶۱-تاریخ الامم والملوک ۲/۴۱۳-صفۃ الصفوۃ ۴/۳۸۵)

ماں کی تلاوت کا اثر بچوں پر

ایک ماں باپ نے اپنے بچے کو مدرسے میں داخل کیا کچھ عرصے کے بعد اس کا باپ مدرسے میں گیا کہ میں اپنے بچے کی کارکردگی کا جائزہ لوں تو قاری صاحب نے پوچھا تو انہیں بتایا کہ اس بچے نے تین پارے تو اتنی جلدی حفظ کر لئے ہمیں یقین نہیں آتا، ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ تو پہلے سے ہی حافظ تھا، ان تین پاروں کے بعد پھر اس نے عام معمول کے مطابق عام رفتار کے مطابق سبق لینا شروع کر دیا، تو خاوند نے یہ بات آ کر اپنی بیوی کو بتائی بیوی مسکرا پڑی، خاوند نے پوچھا اس میں مسکرانے والی بات کون سی ہے، وہ کہنے لگی کہ بات یہ ہے کہ میں تین پاروں کی حافظ ہوں جب بھی میں پڑھنے بیٹھتی تھی بچے کو گود میں لے کر بیٹھتی تھی، اور بار بار تین پاروں کی تلاوت کرتی تھی، ان تین پاروں کا نور میرے بیٹے کے سینے میں اتر گیا یہ اس کی برکت ہے، جب یہ مدرسے میں گیا تو تین

پاروں کا حافظہ جلد بن گیا۔

مشتبہ کھانے کا اثر اولاد پر

ایک بزرگ تھے ان کی ساری اولاد بڑی نیکوکار تھی، لیکن ان میں سے ایک بچہ بہت ہی نافرمان اور بے ادب قسم کا تھا، اللہ والے ان کے وہاں مہمان آئے، انہوں نے یہ فرق دیکھا تو اس بزرگ سے پوچھا کہ آخر یہ کیا وجہ ہے یہ بچہ کیوں ایسا نافرمان نکلا، تو وہ بزرگ بڑے آزردہ ہوئے، آنکھوں سے آنسو آ گئے فرمانے لگے کہ یہ اس کا قصور نہیں یہ میرا قصور ہے ایک مرتبہ گھر میں فاقہ تھا اور ہمارے گھر میں شاہی عورتوں کا بچا ہوا کھانا آ گیا کسی نے ہدیہ تحفہ کے طور پر بھیجا تھا، عام طور پر تو میں ایسے کھانے سے پرہیز کرتا ہوں، لیکن بھوک کی وجہ سے اس دن میں نے وہی کھانا کھا لیا پھر وہی رات تھی کہ ہم میاں بیوی نے ملاقات کی اور اللہ نے اسی رات بچے کی بنیاد رکھی یہ اس مشتبہ کھانے کا اثر ہے کہ ہمارا یہ بچہ نافرمان نکلا۔

بچے کی تربیت کا عبرت آمیز واقعہ

ایک بچہ اسکول میں پڑھتا تھا اور یہ سچا واقعہ ہے اس کو اسلامیات کے ٹیچر نے نظم سکھائی، وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا، مرادیں غریبوں کی برلانے والا، وہ بچہ جب بھی پڑھتا تو وہ پڑھتا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے
مرادیں غریبوں کی برلانے والے

استاذ نے کئی مرتبہ کہا کہ شاعر نے والا لکھا ہے مگر وہ اسی طرح پڑھتا، استاذ نے کہا اچھا اب وہ اس غلطی کو ٹھیک کر لے گا، لیکن بچے نے جب Funcation Annual کے اوپر وہ نعت سنائی تو بچے نے والے پڑھا، ڈپٹی کمشنر آیا ہوا تھا اس نے اپنے

صدارتی خطبے میں کہا کہ آج کل استاذ بچوں کا خیال نہیں کرتے یہ دیکھو اسلامیات کے ٹیچر نے بچے کو نعت یا نظم پڑھائی اور بچے نے والا نہیں اور والے کہا، استاذ کو پتہ نہیں شاعر نے کیا لکھا لڑکا کیا پڑھ رہا ہے، چنانچہ استاذ کی بے عزتی ہوئی، پورے مجمع کے اندر انسلٹی ہوئی، حالانکہ اس نے تو نشاندہی کر دی تھی، اس نے کہا اس بچے نے میری بات نہیں مانی اور مجھے سب کے سامنے رسوا کر دیا۔

چنانچہ سال مکمل ہوا اگلے سال کی کلاسوں میں بچے چلے گئے، عجیب اللہ کی شان دیکھئے اس بچے کی کلاس کے ابتدائی دن تھے، ان کا ایک دن، Mathematic کا ٹیچر نہیں آیا تھا ایک پیریڈ، Recess سے پہلے تھا Half time سے پہلے تھا، ایک پیریڈ Half time، کے بعد تھا، چنانچہ ہیڈ ماسٹر نے دیکھا، Staff Room میں اسلامک اسٹڈیز کے ٹیچر فارغ ہیں، ان کا پیریڈ خالی تھا انہوں نے اسکو کہا آپ فلاں کلاس میں چلے جائیں، آج ان کے ٹیچر نہیں آئے، آج تو ابھی ایڈمشن کا پہلا دن ہے، ان کے پاس کتابیں بھی نہیں ہیں، آپ ان سے پیار و محبت کی باتیں کرتے رہیں، بچوں کا وقت گزر جائیگا یہ شور نہیں کریں گے، چنانچہ اسلامیات کے ٹیچر آ گئے وہ کہنے لگے کہ بھئی میں کچھ باتیں آپ کو سناؤں گا، پھر آپ سے چھوٹے چھوٹے Question پوچھوں گا، آپ جواب دے دینا ہمارا وقت اچھا گزر جائیگا، لڑکے آمادہ ہو گئے پہلے استاذ نے کافی باتیں سنائیں، جب تھک گئے تو انہوں نے چھوٹے چھوٹے سوالات شروع کر دیے کسی سے کچھ پوچھا کسی سے کچھ پوچھا جب اس لڑکے کی باری آئی تو استاذ نے پوچھا یہ بتاؤ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کیا ہے؟ یہ لڑکا اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اس کا نام احمد تھا اس نے کوئی جواب نہ دیا استاذ نے پوچھا کہ بتاؤ نام کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پھر چپ رہا، استاذ نے دل میں سوچا اس نے پہلے بھی میری Public Insult کروادی تھی اب پھر پوری کلاس کے اندر میں پوچھ رہا ہوں تو جواب نہیں دیتا، مجھے لگتا ہے کہ یہ لڑکا بڑی ضدی قسم کا لڑکا ہے، چنانچہ استاذ نے

ڈنڈا ہاتھ میں لیا قریب آ گیا کہنے لگا تمہیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے ؟لڑکے نے سر ہلا کر کہا جی ہاں، پوچھا پھر بتاتے کیوں نہیں؟ لڑکا چپ ہو گیا، استاذ نے کہا میں تمہاری پٹائی کروں گا تم نام کیوں نہیں بتاتے لڑکا خاموش ہے، ساری کلاس کے لڑکے حیران ہیں کہ یہ تو اتنا نیک اور دینی علم رکھنے والا ہے یہ کیوں نہیں بتا رہا، استاذ کو غصہ آیا بار بار پوچھنے پر بھی بچے نے نہ بتایا استاذ نے اس کے دو چار ڈنڈے لگائے تھپڑ لگائے بچے کو کبھی مار نہیں پڑی تھی پہلی مرتبہ کلاس میں پٹائی ہوئی تو بچہ رونے لگا، آنسو آنے لگے، ابھی مار پڑ رہی تھی اتنے میں Half time کی گھنٹی بج گئی، چنانچہ استاذ کہنے لگے اچھا میں اگلے پیریڈ میں آ رہا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے نام نہیں بتاتے؟ میں تمہاری ضد کو توڑ کر دکھاؤں گا۔

استاذ تو غصے میں یہ کہہ کر چلے گئے لیکن کچھ بچے ایسے تھے جو اس کے دوست تھے وہ اس کے قریب بیٹھ گئے، اور وہ غمزدہ نظر آ رہے تھے اس بچے کو تو کبھی مار نہیں پڑی تھی، یہ کلاس میں، First آنے والا بچہ تھا، آج مار پڑی، بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا، تھپڑ لگے تھے، ڈنڈے لگے تھے، آنسو پوچھ رہا تھا، مگر کسی سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا، کچھ دیر کے بعد یہ احمد اٹھا اور باہر گیا، Wash basin کے اندر جا کر اپنے چہرے کو دھویا Fresh up ہو گیا اور آ کر کلاس کے اندر بیٹھ گیا Half time کے بعد یہ Fresh up اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

ساری کلاس بیٹھ گئی جب دوبارہ پیریڈ لگا استاذ دوبارہ آئے اپنا ڈنڈا لہراتے ہوئے انہوں نے کہا احمد کھڑے ہو جاؤ، احمد کھڑا ہو گیا، انہوں نے پوچھا بتاؤ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کیا ہے؟ احمد نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، استاذ خوش ہو گئے، کہنے لگے: تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ لڑکا پھر خاموش ہے، پھر پوچھا کہ بتاؤ پہلے کیوں نہیں بتا رہے تھے، لڑکا پھر خاموش ہے، اب استاذ سمجھ گئے کہ اس کے اندر کوئی راز ہے، استاذ قریب آئے اور قریب آ کر انہوں نے بچے کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا، اسکو اپنے سینے سے لگایا رخسار کا بوسہ لیا تم میرے شاگرد ہو میرے بیٹے کے مانند ہو،

میں نے تمہیں کہا تھا، وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا پڑھنا، تم نے وہاں بھی والے پڑھا تھا اور اب بھی تم نے نام نہیں بتایا، آخر وجہ کیا ہے؟ جب بچے کو پیار ملا استاذ نے پیار سے بوسہ لیا، بچے نے پھر بلک بلک کر رونا شروع کر دیا، استاذ نے تسلی دی اور اس کو پیار دیا، بیٹے رو نہیں بتاؤ کیا وجہ ہے؟ جب بچے کی ذرا طبیعت ٹھیک ہوئی وہ کہنے لگا کہ اصل بات یہ ہے میرے والد دنیا سے فوت ہو گئے، ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی، وہ مجھے نصیحت کیا کرتے تھے کہ بیٹے تم کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے ادبی سے نہیں لینا، اس لئے والا کے بجائے میں نے والے کہا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے
مرادیں غریبوں کی برلانے والے

اور استاذ نے پوچھا نام کیوں نہیں بتایا؟ کہنے لگا میرے ابو مجھے کہا کرتے تھے، بیٹا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کبھی بھی بے وضو نہیں لینا، میرا اس وقت وضو نہیں تھا، آپ کی مار میں نے کھالی، آپ میری ہڈیاں بھی توڑ دیتے، میں مار تو کھا لیتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے وضو نہ لیتا، اب میں Half time کے اندر وضو کر کے آیا ہوں آپ نے پوچھا میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بتا دیا۔

ہر واقعہ بے مثال ۹۹ بحوالہ بچوں کا اسلام

ایک سلیقہ مند بچہ کا جواب

ہمارے ایک دوست کسی عالم کے گھر گئے انہوں نے اپنے ایک بیٹے کو جن کی عمر آٹھ یا نو سال تھی ان کی خدمت میں لگا دیا، وہی ان کا بڑا بیٹا تھا وہ بچہ اتنا سلیقہ مند تھا کہ جب اس مہمان کے سامنے دستر خوان لگاتا برتنوں کے کھٹکنے کی آواز نہیں آتی اتنے پیار سے وہ برتن رکھتا اور اٹھاتا، اتنے سلیقے سے کام کرتا کہ ہمارے وہ دوست اتنے متاثر ہوئے

جب وہ نہانے کے لئے جاتے باہر نکلتے تو ان کے جوتے پالش ہے ان کے کپڑے استری ہے ہر چیز ان کی موقع بموقع تیار ہوتی وہ حیران ہوتے کہ چھوٹے سے بچے کو خدمت کا ایسا ڈھنگ کس نے سکھایا چنانچہ ان کا جی چاہا کہ میں بچے سے بات کروں، لیکن بچہ ان کے پاس آتا اور جو ضرورت کی چیز ہوتی وہ رکھتا اور فوراً واپس چلا جاتا فالتو کچھ دیر بھی ان کے پاس نہیں بیٹھتا تھا، انہوں نے سوچا کہ اب اگر آیا تو میں اس سے پوچھوں گا کہ ماں باپ نے اسکی تربیت کیسے کی، وہ فرماتے ہیں کہ جب بچہ اگلی مرتبہ میرے پاس آیا اور اپنا کام کر کے جانے لگا تو میں نے اسے روکتے ہوئے کہا کہ بچہ تم سب سے بڑے ہو مقصد میرا پوچھنے کا یہ تھا کہ اولاد میں یہی پہلا بیٹا تھا تو میں نے ان سے یہ پوچھا کہ بچے تم سب سے بڑے ہو تو جیسے میں نے پوچھا وہ بچہ اتنا پیارا تھا اتنا مؤدب تھا کہ وہ میری بات سن کر تھوڑا سا شرما گیا، پیچھے ہٹا اور کہنے لگا انکل سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ سب سے بڑے ہیں، ہاں بہن بھائیوں میں میری عمر زیادہ ہے، وہ کہنے لگے مجھے شرم کی وجہ سے رونا آ گیا کہ عمر میں میں اتنا بڑا ہوں اور میں اس نقطے تک نہ پہنچ سکا اور اس بچے کی سوچ کتنی اچھی ہے اس نے Point Pick up کر لیا میرا فقرہ تھا کہ تم سب سے بڑے ہو بچہ جواب دیتا ہے کہ انکل اللہ سب سے بڑے ہیں ہاں بہن بھائیوں میں عمر میری زیادہ ہے۔

ضد کا علاج کیسے کیا؟

حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ والدہ نے دودھ دیا ہم دو بھائیوں کو، ایک میرا بڑا بھائی تھا اور ایک میں تھا، تو میں ضد کرنے لگا کہ پہلے میں پیوں گا، چونکہ والدہ نے گلاس بھائی کے ہاتھ میں دیا تھا، اسلئے بھائی نے کہا کہ نہیں پہلے میں نے ہی پینا ہے، اب میں جتنا رو رہا ہوں ضد کر رہا ہوں، بھائی کہتا ہے ہرگز نہیں میں پہلے پیوں گا، کہنے لگے: جب میں زیادہ رویا دھویا اور ادھم مچایا تو بھائی نے غصے میں آ کر اپنا بھی دودھ پیا اور میرے حصے کا بھی دودھ پی لیا اور خالی گلاس ایک طرف کو رکھ دیا کہ اب تمہیں دودھ ملنا ہی

نہیں، فرماتے ہیں کہ ایسا یہ واقعہ میرے ذہن پر نقش ہوا کہ اس کے بعد پوری زندگی میں نے کبھی بھی ضد نہ کی، یہ سوچتے ہوئے کہ ضد کرنے سے تو انسان اپنے حصے سے بھی محروم ہوجایا کرتا ہے۔

باپ نے حق ادا نہ کیا

ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کے سامنے ایک باپ اپنے بیٹے کو لایا، بیٹا جوانی کی عمر میں تھا مگر وہ ماں باپ کا نافرمان بیٹا تھا اس نے آ کر حضرت عمرؓ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے مگر میری کوئی بات نہیں مانتا نافرمان بن گیا ہے، آپ اسے سزا دیں یا مجھے سمجھائیں، حضرت عمرؓ نے جب باپ کی یہ بات سنی تو بیٹے کو بلا کر پوچھا کہ بیٹا بتاؤ کہ تم اپنے باپ کی نافرمانی کیوں کرتے ہو تو اسکے بیٹے نے آگے سے پوچھا کہ امیر المومنینؓ: کیا والدین کے ہی اولاد پر حق ہوتے ہیں، یا کوئی اولاد کا بھی ماں باپ پر حق ہوتا ہے، اولاد کے حق بھی ماں باپ پر ہوتے ہیں، اس نے کہا کہ میرے باپ نے میرا کوئی حق ادا نہیں کیا، سب سے پہلے اس نے جو ماں چنی وہ ایک باندی تھی جس کے پاس کوئی علم نہیں تھا، نہ اس کے اخلاق ایسے نہ علم ایسا، اس نے اس کو اپنایا اور اس کے ذریعہ سے میری ولادت ہوگئی، تو میرے باپ نے میرا نام جعل رکھا جعل کا لفظی مطلب گندگی کا کیڑا ہوتا ہے، یہ بھی کوئی رکھنے والا نام تھا، جو میرے ماں باپ نے رکھا پھر ماں کے پاس چونکہ دین کا علم نہیں تھا، اس نے مجھ کو کوئی دین کی بات نہیں سکھائی، اور میں بڑا ہوکر جوان ہوگیا، اب میں نافرمانی نہیں کروں گا تو کیا کروں گا؟۔

حضرت عمرؓ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ بیٹے سے زیادہ تو ماں باپ نے اس کے حقوق کو پامال کیا، اس لئے اب یہ بیٹے سے کوئی مطالبہ نہیں کرسکتے، آپ نے مقدمہ کو

خارج کردیا۔

(تربیۃ الاطفال فی الحدیث الشریف ۱۴۳-دائرۃ معارف الأسرۃ المسلمۃ ۶۷/۲۲۲-موسوعۃ الدین النصیحۃ ۳/۸۰-تربیتی بیانات ۱۵۳)

بری اولاد بددعا کرنے لگی

ایک آدمی کے یہاں اولاد نہیں تھی وہ مکہ مکرمہ میں رہتا تھا بڑی دعائیں مانگتا تھا کسی نے اسے کہا کہ مقام ابراہیم پر جاکر دعائیں مانگو، اللہ تعالی تمہیں اولاد عطا فرمادیں گے، لیکن اس بے چارے کو یہ سمجھ نہیں تھی کہ میں نے نیک اولاد مانگنی ہے، چنانچہ وہ مقام ابراہیم پر گیا اور وہاں جاکر اس نے دو رکعت نفل پڑھ کر کھڑے ہوکر دعا مانگی، اے اللہ مجھے بیٹا دے دے اب چونکہ بیٹا کی دعا مانگی اللہ نے دعا تو قبول کرلی لیکن بیٹا نافرمان نکلا، جیسے ہی اس نے جوانی میں قدم رکھا اس نے عیاشی والے کام کرنے شروع کردیئے، لوگوں کی عزتیں خراب کرنے لگا، ماحول کے اندر معاشرے کے اندر اس کی وجہ سے بہت پریشانی آگئی لوگ اس کو برا سمجھتے اور اس کی وجہ سے ماں باپ کو بھی برا کہتے، حتی کہ اس نوجوان نے ایسے بدمعاشی کے کام کیئے کہ ماں باپ کانوں کو ہاتھ لگاتے، باپ بڑا پریشان ہوا بچے کو سمجھاتا، اس کے کان پر جونہ رینگتی، اس کو تو جوانی کا نشہ چڑھا ہوا تھا، وہ بات کو ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا بری صحبت میں پڑ چکا تھا، برے کاموں کی لذت اس کو پڑ چکی تھی، اس لئے وہ اپنی مستیوں میں لگا رہتا اب جتنا بھی سمجھاتا بچہ بات ہی نہ سنتا، حتی کہ باپ نے ایک دن اس کو بلاکر اچھی طرح ڈانٹا تاکہ اس کو کچھ تو سمجھ آئے اب سوچئے باپ نے ڈانٹ پلائی سمجھانے کی خاطر، اصلاح کی خاطر، لیکن نوجوان آگے سے غصے میں آگیا، کہ تم نے مجھے ایسی ایسی باتیں کیں اور وہ وہاں سے نکلا اس نوجوان نے بھی سنا ہوا تھا کہ فلاں جگہ جاکر دعائیں کریں تو قبول ہوتی ہے غصے میں

آ کر وہ نوجوان بیت اللہ شریف کی طرف آیا اور مقام ابراہیم پر جہاں سے پہلے باپ نے بیٹے کے پیدا ہونے کی دعائیں کی تھیں، اسی جگہ پر کھڑے ہو کر نوجوان نے اپنے باپ کے مرنے کی دعا کی۔

اولاد پر ماں کی ممتا

ایک دیہاتی علاقے میں بوڑھے ماں باپ تھے، اللہ نے بڑھاپے میں ان کو اولاد عطا کردی، بچے کو انہوں نے پڑھایا، بچہ ذہین تھا، حتی کہ وہ بچہ پڑھ لکھ کر انجینئر بن گیا، اب جب وہ انجینئر بنا تو شہر کے اندر اسکو بڑی اچھی نوکری مل گئی، کوٹھی مل گئی، کار مل گئی، اس نے ماں باپ کو کہا: جی آئیں! میرے ساتھ شہر میں رہیں، وہ بیٹے کے پاس شہر میں آگئے، ماں باپ چونکہ دیہات میں رہنے کے عادی تھے، رشتہ داریاں وہیں تھیں اور آزاد فضا تھی اور وہ اس ماحول میں ارجیسٹ ہو چکے تھے، وہ کچھ دن تو شہر میں رہے لیکن رشتہ داروں کی خوشی غمی میں بار بار گاؤں جانا پڑتا تھا، تو ماں باپ نے کہا کہ بیٹے! ہم سے بار بار یہ سفر نہیں ہوتے، ہمیں آپ وہیں دیہات میں رہنے دو، آپ نے اگر رہنا ہے تو آپ شہر میں رہ لو، آتے رہنا، ہم سے ملتے رہنا۔

چنانچہ اس طرح بیٹے نے شہر میں رہنا شروع کر دیا، کچھ عرصے کے بعد اس نے سوچا کہ بھئی اب ہر طرح سے میں سیٹ تو ہو ہی چکا ہوں تو مجھے شادی کر لینی چاہئے، شہر کے ایک بڑے معزز گھرانے کی ایک خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی کا پتہ چلا، اس نے ان کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا، ماں باپ سے پوچھا، ماں باپ نے کہا کہ بیٹے! زندگی آپ نے گزارنی ہے جہاں آپ خوش ہوں گے وہی ہم بھی خوش ہوں گے اس کی شادی بھی ہوگئی۔

اب شادی کے بعد یہ اپنی بیوی کو گھر لے کر آیا، تو بیوی کچھ عرصہ تو اس کے ماں باپ کو ملنے دیہات میں جاتی رہی، پھر جب بچوں کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں تو آنا جانا بھی مشکل ہو جاتا ہے، ماں باپ اس بچے کو کہتے کہ آپ ہمارے پاس ہفتے میں ایک دفعہ

آ کر مل جایا کرو، یہ ایک دفعہ ملنے چلا جاتا، اب بندہ ہے، کئی دفعہ پلاننگ کی کہ میں دو گھنٹے میں آ جاؤں گا اور دو گھنٹے کی جگہ چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں، تو جب اس طرح ذرا دیر ہونی شروع ہوئی تو بیوی کو بھی برا لگا، وہ پھر بولنا شروع ہوگئی، جیسے عورتوں کی ایک لینگویج ہوتی ہے، اب یہ نوجوان شریف النفس تھا، اپنی بیوی کو سمجھاتا، وہ بھی امیر گھرانے کی تھی، اور آگے سے بات کو بڑھا دیتی تھی، خواہ مخواہ کا بحث مباحثہ آپس میں ہو جاتا، اور یہ ہر ہفتے کا مسئلہ ہوتا، دو چار سال گزر رے، تو اب بیوی جو تھی وہ ماں باپ کے پاس جانے سے الرجک ہوگئی، جب یہ جانے لگتا تو وہ ہنگامہ کر دیتی، یہ پریشان کہ وہاں نہ جاؤں تو ماں باپ ناراض اور اگر جاؤں تو یہاں بیوی ناراض، سوچتا تھا کہ میں کیسے اس مصیبت سے جان چھڑاؤں؟ اتنے میں اس کو سعودی عرب سے ایک جاب (آفر) آ گئی، بہت معقول پیکج تھا، اس نے ماں باپ کو جا کر بتایا کہ مجھے تو سعودی عرب میں نوکری مل رہی ہے، ماں باپ بڑے خوش ہوئے، بیٹے! ہمارا اللہ حافظ ہے تم اس دیش میں جاؤ گے، اللہ کا گھر دیکھو گے، بیٹے! ہمارے لئے یہی خوشی کافی ہے، ماں باپ نے اجازت دے دی، یہ بیوی بچوں کو لے کر مکہ مکرمہ آ گیا، اس زمانے میں ٹیلیفون تو زیادہ ہوتے نہیں تھے، بس حج عمرے پر جو لوگ آتے تھے انہیں کے ذریعہ پیغام رسانی ہوتی تھی، یا کوئی چیز ایک دوسرے کی پہنچا دی جاتی تھی، چنانچہ یہ نوجوان شروع میں ان کے لئے خرچہ بھی بھیجتا رہا اور کبھی کبھی صحت خوشی کے پیغام بھی بھیجتا رہا، لیکن تیرہ سال یہ وہیں پر رہا اور اپنے والدین کی طرف واپس نہ آ سکا، نیک تھا، ہر سال حج کرتا تھا، ایک مرتبہ حج کے دوسرے تیسرے دن یہ مطاف میں کھڑا تھا، بیت اللہ کے سامنے زار و قطار رو رہا تھا، کسی اللہ والے نے دیکھا، پوچھا نوجوان! کیا ہوا؟ کہتا ہے کہ مجھے تیرہ سال ہو گئے ہیں، ہر دفعہ میں حج کرتا ہوں لیکن حج کے دو تین دن کے بعد میں خواب دیکھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے ''تیرا حج قبول نہیں'' اور میں پریشان ہوں کہ پتہ نہیں کون سی مجھ سے ایسی غلطی ہوتی ہے کہ میرا حج اللہ کی بارگاہ میں قبول ہی نہیں؟ وہ اللہ والے تھے، بندے کی نبض

پہنچانتے تھے، انہوں نے دو چار باتوں میں گیس کرلیا، کہ اس نے تیرہ سال سے ماں باپ کو شکل ہی نہیں دکھائی، انکے پاس گیا ہی نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ بوڑھے ماں باپ اس پر خفا ہوں گے، انہوں نے بات سمجھائی کہ بیٹے! جاؤ! ماں باپ زندہ ہیں ان کی خیر خبر لو، پھر واپس آنا، خیر یہ آیا اور آ کر فوراً ٹکٹ بک کروالی، بیوی نے کچھ آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوشش کی، مگر یہ نوجوان بھی سیریس تھا اس نے اس کو بھی شیر کی آنکھیں دکھائی، جب بیوی نے دیکھا کہ بہت سیریس نظر آتا ہے تو چپکے سے ڈر کے مارے بھیگی بلی بن کر بیٹھ گئی۔

خیر اس نے تیاری کی اور واپس اپنے ملک آیا، اب جب وہ اپنے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نوجوان کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ میرے ماں باپ اس وقت زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ اب یہ سوچ رہا ہے کہ پتہ نہیں میرے ماں باپ کس حال میں ہیں؟ تیرہ سال گئے ہوئے ہو گئے تھے، اس کو ایک نو دس سال کا لڑکا ملا، اس نے اس سے پوچھا کہ وہ فلاں بڑے میاں کا کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ بڑے میاں تو چھ مہینے ہوئے فوت ہو گئے، البتہ وہ بوڑھی عورت زندہ ہے، گھر میں ہے اور بڑی بیمار ہے، میں نے سنا ہے کہ ان کا ایک بیٹا ہے جو سعودی عرب گیا ہوا ہے، پتہ نہیں وہ کیسا نامعقول بیٹا ہے جو اپنے ماں باپ کی خبر ہی نہیں لیتا، بچہ بات کر کے چلا گیا لیکن اس نوجوان کے دل کی تار کو چھیڑ گیا، اب اسکو احساس ہوا، اوہو! والد دنیا سے چلے گئے، میں نے آخری وقت میں ان کی شکل ہی نہیں دیکھی، اب تو امی مجھ سے ناراض ہوگی اور امی تو میرا چہرہ نہیں دیکھے گی، امی تو مجھے گھر سے ہی نکال دے گی، میرے ساتھ بات ہی نہیں کریگی، اب یہ سوچ رہا ہے کہ میں امی کو کیسے مناؤں گا؟ مغموم دل سے گھر کی طرف جا رہا تھا، بالآخر جب اس نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر دیکھا، تو دروازہ کھلا ہوا تھا کواڑ ملے ہوئے تھے اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا، اندر داخل ہوا، کیا دیکھتا ہے کہ صحن میں چارپائی کے اوپر اس کی بوڑھی بیمار والدہ لیٹی ہوئی ہے، ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی، وہ چارپائی کے ساتھ لگی ہوئی تھی، اس کو خیال آیا کہ کہیں امی

سو رہی ہو تو پہلے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب جاتا ہوں چونکہ اس کی والدہ کی آنکھوں پر موتیا آچکا تھا، جب وہ دبے پاؤں بالکل قریب پہونچا تو وہ حیران ہوا کہ اس کی والدہ کے اس وقت ہاتھ اٹھے ہوئے تھے اور وہ کچھ الفاظ کہہ رہی تھی، گویا اللہ تعالی سے دعا مانگ رہی تھی اس نے جب قریب ہوکر سنا تو ماں یہ الفاظ کہہ رہی تھی، اے اللہ! میرا خاندان دنیا سے چلا گیا، میرا ایک ہی بیٹا ہے جو میرا محرم ہے اللہ! اسے بخیریت واپس پہنچا دینا تا کہ اگر میری موت آئے تو مجھے قبر میں اتارنے والا کوئی تو میرا محرم موجود ہو، ماں یہ دعائیں مانگ رہی ہے اور بیٹا سمجھتا ہے کہ ماں مجھے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریگی، اس نے جب ماں کے یہ الفاظ سنے اس نے فورا کہا: امی! میں آ گیا ہوں، تو ماں چونک اٹھی، آواز سنتے ہی بولی: میرے بیٹے! آ گئے، جی امی! میں آ گیا ہوں، ماں کہنے لگی: بیٹے! ذرا قریب ہو جانا، میں تمہاری شکل تو دیکھ نہیں سکتی، مجھے اپنا بوسہ ہی لینے دو مجھے اپنی جسم کی خوشبو سونگھنے دو، یہ ماں کی محبت ہوتی ہے، خیر یہ بیٹا دو چار دن وہاں رہا، اللہ کی شان کہ ماں بیمار تھی، چند دنوں میں فوت ہو گئی، اس نے اپنی والدہ کو دفنایا کفنایا اور اس ذمہ داری سے فارغ ہو کر کچھ عرصے کے بعد واپس مکہ مکرمہ آ گیا۔

بغیر اطلاع گھر آنے کا انجام

امریکہ کے ایک صاحب نے کئی سال بعد گھر واپس آنے کا پروگرام بنایا، شیطان نے اس کے ذہن میں یہ تجویز ڈالی کہ اہل خانہ کو اطلاع نہ دو، اچانک پہنچ کر حیران کرو، چنانچہ انہوں نے جہاز کا ٹکٹ خریدا، دفتر سے چھٹی لے کر پاکستان پہنچے، اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے استقبال کے لئے تو کوئی نہیں تھا، ان صاحب نے ٹیکسی کرایہ پر لی، چونکہ گھر شہر سے چند میل دور تھا اہل خانہ کے لئے تحفے تحائف وغیرہ خرید کر لائے تھے تو سامان کافی زیادہ تھا، انہیں اکیلا دیکھ کر اور سامان کی زیادتی کو دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور کی نیت بدل گئی، چنانچہ

ویرانے میں ایک جگہ ٹیکسی ڈرائیور نے اسکو قتل کر دیا اور لاش زمین میں دفن کر دی، جب کئی مہینے گزر گئے تو دفتر والوں نے اس کے دوست احباب سے رابطہ کیا کہ فلاں آدمی دفتر سے چھٹی لے کر گیا تھا مگر واپس نہیں آیا، دوستوں نے گھر فون کیا، تو اہل خانہ نے کہا کہ وہ تو یہاں آیا ہی نہیں، تب ایک ہنگامہ کھڑا ہوا، مگر ''اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیا چگ گئیں کھیت'' کاش کہ وہ اسلامی آداب سفر کا خیال کرتے تو اہل خانہ کو غم کی بجائے خوشی نصیب ہوتی۔

اے عمرؓ! آپ نے تین غلطی کی

سیدنا عمرؓ کی عادت مبارکہ تھی، رات کو آپ چکر لگاتے تھے، دیکھتے تھے کہ رعایا کس حال میں ہے، امیر المومنین تھے، ذمہ داری بھی بنتی تھی، چنانچہ آپ ایک مکان کے قریب سے گزرے اس میں کچھ روشنی نظر آئی کچھ باتوں کی آواز سنائی دی، آپ کو محسوس ہوا یہاں نارمل لائف نہیں ہے۔

Something is Seriously wrong Somewhere

کہیں ضرور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے، آپ کھڑے ہو کر دیکھتے سوچتے رہے، پھر اندر سے کبھی قہقہوں کی آواز آتی، کبھی کسی مرد اور عورت کی آواز آتی حتی کہ آپ کی بصیرت نے یہ کہا کہ اندر کوئی گناہ ہو رہا ہے، دروازہ بند تھا، عمر فاروقؓ نے، حمیت اسلامی دل میں بہت تھی، چنانچہ انہوں نے کیا کیا کہ دیوار کے اوپر چڑھ گئے، جب دیوار کے اوپر چڑھ کر انہوں نے گھر کے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک مرد تھا اور ایک عورت تھی وہ عورت اس کی بیوی نہیں تھی بلکہ اس عورت کو اس نے گناہ کے لئے رات کو اپنے پاس بلایا تھا، عمر فاروقؓ نے جب اس کو دیکھا تو اس کو دور سے کہا او زنا کرنے والے! اللہ سے خوف کر، اللہ سے ڈر! جب آپ نے اس کو یہ کہا تو اس نے آگے سے جواب دیا کہ اے امیر المومنین! میں نے ایک گناہ کیا اور آپ نے تین گناہ کئے، پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس نے

کہا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا، ولا تجسسوا (تم تجسس نہ کرو) آپ نے تجسس کیا اور میرے بند گھر کے اندر مجھے دیکھا، دوسری بات کہ قرآن مجید نے کہا کہ، واتوا البیوت من ابوابھا (کہ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو) اور آپ دروازے کے بجائے دیوار پر چڑھ کر دیکھ رہے ہیں، قرآن مجید نے کہا، لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا (کہ تم بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور اہل خانہ کو سلام کر کے گھر میں داخل ہو) اور آپ نے اس کے بغیر مجھ سے گفتگو کی، جب اس نے یہ کہا تو سیدنا عمرؓ کو بھی یہ ہوا کہ اس نے جو یہ تین باتیں کی ہیں، ہیں تو یہ سچی، تو عمرؓ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو سچی توبہ کا وعدہ کرے تو میں اس گناہ کو معاف کرنے کا وعدہ کرتا ہوں، چنانچہ اس نے سچی توبہ کی کہ میں آج کے بعد اس گناہ کا مرتکب نہیں ہوں گا، عمرؓ نے کہا اچھا تم میری غلطی کو معاف کر دو اور یہ کہہ کر پھر آپ وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔

(مکارم الاخلاق للخرائطی ۱/۴۴۴-الاوائل للعسکری ۴۳-حیاۃ الصحابہ ۳/۲۷۵)

شیطان کا شہد اور راکھ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا، اس کے پاس دو چیزیں تھیں، میں نے اس سے کہا کہ اے بدمعاش! یہ کیا دو چیزیں لئے پھرتا ہے؟ کہنے لگا کہ ایک بوتل میں شہد ہے اور ایک چیز میں راکھ ہے، میں نے کہا کہ تجھے اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ کہنے لگا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں ان کے ہونٹوں پر شہد لگاتا ہوں تو ان کو غیبت کرنے میں مزہ آتا ہے، لگے رہتے ہیں غیبت کرتے رہتے ہیں، تو جب بھی محفل میں غیبت ہو رہی ہو آپ یہی سوچا کریں کہ اب اس وقت شیطان ہمارے ہونٹوں پر شہد لگا رہا ہے، اور ہمیں غیبت کرنا بڑا اچھا لگ رہا ہے، میں نے کہا کہ اچھا راکھ کس لئے لئے پھر رہے ہو؟ تو اس نے کہا: اس راکھ کو میں یتیم کے چہرے پر مل دیتا ہوں تو دیکھنے والے اسکو

حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، محبت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور اللہ کی رحمت سے خود محروم ہو جاتے ہیں...... لہٰذا کسی یتیم کو حقارت سے نہ دیکھیں، بلکہ محبت وشفقت کے ساتھ دیکھیں۔

یورپ میں بچوں کا برتاؤ

چنانچہ ایک مرتبہ امریکہ میں ہم سفر کر رہے تھے، ایک بوڑھی خاتون قریب آئی اور پوچھنے لگی: کیا آپ مسلمان ہیں؟ جواب دیا: جی ہاں، اس نے کہا: میں نے سنا مسلمان اپنے وعدے میں بڑے پکے ہوتے ہیں، ہم نے کہا: کہ بالکل آپ نے صحیح بات سنی، اس نے کہا: پھر آپ بھی میرے ساتھ ایک وعدہ کریں، میں نے کہا کہ بھئی کیوں وعدہ کریں؟ اس نے کہا: بس آپ میرے ساتھ وعدہ کریں، پوچھا کیا چاہتی ہو؟ اس نے جواب دیا: میں بوڑھی عورت ہوں، میرے بیٹے بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں، مگر وہ سب جوان ہو چکے، اب کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ مجھے دن میں ایک منٹ کے لئے ملنے آ جائے، میں اپنے گھر میں اکیلی رہتی ہوں، اور تنہائی کی وحشت سے تنگ آ گئی ہوں، یوں لگتا ہے کہ ذہنی مریضہ بن جاؤں گی، سارا دن میں گھر کی دیواروں کو تکتی رہتی ہوں، کوئی مجھے فون کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی میرا حال پوچھنے والا نہیں ہوتا، میں کھاؤں نہ کھاؤں، رات کو نیند آئے یا نہ آئے، جیوں یا مروں، میرے ساتھ کسی کو کوئی دلچسپی نہیں، مجھے زندگی کا کوئی مقصد نظر نہیں آ رہا، آپ ایک کام کریں کہ جہاں کہیں بھی ہوں دن میں ایک منٹ کے لئے مجھے ٹیلیفون کر کے صرف اتنا پوچھ لیا کریں کہ آپ خیریت سے ہیں، ٹیلفون کا بل میں ادا کروں گی مگر اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سارا دن انتظار تو رہیگا نا کہ مجھے ایک بندے کی کال آئیگی، اس دن احساس ہوا کہ یا اللہ دین اسلام سے ہٹ کر جو لوگ زندگیاں گزار رہے ہیں، وہ کتنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔

عبادات و ریاضت

اطاعت نبوی کی حیرت انگیز مثال

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت تو پہلے ہی سے اداس تھی، کئی سالوں سے بیت اللہ شریف سے بچھڑے ہوئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اپنا خواب بتایا، پھر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے عمرہ کرنے کی تیاری کرلی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے اور صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ چلتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے اٹھارہ میل دور حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہؓ موجود تھے۔

ادھر سے قریش مکہ کو پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس طرح آ گئے تو ہماری چودھراہٹ تو ختم ہوجائیگی.... یہ ناک بھی بڑی عجیب چیز ہے، جو کہتے ہیں کہ ہماری ناک کا مسئلہ ہے تو اللہ تعالی ان کی ناک کو موم کی ناک بنادیتے ہیں، اور اللہ تعالی اسے نیچا کرکے دکھاتے ہیں.... چنانچہ قریش مکہ نے کہا: کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اتنے آرام سے آئیں اور عمرہ کرکے چلے جائیں، لہٰذا فیصلہ ہوا کہ اپنے بندوں کو انکے پاس بھیجو اور ان کو وہیں روکو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان غنیؓ کو بھیجا کہ وہ جاکر قریش مکہ سے بات کریں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہم جنگ نہیں چاہتے، بلکہ ہم ایک عبادت کرنا چاہتے ہیں، آپ لوگ مہربانی کریں اور ہمیں عبادت کرنے دیں، لیکن انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کردیا، اسی گفت وشنید میں انہیں کئی دن لگ گئے، اس دوران میں انہوں نے حضرت

عثمان غنیؓ سے کہا کہ اگر آپ طواف کرنا چاہتے ہیں تو آپ کرلیں، ہم آپ کو نہیں روکتے، انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے آقا تو وہاں حدیبیہ میں بیٹھے رہیں اور میں یہاں طواف کرلوں۔

اتنے میں خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کردیا گیا ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کے حکم پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لینا شروع کردی، کہ اب ہم ان کے ساتھ لڑیں گے اور ان کو سبق سکھائیں گے، اس بیعت کو،، بیعت رضوان،، کہا جاتا ہے، وہاں کیکر کا ایک درخت تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نیچے بیٹھ کر یہ بیعت لی، سب صحابہ کرامؓ نے بیعت کی، سب سے پہلے حضرت سنانؓ آگے بڑھے، پھر عبداللہ بن عمرؓ اور پھر باقی صحابہ نے بیعت کی، صحابہ کرامؓ ذہنی طور پر پوری طرح تیار ہوگئے کہ اب ہم نے آگے بڑھنا ہے اور قریش مکہ کے ساتھ نمٹنا ہے۔

جب کافروں کو اس بیعت کا پتہ چلا تو انہوں نے سہیل بن عمرو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، وہ ایسا بندہ تھا جو بڑا باتونی اور سمجھدار قسم کا آدمی تھا، وہ بادشاہوں کے دربار میں آتا جاتا تھا، اسے بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا، وہ بات کا دھنی آدمی تھا اور حالات کی ججمینٹ کرنا جانتا تھا، پہلے اور بھی چند لوگ آئے تھے، لیکن ان کے ساتھ بات آگے نہ بڑھ سکی، جب سہیل آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب سہیل آیا ہے، چنانچہ اب سہولت ہوجائیگی، بالآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل کے درمیان چند شرائط طے پا گئیں، مثال کے طور پر۔

☆ اس سال مسلمان بیت اللہ کی زیارت کئے بغیر واپس چلے جائیں اور اگلے سال آئیں تو ہم ان کو عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں گے۔

☆ قریش مکہ کا کوئی آدمی اگر بھاگ کر مسلمان ہوجائیگا تو وہ اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے اور جو مسلمانوں میں سے بھاگ کر کافر ہوجائیگا اس کو واپس نہیں کیا جائیگا۔

یہ شرائط صحابہ کرامؓ کی سمجھ سے بالاتر تھیں، صحابہ کرامؓ اپنی ایمانی غیرت کی وجہ سے اس سوچ میں تھے کہ ہم ان کے ساتھ اتنا دب کر کیوں صلح کریں، یہ ذرا ہمارے ساتھ لڑائی تو کر کے دیکھیں۔

نہ خنجر اٹھیگا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہم نے بدر واحد میں ان پر ہاتھ کھولا ہوا ہے، ہمیں ان سے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرائط پر آمادہ ہو گئے۔

معاہدہ لکھنے والے حضرت علیؓ تھے، جب انہوں نے شروع میں بسم اللہ لکھی تو اس پر سہیل نے اعتراض کیا کہ.... باسمک اللھم ...لکھیں، خیر انہوں نے یہی لکھ دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ لکھا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے مابین ایک معاہدہ ہے، اس پر اس نے پھر پھڈا ڈالا، وہ کہنے لگا: اگر ہم ان کو رسول مان لیتے تو پھر جھگڑا ہی نہیں تھا، اسلئے محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو ایسے ہی لکھ دو جیسے یہ کہہ رہا ہے، اب حضرت علیؓ کے لئے یہ کام بڑا مشکل تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہو اور اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھا جائے، کیونکہ محبت چیز ہی ایسی ہے، چنانچہ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرا دل نہیں مانتا کہ میں اپنے ہاتھ سے آپ کا نام مٹاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! تم ایسا کرلو، ایک ایسا وقت آئیگا کہ تمہارے ساتھ بھی بالکل یہی صورت حال پیش آئیگی اور تمہیں بھی اپنے نام کے ساتھ لکھا ہوا لفظ کاٹنا پڑیگا (ہو بہو وہی بات ان کے ساتھ جنگ صفین میں پیش آئی)۔

جب یہ معاہدہ لکھ دیا گیا تو اتنے میں سہیل کا اپنا بیٹا ابو جندل وہاں آپہنچا، سہیل نے اس کو اپنے گھر کے اندر باندھا ہوا تھا، اس کو وہ مارا پیٹا کرتا تھا، جب اس کو پتہ چلا کہ

مسلمان اتنے قریب ہیں تو وہ کسی طرح چھپ چھپا کر مسلمانوں کے پاس آ گیا، وہ نوجوان تھا، اس کے پاؤں میں اب بھی بیڑیاں تھیں، جیسے ہی ابو جندل وہاں پہنچا، سہیل کہنے لگا، اگرچہ ابھی ہمارے معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے، طے تو ہو گئے ہیں، لہٰذا ہمیں ابو جندل واپس کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سہیل میری بات مان اور ابو جندل کو میرے پاس رہنے دو، اس نے کہا: پھر ہم معاہدہ ہی نہیں کرتے۔

اب یہاں ایک سبق ہے کہ بعض اوقات بڑے فائدے کی خاطر چھوٹے نقصان کو برداشت کرلیا جاتا ہے، یہ زندگی کے اصول اور کلیات میں سے بھی ہے، جیسے اگر کپڑے کی مارکیٹ میں آدمی لوہے کی بھٹی بنادے، جسمیں خوب دھواں ہوتا ہو اور لوگوں کے کپڑے خراب ہوتے ہو تو حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بھٹی کو زبردستی بند کروائیں کیونکہ اس میں دوسروں کا نقصان ہے۔

اب سہیل کے کہنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو جندل کو واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمادگی کا اظہار کیا تو سہیل اٹھا اور اس نے مسلمانوں کے سامنے ابو جندل کو مارنا شروع کر دیا، وہ تھپڑ مارتا رہا اور ابو جندل روتا رہا، کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس وقت صحابہ کرامؓ کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی، ان کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی۔

اس واقعہ سے صحابہ کرامؓ کے دل اتنے دکھی ہوئے کہ سیدنا عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اتنا دب کر ان سے کیوں معاہدہ کر رہے ہیں؟ اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "انی رسول اللہ ولست اعصی وھو ناصری" (میں اللہ کا رسول ہوں، میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہ میرا مددگار ہے) حضرت عمرؓ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے، پھر سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی بات کی، ابوبکر! ہم اتنا دب کر کیوں صلح کر رہے ہیں؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: عمر! کیا تم جانتے ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے

رسول ہیں؟ جواب دیا جی ہاں۔

سوچ کی وحدت دیکھئے کہ جو جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو دیا تھا، ہو بہو وہی جواب صدیق اکبر نے دیا.... چنانچہ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا کہ تم جو قربانی کے جانور لائے تھے ان کو قربان کر دو اور اپنے احرام اتار لو، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے، کتنا مشکل کام تھا...!!! صحابہ حیران تھے، یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ان کے دل آمادہ ہی نہیں ہو رہے تھے، ان کو رہ رہ کر یہ سوچ آتی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب بھی دیکھا اور پھر ہم اتنا قریب آنے کے باوجود احرام اتار کر واپس چلے جائیں۔

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے میں تشریف لائے اور ان کو صورت حال بتائی کہ یہ میں نے انہیں کہا کہ قربانی کریں اور یہ ابھی کسی سوچ میں بیٹھے ہیں، اب ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے ایک بہت ہی اچھا مشورہ دیا، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے دل میں عمرہ کرنے کا اتنا شوق ہے کہ ان کے دل آمادہ نہیں ہو رہے ہیں، آپ باہر تشریف لے جائیں، ان کے سامنے اپنے جانور کو قربان کر کے احرام اتار دیجئے، جو آپ کریں گے یہ سب وہی کریں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا مشورہ پسند آ گیا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر جانور ذبح کیا اور احرام اتارا تو صحابہ کرامؓ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اسی طرح کیا۔

صحابہ کرامؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو یہ بات مانی تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مطاع بنا دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم“

(میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پا جاؤ گے)

(بخاری شریف ۲۵۲۹-الروض الانف ۴/۴۳ تا ۴/۵۴-امتاع الاسماع ۹/۱۳-سبل الہدیٰ ۵/۵۶-الرحیق المختوم ۳۰۶-اصح السیر ۱۶۶)

جذبۂ جہاد شوق عبادت کی حیرت انگیز مثال

علامہ باقریؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: رومیوں نے چند مسلمان عورتوں کو گرفتار کرلیا، ہارون رشید کا زمانہ تھا، ہارون رشید نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کو تیار کیجئے تا کہ ہم فوج تیار کر کے ان پر حملہ کریں، ایک عالم نے جہاد کی ترغیب دی کہ اللہ کے راستے میں نکلو، اپنی جانوں کو اپنے مالوں کو اللہ کے راستے میں پیش کرو، وہ کہتے ہیں جب میں نے لوگوں کو اللہ کے راستے میں جہاد کی ترغیب دی تو اس کے بعد اپنے گھر کی طرف آنے لگا، راستے میں ایک جوان لڑکی کو انتظار کرتے دیکھا، میں اس کے قریب سے گزرنے لگا، تو اسنے مجھے اپنی طرف کوئی بات کرنے کے لئے متوجہ کیا، میں سمجھا کہ شاید اس کی نیت ٹھیک نہیں تو میں اس سے آگے گزرنے لگا وہ لڑکی کہنے لگی کہ کیا نیک لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی کی بات ہی نہیں سنتے؟ تو پھر میں رک گیا کہ یہ بچی کچھ اچھی بات کرنا چاہتی ہے، میں نے کہا بیٹی! آپ مجھے کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ ہی نے جہاد کے لئے ترغیب دی ہے میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: میری طرف سے یہ رقعہ لے لیں اور یہ تھیلا لے لیں جہاد کے لئے، میں نے جب رقعہ لے کر پڑھا، تو رقعہ پر لکھا ہوا تھا کہ میں اکیلی گھر میں ہوں، جہاد کے لئے خود تو نکل نہیں سکتی، مگر میرے سر کے بال کافی لمبے ہیں، میں نے اپنے سر کے یہ خوبصورت بال کاٹ کر اس تھیلے میں ڈال دئے ہیں، ان بالوں سے کسی ایسے گھوڑے کی لگام بنالیجئے جو اللہ کے راستے میں نکل چکا ہو، وہ کہتے ہیں: میں حیران ہو گیا کہ

عورت میں جہاد کا اتنا جذبہ کہ اپنے سر کے بال کاٹ کر دے دیئے اس گھوڑے کے لئے جو اللہ کے راستے میں نکل چکا ہو۔

گلستان مؤمنات ۱۸

سنت پر عمل کی انوکھی مثال

ایک کتاب میں تو عجیب بات پڑھی، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے:

''جو میرے بس میں سنتیں تھیں، میں نے اس پر عمل کر لیا، ایک سنت کو پورا کرنے کی تمنا تھی، وہ کیا؟ سیدنا حسینؓ چھوٹے تھے، ان کو نبی علیہ السلام نے اٹھایا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسینؓ نے پیشاب کر دیا، اس سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے گیلے ہو گئے، چنانچہ فرماتے تھے کہ اللہ نے بیٹی تو دی ہے، مگر نواسہ نہیں ہے، بڑی تمنا تھی کہ میں بھی اسے اٹھاتا اور میرے بھی کپڑے گیلے ہوتے، مگر نواسہ نہ ہوا، چنانچہ نصیحت فرمائی: اگر میرے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ میری بیٹی کو بیٹا عطا کرے تو اس بچے کو میری قبر پر بٹھا دیا جائے، یہاں تک کہ وہ وہاں پر پیشاب کر دے''۔

حضرت ابن عمرؓ کا جذبۂ عمل

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سواری پر ہیں، فاصلہ طے ہو رہا ہے، سواری کھڑی کر کے نیچے اترتے ہیں، ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھتے ہیں، پھر اٹھ کر آتے ہیں اور سفر شروع کر دیتے ہیں، پوچھنے والے نے کہا: حضرت! جب قضائے حاجت کی ضرورت نہیں تھی تو پھر رکے کیوں؟ وقت کیوں لگایا؟ جواب میں فرمایا میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سواری روکی تھی اور یہاں بیٹھ کر فارغ ہوئے تھے، اگرچہ مجھے حاجت درپیش نہیں تھی، لیکن میرا جی چاہا کہ میں وہی کروں جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

یہ سنت سے محبت، ذرا حضرت حذیفہؓ سے پوچھئے، جنہوں نے اہل فارس سے کہا تھا:

أَ أَتْرُکُ سُنَّةَ حَبِيْبِي لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَاءِ

ان احمقوں اور روشن خیالوں کی وجہ سے میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کر دوں۔

اصلاحی واقعات ۱۱۰

ہیرا ٹوٹے تو ٹوٹے مگر......

☆ ایک دن بادشاہ سلامت نے سوچا کہ لوگ ایاز پر اعتراض کرتے ہیں میں ذرا ان لوگوں کا امتحان لیتا ہوں، چنانچہ اس نے خزانہ سے ایک ہیرا، موتی منگایا اور ہتھوڑا بھی منگوایا اور سب کو کہا کہ دیکھو آج میں آپ لوگوں کی ذہانت کا امتحان لونگا، ہر بندہ بڑا محتاط ہو گیا، بادشاہ نے وہ ہیرا نکالا اور پہلے کو دیا کہ اسکو توڑو، اس نے کہا بادشاہ سلامت! اتنا قیمتی ہیرا توڑیں؟ اس سے بہت نقصان ہو جائے گا، تو بادشاہ نے لے لیا اور دوسرے کو دے دیا، دوسرے نے بھی یہی کہا، بادشاہ سلامت اتنا قیمتی ہیرا، اس کو کیسے توڑیں گے؟ بادشاہ نے مسکراتے ہوئے لے لیا، تیسرے کو دیا، حتیٰ کہ سب یہی جواب دیتے رہے، کسی نے ہیرے کو نہیں توڑا، جب بادشاہ نے ایاز کے ہاتھ میں پکڑایا اور کہا ہیرا توڑو، ایاز نے زمین پر رکھا اور ایک ہتھوڑا مار کر اسکے ٹکڑے کر دئے، سارے لوگ حیران، ارے جاہل، کم عقل، بے سمجھ انسان، اتنا بڑا نقصان کر دیا، اب اس کو بادشاہ کی ڈانٹ پڑے گی، بادشاہ خاموش تھا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایاز سے پوچھا کہ ایاز تم نے ہیرا توڑ دیا؟ ایاز نے جواب دیا، ہاں اور کہا بادشاہ سلامت! میرے سامنے دو باتیں تھیں، جب آپ نے فرمایا کہ ہیرے کو توڑو، اب یا تو میں ہیرے کو توڑتا یا میں آپ کے حکم کو توڑتا، میری نظر میں آپ

کا حکم زیادہ قیمتی تھا، اسلئے میں نے ہیرے کو توڑ دیا اور آپ کے حکم پر عمل کرلیا، اس پر بادشاہ خوش ہوا اور اس کی عقل کی داد دی۔

حکایات رومی ۱۹۱- اصلاحی واقعات ۱۳۶

کاش اپنے رب کے حکم کو دیکھتے

ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا، کچھ بڑا ہو گیا تو ان کے یہاں ایک اللہ والے آئے، یہ اپنے بیٹے کو ان کے پاس لے کر گیا، ان بزرگ کے پاس کھانے کے لئے میٹھی چیز تھی، انہوں نے بچوں کو پیش کی تو بچے نے انکار کیا، انہوں نے دوبارہ دی، بچے نے اپنے ابا کی طرف دیکھتے ہوئے پھر انکار کیا، جب بچے نے ایسا کیا تو ان بزرگ کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے، والد کو برا محسوس ہوا، کہنے لگے حضرت یہ بچہ ہے آپ محسوس نہ کریں، پھر اس نے بچے کو کہا بیٹا لے لو، بچے نے لے لی اس نے پوچھا حضرت! آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے؟ کہنے لگے کہ مجھے یہ خیال آیا کہ یہ چھوٹا سا بچہ ہے لیکن اس کے اندر باپ کی اتنی اطاعت ہے باوجود میٹھے کی رغبت کے جب تک باپ نے اشارہ نہیں کیا اس وقت تک اس نے میٹھی چیز کی طرف دیکھا بھی نہیں، جب کہ میں تو اتنی بڑی عمر کو پہونچ کر بھی چھوٹے بچے کی طرح بھی نہ ہوا، ہم لوگ جو گلی بازار میں پھرتے ہیں تو ہمارے سامنے بھی تو نیلی پیلی میٹھائیاں پھر رہی ہوتی ہیں، کاش کہ ہم ان کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے رب کی طرف دیکھتے کہ ہمارے رب کا کیا حکم ہے۔

ایک اشکال کا حیران کن جواب

ذوالنون مصریؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، وہ ایک مرتبہ اپنے دوستوں کو فرمانے لگے:

''تم کیا سمجھتے ہو اس شخص کے بارے میں جس کی مرضی سے دنیا کا کاروبار چل

رہا ہے؟“

جب انہوں نے یہ بات کی تو لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ تو بڑے محتاط بزرگ تھے، ایسا کلام کبھی نہیں کرتے تھے، آج انہوں نے کیسی بات کر دی، چنانچہ انہوں نے کہا: حضرت! آپ کے اس کلام میں کچھ گہرائی نظر آتی ہے، مہربانی فرما کر سمجھا دیجیے، چنانچہ پھر حضرت نے فرمایا:

”دیکھو! ہر کام اللہ کی مرضی سے چلتا ہے، میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں گم کر دیا ہے، اب گویا ہر کام میری مرضی سے چل رہا ہے“۔

اصلاحی واقعات ۱۵۲

اپنے آپ کو خدا کے حوالے تو کیجئے

رابعہ بصریہ اللہ کی ایک نیک بندی تھیں، ایک چھوٹا سا کمرہ عبادت کے لئے بنا ہوا تھا، وہیں رہتی تھیں، لیک مرتبہ دوپہر کو آرام کر رہی تھیں کہ ایک چور آ گیا، اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کوئی چیز نہ ملی تو ایک چادر اس نے اٹھا لی لے جانے کے لئے، جیسے ہی جھک کے چادر اٹھائی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، بینائی چلی گئی، راستہ نظر ہی نہیں آتا، اس نے گھبرا کر چادر وہیں پھینکی، جیسے ہی چادر پھینکی بینائی لوٹ آئی، تو وہ بھاگ کے نکلنے لگا، آواز آئی کہ ایک دوست اگر سویا ہوا ہو، دوسرا دوست جاگتا ہے، یہاں چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہیں تم کیسے چادر کو لے کر جا سکتے ہو۔

ہم اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر کے تو دیکھیں، مسئلہ بنتا ہے، جب احکام خداوندی کو توڑتے ہیں، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتے ہیں پھر اللہ سے امیدیں لگاتے ہیں کہ اللہ ہماری مدد فرمائیگا، جو ہمارے کرنے کا کام ہیں وہ ہم کریں اور پھر دیکھیں کہ اللہ اپنی رحمتوں کی کیسی بارش فرماتا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء ۴۶- جامع کرامات اولیاء ۲/ ۶۹

ہر ایک کو راضی کرنا ممکن نہیں

ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں جانے لگا، ان کے پاس ایک گدھا تھا باپ گدھے پر آگے بیٹھ گیا اور اس نے اپنے بیٹے کو پیچھے بٹھالیا، جب ایک آبادی سے گزرے تو لوگوں نے دیکھ کر کہا: دیکھو، گدھا بے چارہ ایک ہے اور اس پر دو بندوں نے سواری کی ہوئی ہے، جب اس آدمی نے یہ بات سنی تو اس نے دل میں سوچا کہ لوگ اس بات کو محسوس کر رہے ہیں تو میں بچے کو نیچے اتار دیتا ہوں، چنانچہ اس نے بچے کو نیچے اتار دیا، آگے گیا تو لوگوں نے دیکھ کر کہا، اندازہ کرو کہ خود اوپر بیٹھا ہے اور چھوٹے سے بچے کو پیدل چلا رہا ہے، اس نے یہ سن کر کہا کہ میں بچے کو اوپر بٹھا دیتا ہوں اور خود پیدل چل لیتا ہوں، اب اس نے بچے کو اوپر بٹھا دیا اور خود پیدل چلنا شروع کر دیا، کسی نے دیکھا تو کہا: اس کا حال دیکھو کہ گدھے پہ ایک چھوٹے سے بچے کو بٹھایا ہوا ہے اور خود پیدل چل رہا ہے، وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب میں کیا کروں، بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ گدھے پر بیٹھتے ہی نہیں، اب باپ بیٹے نے پیدل چلنا شروع کر دیا، کسی نے دیکھا تو کہا: یہ بڑے بے وقوف ہیں، پاس گدھا بھی ہے اور پھر بھی پیدل چل رہے ہیں، اب وہ اور زیادہ پریشان ہوا کہ کریں تو کیا کریں، پھر اسے ذہن میں خیال آیا کہ ہم گدھے کو اٹھا لیتے ہیں، چنانچہ جب وہ گدھے کو اٹھانے لگے تو گدھے نے بھی ان کو دولتیاں ماریں اور اوپر سے لوگوں نے کہا: ذرا اس بندے کا حال دیکھو کہ گدھے کو سر پر اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے، آخر میں انہوں نے یہ کہا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم بندوں کو کبھی راضی کر ہی نہیں سکتے۔

دو صحابہؓ کی درخشندہ مثال

دو صحابہؓ انڈونیشیا میں آئے، انہوں نے کوئی تبلیغ نہیں کی، کوئی وعظ نہیں کیا، کوئی درس قرآن نہیں دیا، فقط دکان کھولی، ان کی دکانداری کو دیکھ کر پورا ملک مسلمان ہو گیا،

ایسے اصولوں کے ساتھ دکانداری کی کہ لوگ ان کی دکان سے خریداری کرنا پسند کرتے تھے ،مگر لوگ دیکھتے تھے کہ یہ درمیان میں کچھ وقت کے لئے دکان بند کردیتے ہیں، پوچھتے کہ گاہک کھڑے ہوتے ہیں اور آپ دکان بند کردیتے ہیں، کیا وجہ ہے؟ وہ کہتے کہ اس وقت میں، ہم اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، پھر پوچھتے، جی! آپ چھٹی کیوں کرتے ہیں ؟ بتاتے کہ وہ جمعہ کا دن ہوتا ہے، لوگوں نے کہا: اچھا! تمہیں دکانداری کے یہ اصول وضوابط کس نے سکھائے، انہوں نے کہا: یہ اصول وضوابط ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے، وہ کہنے لگے کہ اگر انہوں نے آپ کو سکھائے تھے تو آپ ہمیں بھی سکھا کر اپنے جیسا بنا لیجئے۔ سبحان اللہ!

حضرت یوسفؑ سے بوڑھی عورت کی محبت

حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لئے ایک بوڑھی عورت ''دھاگے کی اٹی'' لے کر چل پڑی تھی، کسی نے پوچھا کہ اماں تم کہاں جارہی ہو؟ کہنے لگی یوسفؑ کو خریدنے جارہی ہوں، اس نے کہا اماں! ان کو خریدنے کے لئے تو بڑے بڑے امیر آئے ہوئے ہیں، وقت کے بڑے بڑے نواب آئے ہوئے ہیں، امراء آئے ہوئے ہیں، تو یوسفؑ کو کیسے خرید سکے گی، کہنے لگی کہ میرا دل بھی جانتا ہے کہ یوسفؑ کو میں خرید نہیں سکوں گی، لیکن میرے دل میں ایک بات ہے، وہ کہنے لگا کونسی بات؟ کہنے لگی کل قیامت کے دن جب اللہ رب العزت کہیں گے کہ میرے یوسفؑ کو خریدنے والے کہاں ہیں تو میں بھی یوسفؑ کے خریداروں میں شامل ہوسکوں گی، اسی طرح میرے دوستو! جب اللہ جل شانہ کے سامنے ہمارے سلف صالحین اپنی زندگی کی اتنی اتنی عبادتیں پیش کریں گے تو ہم زندگی کا ایک مہینہ ہی پیش کردیں کہ یا اللہ! اور کچھ نہ کرسکے ایک مہینہ کوشش کی تھی، تو اسی کو قبول فرمالے۔

(تفسیر روح البیان ۱/ ۱۴۰ سورۃ البقرۃ ۸۶)

نیکی کی خوشبو

......شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے فضائل درود شریف میں لکھا ہے کہ ایک آدمی رات کو سونے سے پہلے روزانہ درود شریف پڑھا کرتا تھا، ایک رات خواب میں اسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنا منہ میرے قریب کرو جس سے تم مجھ پر درود پڑھتے ہو، میں اس کا بوسہ لینا چاہتا ہوں، اس نے اپنا رخسار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب کر دیا، چنانچہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے کا بوسہ لیا اور اس کی آنکھ کھل گئی، جیسے ہی آنکھ کھلی پورا گھر مشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا، اس کے بعد آٹھ دن تک اس کے رخسار سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔

فضائل اعمال ۱/۷۵۹

پگھلتی برف سے عبرت

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میری ہدایت کا سبب ایک برف والا بنا، کہنے لگے کہ وہ کیسے؟ کہ میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک بندہ تھا جو برف بیچتا تھا، تو موسم ذرا ابر آلود سا ہو گیا اور برف لینے والے گاہک ذرا تھوڑے تھے، تو کہنے لگے میں نے اسے دیکھا وہ بڑا پریشان سا کھڑا ہے، آنے جانے والے لوگوں کے چہرے دیکھ رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی برف خریدنے والا نہیں، تو جب کچھ دیر وہ اس طرح کھڑا رہا تو رہ نہ سکا اور اس نے اونچی آواز سے کہا کہ لوگو! رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ پگھل رہا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ اس فقرے کو سن کر میرے دل میں احساس ہوا کہ اگر اسکا سرمایہ پگھل رہا ہے اور اس کو اتنی فکر لگی ہوئی ہے تو ہمارا وقت بھی برف کے مانند پگھل رہا ہے۔

روشندان بنانے کی نیت

ایک بزرگ تھے، ان کے ایک شاگرد نے ان کو ایک مرتبہ اپنے گھر دعا کے لئے بلایا، وہ تشریف لے گئے، جب انہوں نے گھر دیکھا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا بنایا ہوا ہے؟ کہنے لگا: جی یہ روشن دان بنایا ہے، پوچھا کہ کیوں بنایا ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت! اس لئے بنایا ہے کہ اس میں سے روشنی بھی آئیگی اور ہوا بھی آئیگی، تو حضرت نے اس کو بات سمجھائی اور فرمایا: آپ نے یہ کہا کہ میں نے یہ روشندان اس لئے بنایا کہ اس سے ہوا بھی آئیگی اور روشنی بھی آئیگی، اگر آپ یہ جواب دیتے کہ میں نے روشندان اس لئے بنایا کہ مجھے اس میں سے اذان کی آواز آیا کریگی تو تمہارا روشندان بنانا عبادت بن جاتا، ہوا اور روشنی تو تمہیں ویسے ہی مل جانی تھی، تو پتہ چلا کہ ہر عمل میں نیت کو ٹھیک کرنا ہے۔

علمی مضامین ۲۱۸

غسل کرنے میں نیت کا دخل

مولانا یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد تھے، ان کا ایک عجیب واقعہ ہے، جب گرمیوں کے موسم میں عصر کے وقت مدرسے سے چھٹی ہوتی تھی تو وہ ایک کنویں پر چلے جاتے تھے، وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور طالب علموں کو کہتے کہ میرے اوپر ڈول بھر بھر کے ڈالتے جاؤ، یوں سینکڑوں ڈول پانی ڈلواتے۔

حضرتؒ کا ایک ہمسایہ تھا، وہ ایک دن کہنے لگا: ''مولانا! ہمیں تو کہو اسراف ہووے، خود کرتے جاؤ'' یعنی مولانا! ہمیں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ اسراف اور فضول خرچی ہے اور خود سینکڑوں ڈول ڈلواتے رہتے ہیں، یہ بھی تو اسراف ہے، تو وہ چونکہ قریبی بھی تھا اور بے تکلفی بھی تھی، اس لیے حضرت جواب دیتے تھے: یہ میرے لئے جائز اور تیرے لئے حرام۔

چنانچہ ایک دن وہ کہنے لگا: مولانا! مجھے یہ بات آپ سمجھا دیں کہ آپ کے لئے کیسے جائز ہے اور میرے لئے کیسے حرام ہے؟

ایک دن منت کرنے لگا: مولانا! آج تو آپ یہ مسئلہ سمجھا ہی دیں، تو پھر مولانا نے اس کو بات سمجھائی اور پوچھا: اچھا! جب تم کنوں پر آتے ہو تو کس نیت سے آتے ہو؟ اس نے کہا: جی! نہانے کی نیت سے آتا ہوں، فرمایا: پھر تیرے لئے یہی حکم ہے کہ پانچ ڈول سے نہاؤ اور پھر چلے جاؤ، اس سے زیادہ کرو گے تو اسراف ہوگا، اس نے پوچھا: آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: میں تو بیمار آدمی ہوں، اس لئے گرمی کے موسم میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے آتا ہوں، چنانچہ اس طرح ایک ہزار ڈول بھی ڈال دو تو میرے لئے جائز ہوگا۔

اکابر علماء دیوبند ۸

کنگھی بھی نیت کے ساتھ

سلف صالحین ہر عمل سے پہلے نیت کو درست کرتے تھے، روایت ہے کہ ایک آدمی گھر کی چھت پر بیٹھا بال بنا رہا تھا کہ اس نے بیوی کو آواز دی کہ میری کنگھی لانا، بیوی نے پوچھا کہ آئینہ بھی لے آؤں، وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہا: ہاں! بیوی نے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں رہے اور آئینے کے بارے میں توقف کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک نیت کی ساتھ آپ کو کنگھی لانے کے لئے کہا تھا، جب آپ نے آئینے کے متعلق پوچھا تو میری کوئی نیت نہ تھی، میں نے توقف کیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیت عطا فرمائی۔

عوارف المعارف للسہروردی ۱/۴۹۷

اللہ اللہ اللہ